۷۸۶

کرشمہ تقدیر

عرف

افتخار و فرخ

مصنفہ

جامع الکمالات مستغنی عن الالقاب عالیجناب
سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹر اٹ لا متخلص
بہ حقیر (در ریختہ) ہمایون (در بھاشا)
مصنف نیرنگ عالم و نمونہ عشق و چمنستان
فصاحت و مختصر تاریخ جاپان و مکالمہ مابین
راجہ رامچندر و گرو بسشٹھ جی و مولف گلشن ترنم

مطبوعہ مطبع سیدی مقابل بارہ دری
عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ
حیدر آباد دکن

نمبر طبع ۲۲ قیمت فی جلد دو روپے

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حال ایک دوست کا میں لکھتا ہوں

گویا اپنی ہی بیتی کہتا ہوں

حمد خدائے تبارک تعالیٰ خالق جملہ موجودات و نعت حضرت
محمد مصطفےٰ سرور کائنات کا لکھنا لاریب ہر مسلمان کا فرض ہے مگر عموماً
قدرت بشری کے لیے اس فرض عظیم کی ادائیگی جیسی چاہیے محالات سے
ہے البتہ ؎ محمد سے نعت پوچھو خدا کی، خدا سے پوچھو شان محمد
اسی طرح سے منقبت شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ کا لکھنا جن کی شان مبارک
میں یہ رباعی ؎

روزے کہ بکعبہ مرتضیٰ شد پیدا ماشاء اللہ ؛ در کون و مکان قبلہ نما شد پیدا سبحان اللہ
جبرئیل بہ تہنیت فرود آمد و گفت ؛ کای ختم رسل فرزند یگانہ خدا شد پیدا الحمد للہ

کسی شاعر نے کیا خوب کہی ہے ہر مسلمان کو لازم ہے مگر آسان نہیں سمجھ

اس لئے ان امور میں خاکسار کونین سید عاشق حسین المعروف بسید ہمایون میرزا تخلص بہ حقیر ابن مرحوم و مغفور حضرت سید شاہ الفت حسین فریاد رئیس شہر مبنوسواد عظیم آباد عرف پٹنہ خلف سید شاہ نور الحسین علیہ الرحمتہ قلم فرسائی بے سود سمجھکر اور ضروری مطالب کا اظہار کرتا ہے۔ تقریبا تیس سال سے خصوصا فسانہ آزاد مصنفہ پنڈت رتن ناتھ آزاد آنجہانی کی اشاعت کے بعد سے ناول نویسی و ناول کا مذاق و چرچا ہند کی اردو دان پبلک میں بھی بہت کچھہ ہوگیا ہے اور ہوتا جارہا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ ہر قوم کے مہذب و شایستہ بننے اور ترقی کرنے کے لئے اوس کی قومی زبان کے لٹریچر کی درستی بھی لازمی امر ہے اور ہر زبان کی لٹریچر کی ترقی و توسیع کے لئے لازم ہے کہ مختلف شعبوں اور اصناف میں تالیفیں اور تصنیفیں بکثرت ہوں ہنجملہ جن کے ناول ایک بڑا شعبہ لٹریچر کا ہے اس لئے اردو دان ناظرین کی دلچسپی کے لئے ناول کی تعریف و مقاصد و اقسام و تاریخی حالات وغیرہ کا اظہار و انکشاف مختصر طور پر کرلنے کے بعد اس ناول کی حقیقت بیان کی جائیگی۔ ناول لاطینی زبان کے ایک لفظ نووس سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ لفظ نووس کی معنی جدید کیونکہ لٹریچر کے اور شعبوں کے مقابلہ میں ناول نیا شعبہ ہے۔ ہمعصر اشخاص کے اوضاع و اخلاق و رویہ وغیرہ کا اور نیز واقعات کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کرنیکے بعد عموما فرضی ناموں کے ساتھہ خیالی قصہ لکھنا ناول کہلاتا

بطریق طعن وتشنیع یا طنز آمیز پیرایہ میں تمدنی یا معاشرتی یا مذہ
کی اصلاح ایک قصہ کے ذریعہ سے کرنا اصل مقصد ناول کا ہے۔ [illegible]
معلومات کا پیدا کرنا بھی اسکے مقصد میں داخل ہے اور بظاہر مقصد یہ
کہ فطرتی تصویر واقعات کی مسلسل طور پر قصہ کے پیرایہ میں تمسخر آ
سے اس طرح کھینچی جائے کہ پڑھنے والے کو محظوظ و مسرور کرے۔
کی بلحاظ نوعیت دو قسمیں ہیں (۱) ریئلسٹک یعنے ایسا
اصلیت و واقعیت پر ہو (۲) فکٹیشس ایسا قصہ جو بالک
ہو یہ ہر دو قسمیں بلحاظ اثر کے دو قسموں پر منقسم ہیں (۱) سیریس
قصہ جس کے پڑھنے سے جذبات انسانی زیادہ متاثر و متحرک
(۲) سنسیشنل یعنے ایسا قصہ جو سنسنی خیز ہو۔ لیس ریئلسٹک ناول ہو
خواہ فکٹیشس ہو بلحاظ اثر کے یا تو سیریس ہوگا یا سنسیشنل ہوگا۔
بلحاظ نتیجہ کے بھی ناول کی دو قسمیں ہیں (۱) ٹریجیڈی یعنے خاتمہ جس
قصہ کا المناک غم آلودہ یا ستم رسیدہ و ظلم کشیدہ حالات کے ساتھ ہو
اور پڑھنے والے کو رنجیدہ و مکدر کرے (۲) کومیڈی یعنے جس قصہ کا
خاتمہ ہنسی خوشی سے مسرت بخش حالات کے ساتھ ہو جو پڑھنے والیکو
مسرور و محظوظ کرنے۔ پس ریئلسٹک ناول ہو خواہ فکٹیشس ہو باعتبا
نتیجہ کے
یو ٹریجیکل ہوگا یا کومیڈیکل ہوگا۔ یوں تو ناول نویسی کا چرچا
بو بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ آغاز اس کا اسکندر اعظم کے
ز یونان میں ہوا قدیم زمانہ کے ناول یونانی اور لاطینی

غرض یہ کہ تھے جس طرح ہند میں ایک زمانہ میں طلسمہ عجائبین
زبان کو مقبولیت حاصل تھی۔ سنہ ۱۷۴۰ء میں سیموئیل رچرڈسن مشہور
مقبول ناول نویس نے اپنی تصنیفیں شائع کیں۔ اٹھارہویں
صدیوں نے انگلستان میں بڑے بڑے ناول نویس کاملین
پیدا کیے۔ سنہ ۱۸۱۴ء میں سر والٹر اسکاٹ کے ویورلی ناولس
مقبول خاص و عام ہوئے۔ سنہ ۱۸۴۸ء میں تھیکری نے بہت سے
لکھے مگر وینٹی فیر نے تھیکری کے نام کو اسی طرح زندہ جاوید کیا
جس طرح پکوک پیپرس کی وجہ سے چارلس ڈکنس کا نام تاابد
انگلستان زبان زد خاص و عام انگلستان میں رہے گا۔ انگلستان
کے ان دونوں صدیوں کے مشہور و معروف ناول نویسوں میں
چارلس کنگسلے۔ چارلس ریڈ۔ ڈزریلی۔ ریبیلڈ لوئس ہارڈی
لورڈ لٹن۔ جیوارج الیٹ۔ کین۔ رڈیرڈ کپلنگ۔ رائیڈر ہیگرڈ
ماری کریلی۔ بلیک۔ اوڈاہرٹی۔ اوڈوا۔ اوئیڈا وغیرہ گزرے ہیں۔
علاوہ ان کے بے شمار غیر معروف مرد و عورت ناول
نویسوں کی ہے اب تو انگلستان میں آئے دن دو چار نئے ناولوں
کی روزانہ اشاعت ہوتی رہتی ہے۔ ایشیا میں قدیم زمانہ میں ناول
کے انداز کے خیالی و فرضی قصے مختلف ملکوں اور زبانوں میں لکھے
گئے مگر بالکل ناول کی حیثیت کا جس پہ ناول کا پورا اطلاق ہوتا ہے
ایک بہت ضخیم قصہ دسویں صدی مسیحی میں ایک جاپانی عورت نے لکھا

اس عورت ناولسٹ کا نام مور اسکی تھا۔ بلحاظ بلند خیالی و
وطرز تحریر و ترتیب مضمون وغیرہ مور اسکی سموئیل رچرڈسن
انگلستان کے مشہور ناولسٹ کے مشابہ وہم پلہ مانی گئی ہے
ڈراما ناول سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ ناول نویس کے لئے جہاں
وسیع عام معلومات کی علم اقتضائے بشری اور نیچرل فلاسفی یعنے
فلسفہ فطرت کی ضرورت ہے وہاں اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ مذاق
کی بھی حاجت ہے۔ اس لئے ناول کو بہترین شاعری کا ہم پلہ ہونا
چاہیے۔ عام پسند بنانے کی غرض سے عشق بازی کی چیک دی
جاتی ہے۔ صحت کے اعتبار سے تاریخ کی وقعت بالعموم ناول کو
حاصل نہیں ہے اور کبھی ہونی بھی ہے۔ تاریخ گزرے ہوئے اہم واقعات
و نامی گرامی اشخاص کے کارناموں اور تذکروں کا ایک ذخیرہ ہے
جو بلا مبالغہ و بلا تعصب امکانی صحت کے ساتھ ضبط قلم کیا جاتا ہے
اور ناول میں ان شرطوں کی قید نہیں ہے مگر ناول میں جس
واقعہ یا شخص یا منظر وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے بالکل نیچرل ہوتا ہے
اس لئے وہ فوٹو کا کام دیتا ہے جس زمانہ کا ہم ناول پڑھتے ہیں ہمکو
معلوم ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ کی معاشرتی اخلاقی سیاسی حالت
کیا تھی مذہبی خیالات کیا تھے۔ چونکہ ناول بھی ایک بڑا ذریعہ
سوسائٹی کے خیالات کی اصلاح کا ہوتا ہے اس لئے ناول نویس کو
انگلستان کے انیسویں صدی کے مشہور و قابل قدر ادیب و سوشل

یفا مر جون رسکن کی سعی ہمت اخلاقی و آزادی سے کام لیں
ور پبلک کو بھی اون کے نصایح سے سبق لینا چاہیے رناول نو
ہ فرض ہے کہ جس شخص یا منظر وغیرہ کا تذکرہ کرے سچی تصویر او
یا منظر وغیرہ کی اُتارے مثلاً جہاں کسی یوریپن شخص کا اس طر
ذکرہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو کسی ہندی سے بو
رہا ہے تو لازم ہے کہ جن خصوصیات کے ساتھ ایک یوریپن شخص
بولتا ہے وہ خصوصیات ملحوظ رکھے جائیں پوری نقل بلفظ وغیرہ کی کی
دلی اور لکھنو کی اُردو مستند ہے لیکن وہاں بھی مختلف طبقے کے اشخا
ہیں بولنے کو تو سبھی اردو بولتے ہیں مگر ہر طبقہ کا روزمرہ علیحدہ ہے۔
حضرات علما کے طبقہ کی اُردو میں عربیت کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ عام
شرفا کے محاورے اور اصطلاحیں جداگانہ ہیں بیگموں اور گنوار
عورتوں کے روزمرہ میں بڑا فرق ہے۔ شہدوں کا روزمرہ الگ ہے
ایک شعر شہدوں کی زبان کا ضیافت طبع کے لئے ہدیہ ناظرین کیا جاتا
ہے سہ۔
جین کی جھپ سے لیا کرتا تھا نتاب نقی ، وہ بھی گارت ہوا کہاں کی عنایات جو ہے
اس کا مطلب یہ ہے نواب نقی (علی نقی خان وزیر اخیر شاہ اودھ سے مراد ہے)
مجھ سے شیخی کی لیا کرتے تھے یہ بھی خالق کی عنایت ہے کہ وہ بھی مر گئے
بہار عشق میں حکیم نواب مرزا مرحوم شوق نے جہاں لکھنو کی ایک بیگم کی زبان
کی نقل کی ہے یہ شعر لکھا ہے۔

سچ بتا تجھکو میری جان کسوں ۔ مجھ پہ مرتا ہے تو قرآن کسوں

(دیپنے قسم) اسی بیگم کی زبان سے نکلے ہوئے یہ اشعار بھی ہیں

تجھکو صدقہ اتاروں جا کے واں ۔ وائی بندی سے ہاتھ دہوئے جہاں

تونے جلادوں کو کیا ہے گرو ۔ دور پار ایسا نوج ہو درد

ان اشعار میں لکھنو کی خاص بیگماتی اور محل خانہ کی زبان کا چربا کھینچا گیا ہے۔ ہر ملک کے مختلف طبقوں اور مختلف اسامت کی زبانوں میں بھی آپس میں بڑا فرق ہوتا ہے خاص و عام کی زبان میں بھی فرق ہوتا ہے۔ عوام علاوہ صرفی و نحوی غلطیوں کے تلفظ بگاڑ دیتے ہیں۔ انگریزی زبان کی بھی یہی حالت ہے انگلستان کے گنوار بھی قواعد زبان دانی کو مطلق ملحوظ نہیں رکھتے ہیں واحد کی جگہہ جمع جمع کی جگہہ واحد فعل کا استعمال کرتے ہیں تلفظ غلط کرتے ہیں مثلاً واٹ کو وٹ ڈرنکنگ کو ڈرنکن آر گو کو آر گی آور کو ہور بولتے ہیں اسی طرح ہزاروں الفاظ کے صحیح تلفظ کا خون کرتے ہیں پس جس طبقہ کی زبان کی نقل ہو من وعن ہو۔ حیدرآباد کی حالت مستثنی نہیں ہے۔ ہمارا یہاں کی زبان اور گنواروں کی زبان یکساں نہیں ہے۔ اس ناول میں محی الدین بی ماما کی زبان کی جو نقل کی گئی ہے اس سے یہہ سمجھنا نہیں چاہئے کہ یہاں کے شرفا کی بھی ایسی ہی زبان ہوگی۔ یہاں تک تو عام ناولوں سے بحث کی گئی اب اس ناول کے متعلق بھی کچھہ عرض کرنا ہے۔ یہ کوئی خیالی و فرضی فسانہ نہیں ہے بلکہ

میرے ایک دوست کی سرگزشت اور میرا چشم دید واقعہ ہے۔ الا
نام فرضی ہیں اور کہیں کہیں واقعات کی شکل بدل دی گئی ہے
اس ناول میں اس کی ایک شاخ بھی ہے جس میں انگلستان کا ایک
فرضی قصہ بیان کیا گیا ہے جس پر بلحاظ نوعیت فکٹیشس اور باعتبار
اثر سنسیشنل اور بحیال نتیجہ ٹرجیکل ناول کا اطلاق ہوتا ہے اور اصل
ناول پر بلحاظ نوعیت ریلسٹک اور بلحاظ اثر سسپیرلس اور بلحاظ نتیجہ
کموڈیل ناول کی تعریف صادق آتی ہے الغرض دونوں قصے ملکر پوری
تمثیلیں ناول کے جملہ اقسام کی ہیں۔ قصہ کا نام کرشمہ تقدیر اس کے حالات
کے لحاظ سے اسم بامسمیٰ ہے یہ قصہ نہایت عبرت خیز و عبرت انگیز واقعہ
ہے۔ بر سبیل تذکرہ جا بجا بعض معاشرتی مسائل سے بھی بحث کی گئی ہے
مگر اصل قصہ تنبیہ الغافلین ہے جس سے ظاہر ہے کہ باستثنا چند امور
کے انسان کے قبضہ و اختیار میں کچھ نہیں ہے جو اصحاب تقدیر کے
قایل نہیں ہیں اور تدبیر پر بھروسا کرتے ہیں وہ اس قصہ کے واقعات
پر نظر غائر ڈالیں اور تقدیر کے کرشموں کا تماشا دیکھیں جن سے یہ نتائج
مستخرج ہوتا ہے کہ ان کرشموں کا دکھانے والا بھی کوئی ہے یعنے
واجب الوجود۔

معذرت

اخیر میں حضرات نکتہ رسان اور دو لٹریچر کی خدمات میں التماس ہے کہ

قصہ کو تعلق نہ دلی سے اور نہ لکھنؤ سے بلکہ سرزمین صوبہ
رائے سے ہے جہاں کی اردو اردو دانی کے شمار و قطار میں
نہیں ہے اس لئے زبان دانی کی لغزشیں اپنی ور یا دلی سے
نظر انداز فرمائیں ؎

احقر العباد
سید ہمایون میرزا

ہمایون منزل
حیدرآباد دکن
۲۴ جون سنہ ۱۹۱۶ء

پہلا باب

دسمبر ۱۸۹۴ء کا مہینا ہے سردی زوروں پر ہے گو حیدرآباد میں تیز جاڑے نہیں پڑتے ہیں مگر اِس سال کی سردی بلا کی ہے۔ لوگ گھبرا اُٹھے ہیں پرانے بُڈھوں کا قول ہے کہ یا تو ۱۸۵۲ء میں ایسی سردی پڑی تھی یا اِس سال جاڑوں نے اپنا رنگ جمایا ہے صبح کے چھ بجے ہیں کُہر اِس ستم کا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہیں دیتا ہے مارے سردی کے بعض جانوروں نے ابھی اپنا نشیمن نہیں چھوڑا ہے سڑکوں پر لوگ یکا دُکا چل رہے ہیں۔ گاڑی گھوڑوں کی بھی حسب معمول ابھی کثرت نہیں ہوئی ہے۔ کچھ دکانداروں نے دُکانیں کھولی ہیں اور کچھ کھولنے اور لگانے میں مصروف ہیں بعض نماز گذاروں نے صبح کی نماز سے فراغت حاصل کی ہے

دربعض مشغول عبادت ہیں مندروں میں ناقوس بج رہے ہیں محکمہ صفائی کے
آدمی جلدی جلدی سڑکیں صاف کر رہے ہیں ریذیڈنسی کے علاقہ کے کلوک
ٹاور کے برابر جو سڑک چلی ہے یہاں کے بازار کو گئی ہے اس سڑک پر ایک شخص ٹھگنا
موٹا سیاہ فام کچی ڈاڑھی منہ پر خاکی ڈرل کا یونیفورم پہنے ہوئے شالباف کا منڈاسا
سر پر باندھے چمڑے کی پیٹی کمر میں لگائے ایک بادامی چمڑے کا بیگ بغل میں لٹکائے
سر سے ایک میلی چادر گاڑھے کی اوڑھے ہوئے داہنے ہاتھ میں بہت سے خط اور
اخبار لئے ہوئے مارے سردی کے ٹھٹھرتا اکڑتا پریشان خاطر منہ پر ہوائیاں چھوٹی
ہوئی لپکا ہوا چلا جا رہا ہے جاتے جاتے داہنے طرف کا راستہ جو چادر گھاٹ کے پل کو
گیا ہے چھوڑ کر اس پتلی سی سڑک پر مڑا جو کاچیگوڑہ جاتی ہے چند ہی قدم آگے
گیا ہوگا کہ ایک نان بائی کی دکان سے جو سڑک کی بائیں جانب واقع ہے
آواز آئی ۔

آواز ۔ ارے بھائی ہرکارہ صاحب سلام علیکم" ایک شخص نے پلٹ کر دیکھا
اور دکان کے قریب پہونچ کر کہا ۔

شخص ۔ آہاہا یار تم ہو خوب ملے بھائی وعلیکم السلام تم بازار کب چھوڑ
بیٹھے یہ جگہ بھی اچھی ہے یہاں بیوپار اچھا چلتا ہوگا ۔ ادھر دکانان بہت ہو گئی ہیں

نان بائی ۔ ذرا بیٹھ جاؤ نا بیڑی پی تو لو جانا" یہ کہہ کر بیڑی اور دیا سلائی
کی ڈبیہ دی ۔

نان بائی ۔ یہ تو کہو ٹپہ خانہ میں کب سے ہوئے ہو مزاج تو اچھی ہے"۔

۱؎ وہ ٹھنگنا جیسے گڑبڑی منصب ہے ۲؎ وردی ۳؎ مدرہ ۵؎ ڈاک خانہ

مدار صاحب۔ (ڈاکیہ کا نام) "ارے بھائی کیا بولنا ایسا وقت آ گیا ہے کہ
کچھ پوچھو نکو نہ کہیں روزگار ہے نہ نوکری ہے کوئی سہی (سچی) سفارش کرنیوالا
ہو تو بڑے بڑے کام مل جاتے ہیں ہم سری کو کون پوچھتا ہے اپنے کو کیسے بھی پیٹ
پالنا ہے انگریزی ٹپہ خانہ میں نوکری کر لیا ہوں کل ہی تو نوکری ملی ہے مزاج کی
حال کیا کہیں آج کو چار دن ہوئے کہ بچے والی[۵] لڑکر گود کی بچی کو لیکے سجانے کہہ
نکل گئی سچ پوچھو تو اُس کا بھی قصور[۵۲] نہیں میرے کو روزی روزگار نہیں اس کی
طرف سے لڑی تھی تین دن سے ڈھونڈ ڈھونڈ کے جان بیزار آ گیا کہیں پتہ
نہیں ملا ہاں یہ تو بتاؤ شہزادہ سلطان مرزا کس جاگے رہتے ہیں دبدبۂ سکندری
دینے کا ہے"

نان بائی۔ "سلطان مرزا میاں کا گھر وہ کیا سامنے ہے یہاں سے بہت ہو گا
دو تین منٹ کا راستہ ہے آگے جا کے کس سے بھی پوچھ لو وہ دوسری
بات کیا بولے سکندری کو دیکھنے کا ہے یہ کون تمہاری گھر والی کا نام ہے کیا
اب اس کا پتہ لگ گیا سلطان مرزا میاں کنے ہے"

مدار صاحب۔ (قہقہا لگا کر) "دبدبۂ سکندری ہیں جو کہا تم سمجھے نہیں وہ کیا
بات ہے ارے بھائی ایک اخبار کا نام ہے (اخبار دکھا کر) اسے دیکھو اسی
اخبار کا نام ہے اس پر شہزادہ سلطان مرزا صاحب کاچھی گوڑہ حیدرآباد دکن
لکھا ہوا ہے انھیں کے گھر میں لیجا کر دینا ہے لے بھائی اب جاتے ہیں سلام علیک"
ڈاکیہ نان بائی سے رخصت ہو کر اٹھا اور پوچھتا پچھتا سلطان مرزا کے مکان

---

۵ - جورو   ۵۲ قصور

پہنچا اُن کا دروازہ کھل چکا تھا۔ دروازہ پر ایک ٹاٹ کا پردہ پڑا تھا پردہ کے باہر سے باآواز بلند پکارا "ماماجی اماں ٹپہ لیجاؤ" جب کوئی نہ آیا تو تھوڑی دیر کا وقفہ دیکر پھر اسی طرح پکارا۔ اندر سے ایک کمسن عورت نے کہا محی الدین بی ذرا باہر جاؤ دیکھو کب سے کوئی چلا رہا ہے تم تو ایک کام میں صبح کر دیتی ہو۔"

محی الدین بی۔ "جا رہی ہوں نا بادشا آپ تو کام میں کام بولتے ہیں اور سب کہاں سگئے بھروخت میرے ہی پر آفت آتی ہے کیا نکو۔ آدمی ایک کام کرے دو کام کرے تمام دن کا چرخا کون کاتے (دبی زبان سے) بیگم صاحب تو کچھ کہتے ہی نہیں یہ اُن کی لڑکی ہی اندر آؤ باہر جاؤ بھروخت کیا کرتے ہیں اوئی ایسی منہ پھٹ حراف ان بیاہی لڑکی تو میں نہیں دیکھی بارونکے بھول آتے کجرا لگائے جاتا ہے ہمارے حیدرآباد میں ایسے لڑکیاں نہیں ہوتے" یہ کہتی اور کچھ بدبداتی باہر چلی قریب پردہ کے پہونچکر بولی "آتی ہوں با۔"

ماما۔ (ڈاکیے کو دیکھکر) "اماں! یہ تو اُنہوں ہیں۔ ٹپہ والے کا بھیس بدل کے آئے ہیں تم میری جان کے پیچھے ہو گئے ہو میں اُجڑی یہاں آکے گڑی تھی یہاں بھی چین لینے نہیں پائی ہیں اب تمھارے ساتھ نہیں رہنے کی تم برائے للّٰلہ میرا پنڈ چھوڑ دو۔"

ڈاکیا۔ (ماما کا ہاتھ پکڑ کر اور اوس کو اپنی طرف کھینچکر) "میں ٹپہ خانہ کی نوکری کیا ہوں جی بھیس نہیں بدلا ہوں۔ خدا کی طرف سے تم مجھکو ملے۔ تم نوکر ہو گئے اچھا ہوا پن ابھی وقت میرے ساتھ چلو ایک دن کی پروانگی لیلو۔ بچوں کا روتے روتے حال بُرا ہے جلدی سے واپس آؤ۔"

محی الدین بی اپنے شوہر کی نوکری کا حال سن کر دل میں تو خوش ہوئی مگر اُس نے خوشی کا اظہار چہرہ سے نہیں کیا بچوں کے رونے دھونے کا حال سُن کر اُس کا دل اندر سے بھر آیا۔ یہ کیفیت بھی اُس نے ظاہر نہیں ہونے دی اور یہ کہتی ہوئی اخبار لیکر چلی "آج کو چار دن تو نوکری کو ہوئے رضا ملنی بھی ہے کہ نہیں مانگتی تو ہوں پھر کیا ہے کی۔" ماما اخبار لیے ہوئے اندر آئی ادھر ادھر دیکھکر بولی "سرکار نہیں ہیں۔ اوسے بیگم صاحب یہ اخبار ہے انھوں آئے ہیں۔ (بات بنا کر) منجھلی بچی کا اب تب ہو رہا ہے دستاں جا رہی ہیں ایکدن کی رضا دیجئے کل اُسی وخت آجاؤں گی۔"

شوکت النسار۔ (اخبار ہاتھ سے لیکر برافروختگی و تبسم کے ساتھ) "تم لوگوں کی بھی بھلی کہی ان ماماؤں سے خدا بچائے انہیں کسی کو مردہ بنا دے اور پھر زندہ کر دیتے دیر ہی نہیں لگتی (ماما کی طرف مخاطب ہوکر) کیوں نکبخت تو نے تو کہا تھا کہ تیرا شوہر مر گیا تو رانڈ ہے پھر یہ اُلھون کس قبر سے نکلے۔"

ماما۔ (کھسیانی ہوکر) "بیگم صاحب پھر کیا بولنا جو مردوا اپنی جورو کو بات بات میں وہناک دے روٹی کپڑا نہ دے تس پر بارے کوٹے مرے سری کا ہے کہ نہیں آپ ہی بولو۔ اب اس وخت بچی کا حال بُرا ہے کر کے مجھ سے بات سکیے اتا نہیں تو کیا یہ بہرے سے بات کرنے والے وہ بھی ٹپہ لیکو آئے مجھکو دیکھ لئے تو بولے ہیں گھر سے کچھ کھکے نہیں نکلی۔"

شوکت النسار نے طوعاً و کرہاً ماما کو ایک دن کی رخصت دی اور وہ سلام کر کے باورچی خانہ کی طرف گئی کھونٹی پر سے اپنی لٹکنی ہوئی چادر لی انگنائی

ہیں سے اپنی بچی کو گود میں اوٹھا یا باہر گئی۔

شوکت النساء شہزادہ سلطان مرزا کی بیوی ہیں اور جس کمسن عورت نے ماما کو باہر جانے کا حکم دیا تھا وہ اُن کی دختر نیک اختر افتخار النساء ہے۔

سلطان مرزا کے دادا طہماسپ مرزا شاہ عباس ثالث کے جو نادر سے پہلے فرمان روائے ایران تھا پوتوں میں سے تھے خاندان صفویہ کی تباہی کے بعد اکبر ثانی کے زمانہ میں سنہ ۱۸۲۴ء میں وارد دہلی ہوئے تھے وہاں اُن کی بہت آؤ بھگت ہوئی اور شہنشاہ نے بغیر خیال اختلاف مذہب اپنی ہمشیرزادی سے ان کا عقد کر کے بست ہزاری کے لقب و منصب سے انھیں ممتاز و سرفراز کیا تھا۔ ہندوستانی بیوی کے بطن سے طہماسپ مرزا کے ہاں دو لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئے دو صغیر سنی میں جاتے رہے اور دو زندہ رہے اِن میں سے ایک سلطان مرزا کے والد حیدر مرزا اور اُن کی پھوپھی نواب روشن آرا بیگم۔ حیدر مرزا کی شادی دہلی کی ایک امیرزادی سے ہوئی تھی جن کے بطن سے سلطان مرزا اور اُن کی ایک ہمشیرہ ارجمند سلطان بانو بیگم پیدا ہوئے ارجمند سلطان ایک قدیم خاندان کے رئیس نواب سید حفیظ الدین خاں سے بیاہی گئی اور سلطان مرزا نے خاندان تیموریہ کی ایک مقدس خاتون سے شادی کی۔ بعد متاہل ہونے کے اللہ نے انھیں تین اولادیں عطا کیں۔ ایک یہ لڑکی افتخار النساء اور دو فرزند کامران مرزا اور سلیمان مرزا۔ دہلی میں اُن کا خاندان بلّی ماروں کے محلہ میں ایک عرصہ تک بہت عزت و ثروت کے ساتھ مقیم رہا بہادر شاہ اخیر

شہنشاہ دہلی کی گرفتاری اور غدر کے بعد بہت ہی برگشتہ و پریشان ہوگیا تھا۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد جب امن قایم ہوا تو بلحاظ عظمت و تعلقات خاندانی سلطان مرزا کو بھی سرکار انگلشیہ نے پچاس روپے ماہانہ کا وثیقہ مقرر کیا۔ کچھہ عرصہ تک تو پچاس روپیہ ماہانہ میں بہت تکلیف کیساتھہ بسر کرتے رہے لڑکے جیوں جیوں بڑھتے گئے اخراجات تعلیم وغیرہ بھی بڑھنے لگے سلطان مرزا کی پریشانی بھی بڑہنے لگی حیدرآباد کو خدا سلامت رکھے جہاں دور دور سے مصیبت زدہ پریشان حال آس لگا کر آتے ہیں اور اُن کی پریشانیاں دور ہوتی ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۸۷۶ء میں سلطان مرزا بھی حیدرآباد آگئے اور مقتدر عہدہ داروں کی سفارش پر ڈیڑہ سو روپیہ ماہانہ منصب سے سرفراز کیے گئے۔ شہزادہ سلطان مرزا فطرتاً ایک خلیق باوضع منکسر صاحب علم متین آزاد خیال کنبہ پرور بامروت سلیم الطبع شخص ہیں انھوں نے ازراہ فور محبت چند دنوں کی اقامت کے بعد اپنے بہنوی نواب حفیظ الدین خاں کو جو اُس زمانہ میں گوالیار میں تھے مع اپنی ہمشیر کے حیدرآباد بلوایا اور اون کو مقتدر عہدہ داران سرکار عالی سے ملا یا حفیظ الدین خاں کے لیے بھی اسی قدر یعنی ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ کا منصب مقرر کیا گیا۔ جب سے یہہ دونوں سالے بہنوئی مع اپنے اپنے متعلقین کے حیدرآباد ہی میں رہ پڑے سلطان مرزا حیدرآباد کے مختلف محلوں میں رہے بالفعل محلہ کاچی گوڑہ میں حیات شریف خانساماں کے مکان میں ماہانہ بیس روپیہ کرایہ پر رہتے ہیں باہر کا دیوانخانہ تو مختصر سا ہے

مگر زنانہ مکان وسیع ہے اور ایک پائین باغ بھی ہے جو افتخار النسار کی خاص
توجہ سے طرح طرح کے پھولوں سے گلزار بنا ہوا ہے افتخار النسار کی پیدایش
حیدرآباد آنے سے پیشتر دہلی میں ہوی تھی۔ یہہ چھہ مہینے سے کچھہ کم ہی کی
ہوگی جبکہ یہہ اپنے والدین کے ساتھہ پہلی دفعہ حیدرآباد آئی۔ جب اسی پانچواں
سال لگا تو تعلیم و تربیت کے خیال سے اس کی خالہ نے جس کی کوئی اولاد
نہ تھی اپنے پاس دہلی بلا لیا فارسی و عربی کی درسی کتابیں اس نے اپنے خالو
سے تمام کیں۔ انٹرنس کا امتحان دہلی کے مشن اسکول سے پندرھویں
سال درجہ اعلیٰ میں پاس کیا اسی سال اس کی خالہ نے انتقال کیا اور
یہ اپنے والدین کے پاس حیدرآباد چلی آئی۔ اب اسے سترھواں سال ہے
انگریزی کا درس برابر جاری ہے عربی کی منتہی کتابوں کے سبق اپنے باپ
سے کبھی کبھی لے لیتی ہے۔ یہ فطرتاً بے انتہا ذہین و طباع ہے طبیعت میں
کد و ضد کا بھی مادہ ہے۔ چلبلاپن اور شوخی بھی مزاج میں کوٹ کوٹ کر
بھری ہے۔ صفائی ستھرائی اور نفاست کا بڑا خیال ہے شوخی کے ساتھہ
متانت بھی ہے غیور اور بہت سی باتوں میں فریس بھی ہے تحصیل علم و
کمال کی بہت شایق و شاعر بھی ہے دنیا میں نام بر آور و مشہور ہونے کی
بڑی ہوس رکھتی ہے لیکن صورت دلفریب نہیں ہے۔ اس کی ماں نے
کل انتظام خانہ داری افتخار کے ہاتھہ میں دے رکھا ہے جسے وہ نہایت
حسن و خوبی کے ساتھہ انجام دیتی ہے۔ اپنے والدین کی عاشق زار ہے مخصوص
باپ کی۔ بھائیوں میں سے بڑے کو بہت عزیز رکھتی ہے۔ عاقل باپ کی

ہمیشہ یہ کوشش ہے کہ اس کی پیاری افتخار کی تعلیم و تربیت کے ایسے بیج بوئے جائیں جن سے ہنر و کمال کے گلہائے رنگارنگ پیدا ہوں جو چمن شباب پر خزاں آنے کے بعد بھی مہکتے اور اپنی خوشبو دیتے رہیں یہی سبب ہے کہ اسے اقسام کے کھانے پکانے بھی آتے ہیں چٹنی اچار مربے طرح طرح کی مٹھائیاں اور شربت بنانے میں ید طولی رکھتی ہے سوئی کے کاموں میں بھی طاق ہے دسوں انگلیاں دس چراغ ہیں جس وقت کہ افتخار نے محی الدین بی کو باغ جانے کا حکم دیا اپنی ماں کے پاس بیٹھی ہوئی گھر کا کچھ حساب دیکھ رہی تھی۔ ماما جب گھر جانے کی رخصت لیکر باہر جا چکی تو شوکت النساء نے وہ اخبار اٹھا کر افتخار کی طرف پھینکدیا۔ افتخار نے اخبار تو لیکر اپنے قریب رکھ لیا اور حساب لکھنے میں پھر مشغول ہو گئی۔ جب حساب ختم کر چکی تو اس اخبار کو لیے ہوئے اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ اور ایزی چیئر[1] کو روشنی کی طرف کھینچکر بیٹھ گئی۔ اخبار کا طبلق پھاڑ کر پھینکا۔ الٹ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ تیسرے صفحہ پر ایک فوٹو دیکھا جس کے نیچے یہ لکھا تھا۔ شبیہ ڈاکٹر فرخ مرزا ام ڈی بی۔ ایس۔ سی۔ (لندن) تصویر کے سامنے یہ عبارت درج تھی۔ ڈاکٹر فرخ مرزا ولایت سے ڈاکٹری کی سند حاصل کر کے انتیسویں (۲۹) نومبر کو لکھنؤ میں داخل ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھنؤ کے رئیس زادوں میں ہیں۔ جملہ مسلمانان ہند کے لئے قابل فخر یہ امر ہے کہ اس وقت تک جو نوجوان مسلمانان ہند ڈاکٹری کی سند لیکر ولایت سے آئے ہیں وہ ڈنبرا دار السلطنت اسکوٹلینڈ کے سند یافتہ ہیں لندن یونیورسٹی[2] سے ام ڈی کی

---

[1] آرام کرسی [2] دار العلوم

ڈگری اس وقت تک کسی ہندوستانی مسلمان نے حاصل نہیں کی۔ خدا ڈاکٹر صاحب
اور اُن کے عزیزوں کو یہ ڈگری مبارک کرے اور ڈاکٹر صاحب کو نظر بد سے بچائے
اللہ نے جیسی صورت دی ہے ویسی ہی سیرت بھی عطا فرمائی ہے کیوں نہ ہو
اللہ جمیل و یحب الجمال۔ افتخار النسا تصویر کو دیکھکر پھڑک اُٹھی اور اُس نے
عبارت مندرجہ بالا کو بغور پڑھنا شروع کیا عبارت ختم کرنے کے بعد دنگ
ہوگئی چونکہ خود صاحب علم تھی اس لیے علم دوست اور قدردان علم بھی تھی۔
لندن کے ام ڈی کی وقعت سے بھی واقف تھی دل میں بیساختہ ڈاکٹر صاحب
کو دعائیں دیں۔ بار بار تصویر کو دیکھتی اور اُس عبارت کو پڑھتی۔ کبھی ہند کے
مسلمانوں کی قومی حالت کا خیال کرتی اس پر سے اس گوہر نایاب ڈاکٹر کے
کمال کا خیال کرکے دل میں عشعش کرتی اس کے بعد فوری یہ خیال اس کے
دل میں پیدا ہوا کہ اگر ان کی شادی نہیں ہوئی ہو تو اچھا ہے پھر دل ہی دل
میں یہ کہنے لگی "آہا کیا پیاری صورت ہے عمر بھی ابھی کچھ ایسی نہیں ہے
بس مجھ سے چار یا پانچ برس زیادہ ہوں گے۔ مرد عورت میں اتنا فرق تو ضرور
چاہئیے (پھر تصویر کو دیکھکر) نام خدا ابھی اچھی طرح ڈاڑھی مونچھ بھی نہیں نکلی
ہے۔ مونچھیں تو تھوڑی سی تھوڑی نکلی ہیں ڈاڑھی کچھ بھی نہیں نکلی یا منڈا دی
ہو۔ نام تو بالکل ہمارے خاندان کا سا ہے۔ میں نے ابا جان سے ایکدفعہ
سنا تھا کہ خاندان صفویہ کے ایک شہزادہ سعادت خاں کے زمانہ میں لکھنؤ میں
جا بسے تھے یہ انھیں کی اولاد میں ہوں۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو پھر تو ہم اور وہ
ہمجد ہوں گے ابا جان کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا اور اگر کہیں اُن کے والدین نہ ہوں

اس سونچ اور تحیر میں ایک ہاتھ میں اخبار اور ایک ہاتھ کن پٹی سے لگائے بیٹھی تھی کہ عمدہ خانم اچانک آپہونچی۔

عمدہ خانم۔ "ایلو تم یہاں ہو آب در کوزہ و من تشنہ دہان می گردم۔ میں تمہیں تمام ڈھونڈھ رہی ہوں جم جم سے آپ یہاں براج رہی ہیں یہ تو بتاؤ آج چاند کی کونسی ہے دھوبن کا حساب دینے کے لیے بیگم صاحب نے مجھ سے تاریخ پوچھی مجھ نگوڑی کو کچھ خاک یاد رہتا ہے میں نے کہا کہ تم سے پوچھکر آتی ہوں اس لیے تمھیں ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کہو آج کیا تاریخ ہے کچھ منھ سے بولو سر سے کھیلو یا میرے الہی تم تو بت بن گئی ہو یا چپ شاہ کا روزہ رکھا ہے۔

افتخار النساء۔ ذرا چونک کر "کیا تمنے کہا ہاں تاریخ پوچھی کس مہینے کی انگریزی کی یا ماہ الٰہی کی۔

عمدہ خانم۔ "خدانخواستہ دشمنوں کو جنون تو نہیں ہو گیا ہے خیر تو ہے یہ تو وہی مثل ہوئی ساری رامائن پڑھ گئے پر یہ نہ معلوم ہوا کہ سیتا عورت تھی یا مرد۔ میں نے تو یہ رنگ تمھارا کبھی نہیں دیکھا تم ہو کہاں۔ کیوں چپکی لگی ہے منھ سے بولو۔ آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے!!"

افتخار۔ "تم یہ بک کیا گئیں ہیں تو تمھیں اچھا بھلا دیکھ رہی ہوں مگر حالت ایسی جیسے بحران ہو کر"

عمدہ خانم۔ "معقول! میں تو اچھی خاصی ہوں مجھ بری بکو! اس کو جذبوں کی بڑ سمجھو!!"

(افتخار کے زانو پر سے اخبار اوٹھاکر) یہ تصویر کس گبرو کی ہے جوان تو بہر یا ہے۔ (نیچے کی عبارت باآواز بلند پڑھکر) ڈاکٹر فرخ مرزا ایم ڈی بی۔ایس۔سی لندن یہ ام۔ڈی۔بی۔ایس۔سی کیا بلا ہے اچھا اس کا مطلب پھر آن کر پوچھوں گی۔ تاریخ تو چاند کی بتاؤ بیگم صاحب انتظار میں ہوں گی۔"

افتخار۔"آج چاند کی سترھویں ہے۔"

عمدہ خانم اخبار وہیں چھوڑ کر گئی اور چشم زدن میں واپس آگئی پھر اس اخبار کو اوٹھاکر اس کے سامنے کی عبارت پڑھکر۔ "اللہ رکھے یہ تو ہمارے لکھنؤ کے امیر زادوں میں ہیں جب ہی تو یہ نوک و پلک بھی ہے۔

علم بھی ایسا حاصل کیا ہے کہ سارے ہندوستان میں جواب نہیں (افتخار کی طرف مخاطب ہوکر) کیوں بیگم یہ تو اخبار والے نے اپنے دل سے لگائی ہوگی؟ اب ہمارے لکھنؤ میں ایک سے ایک بڑھکر یا دی کے پوت لایق و فایق پڑے ہوئے ہیں خاندان اجتہاد میں جناب قبلہ وکعبہ سید اچھن صاحب سلطان العلما، سید نقی صاحب تاج العلما سید نبن صاحب فرنگی محل والوں میں مولوی عبدالحی صاحب کیسے کیسے نامی گرامی علما ہیں بھلا ان ڈاکٹر صاحب کی کن میں گنتی ہے۔ اخبار والے بھی غضب ڈھاتے ہیں جس کو چاہا جھنڈے پر چڑھا دیا نہیں تو اٹھاکر قعر جہنم میں پھینکدیا۔"

افتخار۔ (ہنسکر) اللہ اللہ کرو لبعض وقت تم بھی کیا بے تکی ہانکتی ہو۔ کہاں قدیم مشرقی رنگ کے علما، کہا ایک حکیم و محقق علوم جدید تمہیں ان

ڈاکٹر صاحب کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔ چہ داند بوزنہ لذات ادرک۔ لندن یونیورسٹی سے ام ڈی اور بی ایس سی کے امتحانات پاس کرنا منہ کا نوالہ نہیں ہے"

عمدہ خانم۔ "واللہ میں تمہیں پا گئی ضرور کچھ دال میں کالا ہے جب ہی تو کیا جی کو بُری لگی ہے سچ کہنا مجذوب کی بڑ کبھی سچ نکلی یہ سب تو ہوا میں تم سے ایک بات پوچھتی ہوں دیکھو مجھے چکمے نہ دینا بالے ستے نہ بتانا ٹھیک ٹھیک کہدو مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات چھپاتی تو نہیں ہو اسوقت جو تم سوچ میں تھیں اسی تصویر کا اثر تھا یا اور کوئی سبب تھا"

افتخار۔ "واہ وا۔ اب میں سمجھی تمہاری بھی عجیب چھیڑ خوانی کی باتیں ہیں۔ ہزاروں مضمون اخباروں میں ہوتے ہیں میں تو روز پڑھتی ہوں یہ تو لکھنے کے رہنے والے ہیں اخباروں میں تو جرمنی فرانس امریکہ کے علما اور مشہور لوگوں کے حالات ہوتے ہیں تو کوئی کسی کے دل میں گھر تھوڑا ہی کرتے ہیں"

عمدہ خانم۔ "پھر تم اس میں محو کیوں ہو گئی تھیں"

افتخار۔ "کوئی بھی نہیں۔ مالن کا انتظار کر رہی ہوں مردار اب تک نہیں آئی۔ دھوپ آجائیگی تو ہمارے پھول کملا جائیں گے۔ اچھی عمدہ خانم تم ذرا توڑ لاؤ"

عمدہ خانم۔ "تم تو مجھ کو مالنی ہو اچھا میں پھول لا دونگی مگر تم کو میری جان کی قسم سچ سچ بتا دو (چھوکری کو آواز دے کر) سدا بہار ذرا پھول توڑ لا آج مالن اب تک نہیں آئی (افتخار سے) لو اچھا اب بتاؤ میں نے کوئی دھوپ میں

سر سفید نہیں کیا ہے میں تو اوڑتی چڑیا پہچانتی ہوں۔"

افتخار۔ "تم تو بڑے سر ہو گئیں۔ خیر تو ہے!"

عمدہ خانم۔ "ابھی تک تمہارا بچپنا نہیں گیا۔ بات سمجھنے کی بھی عقل نہیں آئی شاید میں تم کو مدد دوں۔"

افتخار۔ "توبہ کیسی باتیں کرتی ہو خود تم کو پسند ہوں گے تو جاؤ اماجان سے کہو مجھ سے کیا پوچھتی ہو۔"

عمدہ خانم۔ "تمہارا اشارہ پاؤں تو جاؤں۔"

افتخار۔ (کچھ سوچ کر شرماتی ہوئی) "عمدہ خانم میں تمہاری شاگرد ہوں چاہیے ایک حرف ہی کیوں نہ پڑھا ہو بس دل سے تمہاری وقعت کرتی ہوں اور تمھیں اپنا ہمدرد سمجھتی ہوں یہ تم نے سچ کہا کہ میں تم سے کوئی بات چھپاتی نہیں بہت سی باتیں اماجان تک سے نہیں کہتی ہوں مگر تم سے کہہ دیتی ہوں آئندہ بھی تم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھنے کی اصل پوچھو تو مجھے کسی کا ڈر بھی نہیں ہے فرمودۂ خدا و رسول کا بجالانا فرض ہے کوئی عیب کی تو بات ہی نہیں اگر یہ شخص قبول کرے تو میں فخریہ اپنا شوہر بنانا پسند کروں گی مجھے ابا جان نے اس امر کی اجازت بھی دی ہے کہ میں خود جسے پسند کروں اُس کا نام اُن کے سامنے پیش کروں اگر وہ بھی منظور کریں تو میری شادی ایسے شخص کے ساتھ کر دی جائے گی اس سے تم سمجھ سکتی ہو کہ انتخاب کی اجازت مجھے حاصل ہے اب رہا یہ امر کہ کس شخص کا انتخاب کروں میری عقل اس بارے میں بالکل عاری و عاجز تھی یہ کمبخت پردہ کی رسم

وہ دم کے پیچھے لگی ہے کہ بیچاری پردہ میں بیٹھنے والی لڑکیوں کو موقعہ ہی
نہیں ملتا ہے کہ اپنا جوڑا اپنے خیال و مذاق کے موافق منتخب کر سکیں غضب
تو یہ ہے کہ انتخاب تو کجا اُن سے پوچھتے تک نہیں ہیں ابا جان کی روشن
خیالی اور مہربانی کی قائل و شکور ہوں کہ انہوں نے انتخاب تو میری پسند پر
چھوڑا یہاں کے مسلمانوں میں تو ایسا کوئی قابل نہیں شکل و شمائل ظاہری
تمہارے سامنے موجود ہے نہیں بتاؤ کہ تمہاری نظر سے کوئی صورت ایسی
گزری ہے بس تو ایمان سے کہتی ہوں کہ میری آنکھوں نے تو کوئی مرد ایسا
نہیں دیکھا حسب نسب کی کیفیت نام سے کچھ معلوم ہوتی ہے اور اس کا دریافت
کرنا کوئی بڑی بات بھی نہیں ہے دیکھو صورت سے کیسی متانت و شان
سرداری ٹپکتی ہے۔ عالی خاندان معلوم ہوتے ہیں۔ دولت مند بھی ہونگے
ورنہ انگلستان میں تعلیم پانیکے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ دولت کی مجھے پروا
بھی نہیں ہے جب انسان میں کمال موجود ہے تو روپیہ جوتیوں سے
لگا ہے"

عمدہ خانم۔ ماشاء اللہ تمہارا علم مجھ سے کہیں بڑھا ہوا تم جوان تمہاری
عقل جوان تمہارے آگے مجھ بوڑھیا کی رائے بھی بڈھی مگر اتنا سن تو کہ جو
کام انسان کرے سوچ سمجھ کر کرے یہ نہیں کہ کاتا اور لے دوڑی خصوصاً
ایسا کام جس سے زندگی کا نبھاؤ ہے۔ شادی گویا جیتے جی کا قول ہارنا ہے
سمجھ بوجھ کر کرنا چاہئے۔ میں نے مانا کہ دولتمند صاحب علم بھی ہیں عالی
خاندان بھی ہیں اللہ رکھے تم کس بات میں اُن سے کم ہو تم تو پڑھنے لکھنے میں

اس قدر جتی رہیں کہ شادی بیاہ کا خیال دل میں بھی نہ آیا ہوگا۔ مجھے تمہاری
طبیعت کا حال اب کھلا ایک نہیں ہزار نسبتیں آئیں گی اگر انھیں پر ریجھی
ہو تو ایسی تدبیر نکالنی چاہیے کہ اُنہی کی طرف سے اس معاملہ میں تحریک ہو
اچھا یہ تو بتاؤ رشید الدین خاں تمہارے پھوپھیرے بھائی کیا بُرے ہیں
اُن کی نظر تو تمھیں پر ہے۔"

افتخار۔ اُیسے معاملہ میں اودھر سے تحریک ہونی بیشک بہتر ہے مگر اسکی
تدبیر کیا نکل سکتی ہے اگر اس انتظار میں رہی تو وہی کہاوت پیش آویگی
تا تو من بہر سی من نجد ابیر سم۔ رشید بھائی کا نام میرے سامنے نہ لو تم کو تو
معلوم ہے کہ مجھے اُن کی صورت سے نفرت ہے۔"

عمدہ خانم۔ (ذرا جھنجھلا کر) یا وحشت! اچھا رشید میاں کا ذکر میں اب سے
نہیں کرنے کی مگر ڈاکٹر والے معاملہ میں ابھی سے اس قدر کھل بلی تمہیں
کیوں پڑ گئی رفتہ رفتہ سوچنے سمجھنے سے کوئی نہ کوئی بات نکل ہی آئیگی
یہ تو میرے دل کو لگی ہے کہ بس تمھارا بیاہ دیکھوں خدا وہ سب گھڑی لائے
کہ تمھارے سر سہرا چڑھے تمہاری مانگ موتیوں سے بھرے دودوں نہاؤ
پوتوں پھلو۔ مگر بس تمھاری طرح بو کھلا نہیں گئی ہوں۔"

اتنی گفتگو کے بعد عمدہ خانم کسی کام کو چلی گئی افتخار نے پھر اپنا شغل شروع
کیا بار بار تصویر کو دیکھنا اُس صفحہ کی عبارت پڑھنا اور دل ہی دل میں
کچھ سوچنا۔

عمدہ خانم ایک شریف الخاندان عورت ہے اس کا وطن لکھنؤ ہے

۱۸۵۷ء کے غدر میں اس کی عمر کوئی چودہ پندرہ برس کی تھی۔ اُسی بھگدڑ
میں اس کے ماں باپ کہیں مر کھپ گئے اور یہ ایک شریف شخص کے
ہاتھ لگ گئی تھی جس نے اس سے نکاح کر لیا تھا عقد کے ایک ہی سال بعد
اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ بچپنے میں ماں باپ نے کچھ اردو فارسی پڑھا
دی تھی سینے پرونے میں بھی دخل تھا اُس نے کچھ دنوں مغلانی گری کی
نوکری کر کے بسر کی چندے آتو سے تپے پر لکھنؤ کے چند شرفا کے ہاں رہی اتفاقاً
افتخار کی خالہ لکھنؤ بغرض معالجہ گئی تھی افتخار بھی اپنی خالہ کے ہمراہ تھی
اُس وقت افتخار کی عمر کوئی سات آٹھ سال کی تھی اُس کا سبق ناغہ ہو رہا
تھا کسی نے عمدہ خانم کی سفارش کی افتخار کے پڑھانے پر یہ رکھ لی گئی جب
یہ لوگ دہلی واپس جانے لگے تو عمدہ خانم کو جس سے افتخار بہت ہل گئی تھی
جس کی کہانیوں نے افتخار کو لبھا لیا تھا افتخار کے رونے دھونے اور ضد
پر دہلی اپنے ساتھ لیتے گئے دلی پہنچنے پر افتخار تو مدرسہ میں داخل کر دی
گئی عمدہ خانم مثل اتالیق کے افتخار کے ساتھ رہی جب سے جہاں افتخار رہی
ہے عمدہ خانم بھی وہیں اُس کے ساتھ رہتی رہی ہے پچھلے حالات ایسے مصیبت
زدہ تھے کہ یہ ہمیشہ محزون و کبیدہ خاطر رہتی یہی وجہ تھی کہ بے انتہا
جھلی اور چڑچڑی ہو گئی تھی۔ مگر فطرتاً ہنسوڑ اور ظریف تھی۔ ایک عرصہ
تک لکھنؤ والوں کی صحبت میں رہ چکی تھی اس لیے اُسکی زبان پر لکھنؤ
کے محاورے بہت چڑھے ہوئے تھے بلکہ افتخار نے بھی رات دن کی
صحبت میں اُس سے سیکھ لیے تھے اور عمدہ خانم کو دلی والوں کی صحبت

ہیں دلی والوں کے بہت سے محاورے از خود یاد ہو گئے تھے عمدہ خانم کو
ایک زمانہ میں شاعری کا شوق بھی چرآیا تھا اس لیے سینکڑوں اشعار
اُستادوں کے برمحل و برجستہ پڑھ دیا کرتی تھی اور خود بھی کچھہ موزون
کرلیتی تھی۔ آپس میں شاگردی اور استادی کا تعلق بہت ہی کم رہا اور
وہ بھی افتخار کی بہت ہی کم سنی کے زمانہ میں تھا اس لیے افتخار کا برتاؤ
اس کے ساتھ ایسا تھا جیسے رئیس اور مصاحب کے ساتھ ہو دونوں میں
کمال درجہ بے تکلفی تھی آپس میں نوک جھونک کے فقرے بھی استعمال ہوتے
تھے ایک کو دوسری سے اُنس بھی بہت تھا۔ منوز افتخار تصویر دیکھنے کے
شغل میں مشغول ہی تھی کہ عمدہ خانم ادہر اودھر سے ہو کر پھر آدھمکی افتخار
کی نظر تصویر میں گڑی دیکھکر بولی "جناب عباس کی قسم اب مجھے یقین کامل
ہو گیا کہ تمہارا دل تمھارے قابو میں نہیں ہے"

ع ہائے ہم ڈرتے تھے جس دن کو وہ دن آپہنچا۔ یہ طبیعت واریاں
اوپرا وپر تھوڑی جاتیں پھر میں کہونگی بے سوچے سمجھے دل کو ہاتھ سے دیدینا
بڑی نادانی ہے ایسی باتوں کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا دیکھو میں تمھیں ایک
نغمہ سناتی ہوں یوں تو ہزاروں زمانے حسن و عشق کے جھگڑوں کے سنے ہیں
لیکن میں جو اس وقت کہتی ہوں نہایت عبرت خیز ابھی حیدرآباد کا ایک
واقعہ ہے جس کو ابھی بہت عرصہ بھی نہیں گذرا ہے جس کی آنکھوں کا دیکھا
ہے اُس نے خود مجھ سے کہا تھا۔ یہہ کہکر عمدہ خانم نے ایک قصہ کہنا شروع
کیا کہ اس انتظار میں منہ مہری افتخار کی انگریزی استادنی آگئی۔ یہ انگریزن

افتخار کے ساتھ اس قدر بے تکلف ہے کہ بعض اوقات بغیر اطلاع دیئے افتخار کے کمرہ میں داخل ہو جایا کرتی تھی اس کو دیکھکر عمدہ خانم پہلے تو ذرا بھاکچک سی ہوئی پھر طبیعت کو سنبھالا۔ مسز ہنری نے آتے ہی انگریزی زبان میں افتخار سے صاحب سلامت کی اور مزاج پرسی کی اس کے بعد عمدہ خانم کی طرف مخاطب ہو کر اردو میں یہ کہا "کہا ٹم صاحب آپ عیب کس واسطے ہو گیا آپ تو بیگم سے کچھ بول سا ٹھا ہمارا آنے سے چپکا ہو گیا ہمارا آنے سے آپ لوگ گصہ تو نہیں ہوا"

عمدہ خانم ۔ "اے نہیں میم صاحب آپ کی بھی کیا باتیں ہیں بھلا وہ کونسی ایسی پوشیدہ اور راز کی بات تھی جو آپ کے سامنے نہیں کہہ سکتی اور ایک کنواری لڑکی سے کہتی"۔

مسز ہنری ۔ "نہیں نہیں۔ او بات کو ہم نہیں بولا میرا مطلب یہ ہے کہ بہت سا پرائیوٹ نیچ کا بات ایسا ہے اس میں کوئی شرم کا بات نہیں۔ بٹ (لیکن) دوسرے کو معلوم نہیں ہونا۔

عمدہ خانم ۔ (بات بنا کر) "تھوڑی دیر ہوئی صاحبزادی مثنوی زہر عشق پڑھ رہی تھیں تو میں نے کہا کہ ایسی کتاب سے کم سن لڑکیوں کو بچنا چاہیئے حسن و عشق کے جھگڑے بہت برے ہوتے ہیں اس بارے میں نے حیدرآباد ہی کا گذرا ہوا ایک واقعہ جو ایک معتبر شخص کا چشم دید ہے جس کو میں نے اُسی شخص کی زبانی سنا تھا صاحبزادی کے آگے دوہرا رہی تھی کہ اتنے میں آپ آگئیں"۔

مسز ہنری۔ "وہ کیا بات ہے؟"

عمدہ خانم۔ "شعروں کی کتاب ہے عاشق معشوق کا ذکر اس میں ہے۔"

مسز ہنری۔ (افتخار کی طرف مخاطب ہوکر) "ہم نہیں سمجھا" افتخار نے انگریزی میں سمجھا دیا

مسز ہنری۔ (اردو میں عمدہ خانم سے مخاطب ہوکر) محبت بڑا خراب کام ہے انگریزی میں بھی ایسا بہت کتاب اور کصہ ہے (افتخار سے مخاطب ہوکر) جب آپ ایسا کتاب پڑھو اس کا برائی پر نظر رکھو جس گانوں میں ہم پیدا ہوا اس کا ایک کصہ ہمارا کسنی کا بات ہے ہم آپ کو بولے گا مگر کہو بہت لمبا چوڑا والا ہے آج وکت نہیں ہے ابھی آپ کو سبک پڑھنا ہے کل بولے گا"

عمدہ خانم۔ "اے ہے میں بھی ذرا سنتی آپ انگریزی میں بیان کریں گی صاحبزادی تو ماشاءاللہ سمجھ لینگی بھلا میں کیونکر سمجھوں گی"

مسز ہنری۔ "اچھا تو ہم ہندوستانی بات میں بولیگا"

افتخار۔ (عمدہ خانم سے مخاطب ہوکر) "اب بقیہ قصہ پھر سنونگی سبق پڑھ لینے دو" یہ کہکر افتخار لکھنے کے میز کے قریب (ایک کرسی پر) آبیٹھی مسز ہنری نے بھی اپنی کرسی قریب لے لی اور دونوں درس و تدریس میں مشغول ہوگئیں عمدہ خانم باہر چلی گئی کوئی آدھا گھنٹہ پڑھانے کے بعد مسز ہنری رخصت ہوکر چلی گئی اور عمدہ خانم آموجود ہوئی دو چار باتیں ادھر ادھر کی بگھار کر افتخار سے پوچھا اگر کہو تو بقیہ قصہ کہہ ڈالوں ورنہ مزہ جاتا رہے گا"

افتخار۔ "ہاں کہہ ڈالو کھانے میں ابھی عرصہ ہے دل بھی گھبرا رہا ہے"
عمدہ خانم۔ "فوج کسی کا دم اس طرح خفگی کرے سچ کسی نے کہا ہے کہ زیادہ علم بھی آدمی کو پاگل بنا دیتا ہے اور زیادہ عقل جان کا کال ہو جاتی ہے یہہ تو میں کہوں گی ہمیشہ سے تم اپنے دھن کی پکی ہو جس بات کا خیال آیا کر چھوڑا اگرچہ یہ بھی کوئی دھن ہے خاصہ خبط ہے"
افتخار۔ "میں تمہارا لکچر سننے کو نہیں بیٹھی ہوں قصہ کہنا ہے تو کہو ورنہ مجھے آج کا سبق یاد کرنے دو تم نے تو لگاتار ایک رٹ لگا دی ہے میں کیا اپنا نیک و بد نہیں سمجھ سکتی جو خیر سے آپ مجھے سبق دینے بیٹھی ہیں"
عمدہ خانم۔ "تو بگڑتی کیوں ہو کہتی ہوں نہ دشمنوں کا مزاج ہی قابو میں نہیں ہے اچھا لو بقیہ قصہ کہہ سناتی ہوں" یہ کہکر اُس نے بقیہ قصہ کہہ سنایا۔ قصہ سنانے کے بعد عمدہ خانم نے کہا۔
"بوی یہ نتیجہ ہے عشق بازی کا ایک نظر کسی کو دیکھکر یوں بے سوچے سمجھے خود و فریفتہ ہو جانا عاقلوں کا کام نہیں ہے۔ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ ہر کام کا آگا پیچھا دیکھ بھال کر کرنا چاہیے"
افتخار۔ "اجی خانم صاحب اس قصہ سے درحقیقت کیا نتیجہ نکلتا ہے وہ آپکی سمجھ میں مطلق نہیں آیا لو مجھ سے سنو! اگر اُس لڑکی کی جس کا تم نے قصہ کہا اعلیٰ درجہ کی تربیت و تعلیم مغربی اصول کے موافق کی جاتی تو اس غریب کی جان پر نہ بن جاتی اور نہ ہزاروں روپیوں پر پانی پھرتا۔ ایک فرضی شاہ صاحب کے عمل و حاضرات و موکل کے خلاف فطرت اقتدارات کے حالات اگر کسی مغربی

تعلیم یافتہ شخص کے سامنے اس طرح کہے جاتے تو باور کرنا تو درکنار کہنے والے
کو بلا مبالغہ پاگل سمجھتا محمد سرور کی شیخ چاند سے ملاقات تصویر کا مل جانا
ساری باتیں اتفاق سے ہوئیں مگر اُس جاہل لڑکی کی عقل وہاں تک نہ پہنچ
سکی اس لیے اُس نے ان باتوں کو فرضی عامل صاحب کی کرامت پر محمول
کیا۔ چار سو برس قبل عہد وسطیٰ میں یورپ کی بھی یہی حالت تھی جہالت
اور اوہام پرستی کی انتہا نہیں تھی۔ جادو اور سحر کا چرچا گھر گھر تھا۔ بنے
ہوئے ساحروں اور جادوگروں کا ہر طرف بول بالا تھا۔ بڑے بڑے مقتدر
حکام اُن کے دباؤ میں آجاتے تھے اور جو چاہتے اُن سے کرا لیتے تھے۔
یہ بنے ہوئے ساحر فن نجوم و شعبدہ بازی و علم طب سے بھی واقف ہوتے
تھے مگر ان باتوں کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ اُن کے خاص خاص
چیلے چانٹے اور مرید اُن کے راز دار ہوتے تھے بعض بنے ہوئے ساحر
یہ بھی مشہور کر دیتے تھے کہ وہ مطلق کوئی غذا نہیں کھاتے صرف درختوں
کی پتیوں پر جیتے ہیں حالانکہ اُن کے مرید پوشیدہ طور سے دنیا کی نعمتیں لا
لا کر انھیں کھلاتے تھے۔ مثل آج کل کے عام ہندوستانیوں کے اس زمانہ
کے اہل یورپ کے قوائے عقلی بہت کمزور تھے اور قوانین قدرت و فلسفہ
کائنات سے واقف نہ تھے اس لئے مصنوعی ساحروں کی چالاکیوں اور
ہتکنڈوں کو سمجھ نہیں سکتے تھے مثلاً اگر کوئی بیمار کسی ساحر کے پاس جاتا تو
ساحر اسے بظاہر صرف پانی دم کر کے دیتا مگر علم طب کے جاننے سے
خواص الاشیاء سے بھی ایک حد تک واقف ہوتا تھا کوئی جڑی بوٹی مرض کی

مناسبت سے اس پانی میں ملادینا فن شعبدہ بازی میں کامل ہونے کی وجہ
اس پھرتی سے ملاتا کہ کسی کی نظر بھی نہیں پڑ سکتی اگر وہ پانی موثر ہو جاتا تو
مریض یہی سمجھتا کہ جادو کی بدولت اسے شفا ہوئی یا کسی نے یہ سوال کیا کہ
میرے گھر میں اولاد ہوگی۔ ساحر نے علم نجوم کے ذریعہ سے کہدیا کہ ہاں
اگر اتفاق سے یا صحت نجوم دانی کی وجہ سے جواب کے موافق اولاد ہوگئی
تو عاجتمند اسے سحر کے اثرات پر محمول کرتا اسی طرح سے ہزاروں باتیں ہوا
کرتی تھیں مگر اب یورپ میں ایسے جادوگروں کا کہیں نام و نشان نہیں
ہے اس کا سبب یہ ہے کہ علم کے ساتھ لوگوں میں عقل کا مادہ بڑھتا گیا
اور ایسے پیشہ وروں کا بازار ٹھنڈا ہوتا گیا۔ اب یورپ میں سائنس نے
وہ ترقی کی ہے کہ ہزار جادو سے بڑھکر ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے
کہ ہمارے قومی قدم تہذیب موجودہ کی رفتار سے چار سو برس پیچھے ہٹے
ہوئے ہیں خدا اپنا فضل کرے۔"

عمدہ خانم۔ چشم بد دور کس فصاحت و بلاغت سے ایک نازک مسئلہ میں
تقریر کی ہے واقعی ہم مسلمانوں میں اب اوہام پرستی بہت بڑھ گئی ہے
جدھر دیکھو جادو فلیتے ٹونے ٹوٹکے ہو رہے ہیں ملنا بیانے پیر فقیر کی بن
آئی ہے جو باتیں خلاف شعار اسلام تھیں وہ داخل اسلام ہوگئی ہیں ہاں
اب خاصہ کھاؤ دستر خوان چنواؤ بیگم صاحب انتظار میں ہونگی"۔

افتخار نے انگڑائی لیکر ایک جمائی لی اور چھپکی اوڑھ ماں کے پاس چلی
گئی بے حیا کا کھانا یا کس سے جائے ماں باپ کے حنبال سے دو چار لقمے

تھوڑی دیر تک کھائے اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے کمرہ میں آن کر لیٹ گئی موسم کے لحاظ سے نیند کا غلبہ تو تھا ہی نہیں اور نہ اپنے تئیں نیند میں ڈالا چاہتی تھی اسے صرف تنہائی سے غرض تھی لیٹنا تھا کہ مختلف اقسام کے خیالات و جذبات کا اژدہام اُس کے دل و دماغ میں شروع ہوا اور وہ دل سے اس طرح باتیں کرنے لگی۔

یا اللہ میرے دل کو کیا ہو گیا ہے۔ عمدہ خانم نے جو قصہ بیان کیا کچھ عجیب و غریب واقعہ ہے۔ میرا نتیجہ بھی کیا ویسا ہی ہونے والا ہے۔ خدا نکرے! وہ قصہ تو مجھے جھوٹا اور بنایا ہوا معلوم ہوتا ہے خیر کچھ ہی ہو عشق کا انجام تو اچھا نہیں ہوتا۔ میں نے اتنی کہانیاں سنیں اتنے ناول اور قصے پڑھے جہاں تک خیال پڑتا ہے کسی ایک قصہ کو بھی مصیبت و پریشانی سے خالی نہیں پایا۔ بعض انگریزی ناولوں میں تو معاذ اللہ کیا کیا کڑیاں عاشقوں کو جھیلنی پڑی ہیں نہیں معلوم مجھ کمبخت کے نصیب میں کیا ہے مگر عشق تو ایک خیالی چیز ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ بو علی سینا نے اسے ایک دماغی عارضہ قرار دیا ہے عمدہ خانم کی رائے صحیح ہے او وہ طبیعت ہی لیجانا نہیں چاہئے یہ سب تو سچ ہے مگر فرخ کا مثل ملنا بھی مشکل ہے اس سن و سال پر یہ قابلیت ایسی صورت نام سے عالی خاندانی بھی ٹپکتی ہے اگر کہیں ہمارے ہمجد نکلے تو غالباً ہم مذہب ہوں گے ایسا شوہر کسی کو قسمتوں سے ملتا ہے اگر فرخ نے مجھ غریب زادی سے رشتہ و پیوند نہیں پسند کیا پھر کیا کروں گی در حقیقت میں اُن کے قابل بھی نہیں ہوں نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ علمی قابلیت ہے

نہ حسن ظاہری مجھ میں ہے پھر کس بات پہ وہ ریجھینگے اگر وہ میرے ہمدرد
ہوئے تو میرے خون اور ہڈی کو تو قبول کریں گے میری تھوڑی بہت
لیاقت علمی کو تو پسند کریں گے اعلٰے درجہ کے تعلیم یافتہ لوگ تو دنیاوی
دولت کا چنداں خیال بھی نہیں کرتے مخصوص شادی کے ذریعہ سے مال
حاصل کرنے کو نہایت حقیر اور بُرا سمجھتے ہیں مانا ہیں نے کہ وہ مان گئے اور
اُن کے والدین نہ راضی ہوئے مگر نہیں شادی بیاہ کے معاملہ میں یورپ
کے تعلیم یافتہ اپنے بڑوں کو دخل دینے نہیں دیتے اور اگر کہیں اُن کی
شادی ہو چکی ہو تو بھی دریافت کرنے میں کیا مضائقہ ہے فرضی نام ڈالکر
ایک خط لکھنا چاہیے یا اللہ میرے دل کو کیا ہو گیا ہے بس یہی جی چاہتا ہے
کہ اخبار کے اُس صفحہ کو جہاں ان کا ذکر ہے دیکھے جاؤں (یہ کہکر سرہانہ
کے تکیوں کے نیچے سے وہ اخبار نکالا اور تیسرے صفحہ کو بغور دیکھنا شروع
کیا ٹھنڈی سانسیں لیکر تصویر کی طرف مخاطب ہو کر پھر دل سے باتیں
کرنے لگی)

واقعی صورت کس قدر پیاری ہے چہرہ میں بانکپن ہے اور اُس کے
ساتھ متانت اور ایک قسم کی تمکنت بھی عیاں ہے اس پر سادگی اور
بھولاپن اور غضب ڈھا رہا ہے نقشہ میں تناسب کس قدر ہے صانع
حقیقی کی اعلیٰ درجہ کی صنعت کا نمونہ ہے ایلو تصویر اتروانے کے وقت
ذرا آپ متبسم بھی ہو گئے ہیں یا یہ تبسم خلقی ہے پھر تو سونے پر سہاگہ ہے۔
نہیں معلوم اس وقت یہ حضرت کس رنگ اور کس دھن میں ہوں گے یہاں

ہوں کہ اُن کے خیال میں محو ہوں۔ انھیں کیا میرا خیال ہوگا۔ نہیں نہیں یہ ناممکن ہے دل کی خبر دل کو ضرور ہوتی ہے۔ لیکن مجھ سے تو وہ واقف ہی نہیں ہیں۔ میرا وجود اُن کے لیے نہ دیدہ نہ شنیدہ پھر وہ میرا خیال کیونکر کر سکتے ہیں۔ میری وہی کیفیت ہے۔ فلک لے مہرِ عالم دشمن و معشوق بے پروا + مرا برآرزو ہائے نظیری خندہ می آید (اخبار بند کرکے سرہانے رکھ لیا اور تکیہ پر سر رکھکر لیٹ کر) اُن کی پوری حقیقت سے واقف ہونا چاہئے مگر کیونکر نہ پتہ گھر کا ہے معلوم نہ مسکن کا نشان مگر وہ تو ایک مشہور و معروف شخص اپنے وطن میں ہوں گے میرا خط باآسانی پہونچ سکتا ہے۔ مگر میرے خط کی نسبت اُن کا خیال کیا ہوگا نہیں معلوم مجھے کیا سمجھیں؟"

اس اثنا میں افتخار کی بڑی بھاوج آئی جسے وہ دیکھکر اُٹھ بیٹھی بھاوج کے اصرار پر شطرنج کھیلنے پر آمادہ ہوگئی۔ دو چار بازیاں ہونے پائی تھیں کہ تیسرے پہر کے ناشتہ کو بلا لی گئی۔ ناشتہ سے فراغت کرکے خانہ باغ میں ایک ناول ہاتھ میں لیکر پڑھنے کا بہانہ کرکے ٹہلتی رہی۔ بھاوج نے کئی بار آ آکر چھیڑا اور مذاق بھی کیا۔ جو کچھ جواب دیا کھسیانی سی ہنس کر دیا۔ وہ شام کسی طرح کٹی شب کا کھانا کھانے کے بعد خوابگاہ میں داخل ہوئی پلنگ کے برابر والی میز پر جو کتابیں رکھی تھیں انھیں الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کیا تھوڑی دیر کے بعد میز پر سے لیمپ اوٹھا کر ایک چھوٹے سے اوٹ کے پیچھے رکھکر بتی کم کر دی اور پلنگ پر آن کر لیٹ گئی اپنے بھولے

بہلا لے دل سے پھر باتیں شروع کیں۔ میری جو یہ حالت ہے کیا اسی کا
نام عشق ہے۔ معلوم ہوتا ہے میرا دماغ کمزور ہو گیا ہے۔ یہ سارا اسی کا فساد
ہے کہ نہیں نہیں اے دل یہ تیرا قصور ہے کسی کا مصرعہ ہے۔ یارب کسی پری
کا کسی پر نہ آئے دل۔ تو دل کے آتے ہی کا نام عشق ہے۔ بیشک مجھے فرخ
سے عشق ہو گیا ہے۔ عشق کے مکتب میں میری آج بسم اللہ ہے + منہ سے کہتی
ہوں الف دل سے نکلتی آہ ہے۔ آخر میری مشکل آساں کیونکر ہو گی۔
نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغ نامہ برے۔ کسے ز بیکسیٔ ما نمی برد خبرے۔
(آنکھوں میں کچھ آنسو بھر لا کر) کوئی نہیں جو یار کی لا دے خبر مجھے + اے
سیل اشک تو ہی بہا دے ادھر مجھے۔ دنیا میں کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا
جو اپنی مدد آپ کرتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ سب سے بہتر ہے کہ پیارے
فرخ کو میں خود اپنا حال لکھوں (شرما کر) اے ہے غیر مرد کو لکھوں کیونکر
مخاطب کروں تو یہ کسقدر بے غیرتی کی بات ہے اس سے تو مر جانا اچھا ہے
کچھ کھا کر سو رہوں تو جھگڑا پاک ہو جائے۔ عمرہ خانم نے جس لڑکی کا
قصہ کہا اوس کو اوس کے نمک حرام ملازم نے سنکھیا کھلوا دی تھی اوس کا
خاتمہ بخیر ہوا۔ مجھے تو کوئی سنکھیا کھلانے والا بھی نہیں کھلانے والا تو
ایک طرف لا دینے والا تک نہیں۔ (خوب رو کر اور چونک کر) میرے دل کی
حرکت کچھ عجیب طرح کی معلوم ہوتی ہے۔ یا مجھ سے وہ ملے یا میرے دل کو
تاب ہو + قسمت کا جو لکھا ہے اٹھی شتاب ہو۔ یہ معمہ حل کیونکر ہو سکتا ہے
جب تک میں خود نہ لکھوں۔ فرخ کو الہام ہونے سے رہا اگر میں سبقت

کروں تو میری وقعت اون کی نظروں میں کیا ہوگی" اس کے بعد
اس پر غنودگی تاری ہوگئی۔ یہ کہتے کہتے آنکھ لگ گئی۔ "کچھ ہی دم خ
ال ک۔ یں۔ ایں۔ میں تو لکھ کہوں۔

دوسراباب

افتخار دوسرے دن صبح کو حسب معمول صبح کی نماز و تلاوت قران و ناشتہ
سے فراغت کر کے اپنے باپ سے عربی کا سبق لیکر اوٹھا ہی چاہتی تھی کہ
مسز ہنری آئی اس کے ساتھ افتخار اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ مسز ہنری کو
افتخار کے کمرہ میں جاتے دیکھکر عمدہ خانم جو ایک مقام پر بیٹھی ہوئی چھالیہ کتر
رہی تھی اپنی جگہ سے اُٹھی اور اون دونوں کے پیچھے پیچھے ہوئی کمرہ
کے اندر داخل ہوتے ہی عمدہ خانم بڑے شوق سے بولی "کیوں میم صاحب
آپ کل کا وعدہ پورا کریں گی"؟
مسز ہنری جو خالی الذہن تھی ذرا چونک کر "ہم کیا بات کا وعدہ کیا تھا"
عمدہ خانم۔ "اُے ہے لو ایک ہی دن میں بھول گئیں ولایت کا قصہ
کہنے کو کل آپنے نہیں کہا تھا۔
مسز ہنری۔ (مسکرا کر) "ہم سمجھا ہم سمجھا اچھا بولیگا بیگم کو سبق دے لے"
عمدہ خانم "میم صاحب آج ایکدن سبق نہیں پڑھا یگا تو کیا ہوگا"
افتخار۔ (مسز ہنری سے مخاطب ہو کر) عمدہ خانم کی خاطر سے آج میں سبق نہیں

بڑہنی کہیں اُن کا شوق تو پورا ہو میری طبیعت پر بھی ذرا بار ہے۔
عمدہ خانم۔ "اس مفت کرم داشتن کی بھی ایک ہوئی قصہ سننے کو جی تو اپنا چاہئے اور احسان میرے بڑھے جونڈ سے یہ رکھا جاتا ہے (مسز ہنری سے مخاطب ہو کر) میم صاحب آپ اپنا قصہ شروع کیجئے"
مسز ہنری۔ "ہمارا کوئی کسہ نہیں ہے ہم ڈوسرے آڈمی کا بولیگا (افتخار سے مخاطب ہو کر) بیگم ہم بولے"

مسز ہنری نے قصہ شروع کیا

ڈیون شایر میں جو ہمارا ڈیس ہے ایک گاؤں بلیکوٹن کے نام سے چلتا ہے ہوا ان کا اسکوائر مسٹر جون فیر ایک بہت روپیہ والا صاحب تھا مسٹر جون شکار بہت پسند کرتا وہ شاڈی کا ایک سال بعد آفریکہ گریٹ مارنے شوک میں چلا گیا۔ لیڈی فیر کو گھر میں رہنے کے لیے بولا۔ لیڈی فیر اچھا بی بی تھا اس کا سنگھ ساتھ جانے کو تکرار نہیں کرا گھر میں رہنے کو راضی ہوا"

مسز ہنری اتنا کہنے پائی تھی کہ عمدہ خانم افتخار سے مخاطب ہو کر بولی "خدا کی سنوار اس اردو پر اور ہزار پھٹکار اس قصہ گوئی پر میں ایک لفظ جو سمجھی ہوں تو جیسی جی چاہے قسم لے لو"
مسز ہنری جو اس جملہ کو کچھ سمجھی اور کچھ نہیں سمجھی۔ ذرا تیور بدل کر بولی۔ آپ کیا بات بولا کہا نم صاحب ہمارا ہندوستانی آپ کو سمجھہ نہیں پڑتا

بیگم سمجھتا ہے"

عمدہ خانم۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ یوں تو میں آپ کی اُردو سمجھ لیتی ہوں مگر کبھی میں نے آپ سے کوئی طویل تقریر نہیں سنی اس لیے خلاف عادت اس قصہ کے سمجھنے میں دقت ہوئی ہے"

مسٹر ہنری۔ "اچھا تو ہم نہیں بولیگا آپکے بولنے پر ہم شروع کیا تھا"

افتخار۔ "نہیں۔ نہیں آپ ضرور کہئیے میری طبیعت اودھر ہی لگی ہے"

مسٹر ہنری نے افتخار سے انگریزی میں کہا کہ آپ کی خاطر سے میں انگریزی میں کہوں گی میری ہندوستانی تو (عمدہ خانم کی طرف اشارہ کرکے) یہ سمجھتی نہیں ہیں پھر اردو میں کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

عمدہ خانم۔ (افتخار سے مخاطب ہوکر) اس گٹ پٹ گٹ پٹ کی نہیں سہی اچھی باتیں سب میرے لئے بری باتیں سب تمہارے لیئے"

مسٹر ہنری۔ "ہملوگ آپ کو بُرا باٹ نہیں بولتا۔ ہمنے بیگم بولا ہم کسمہ ضرور کہے ہم بولا ہمارا ہنڈ۔وسٹانی باٹ کہانم صاحب نہیں سمجھتا تو فایدہ کا باٹ نہیں ہنڈوسٹانی میں بولنا انگریزی میں بولیگا۔ آپ بُرا مسٹ انو"

عمدہ خانم۔ "اچھا تو آپ انگریزی میں کہئیے میں بیگم سے اس کا ترجمہ کسی وقت سن لوں گی"

افتخار۔ "جی بجا ارشاد ہوا۔ بیگم کو مترجمی کی خدمت آپ کی سرکار فیض آثار نے کب سے مرحمت فرمائی"

عمدہ خانم۔ "یہ میں کب کہتی ہوں کہ بجھ دکھیاری نے مترجمی کی خدمت پر

آپ کو مقرر کیا ہے اسی لائق ہوتی تو پہلے دن تھے نہ۔ مجھکو نہ سنانا خود ہی سن لو۔"

افتخار۔ (مسکراکر) غصہ تو سلامتی سے آپ کی ناک پر ہروقت سوار رہتا ہے۔ ذری جنبش ہوئی کہ نتھنون کی راہ دماغ میں پہنچا۔ (مسز مہری سے مخاطب ہوکر) یہ تو یونہی بکتی رہین گی آپ قصہ کہیئے۔"

مسز مہری نے انگریزی میں کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے میں قصہ ختم کیا اور بغیر سبق دیے رخصت ہوئی۔ جب وہ جاچکی تو عمدہ خانم جو چپکی بیٹھی دونوں کانٹھ تک رہی اور چھالیا کتر رہی تھی افتخار سے بولی "کیون بیگم وہ قصہ مجھے سنا دے گی۔ مجھے تو کچھ دلچسپ و مزیدار معلوم ہوتا ہے کیونکہ تم بہت غور سے سن رہی تھیں اخیر میں کچھ خطرناک واقعات بھی ہیں تمھارے چہرے کو میں دیکھ رہی تھی۔ ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔"

افتخار۔ "تمھارے غصہ سے ہر ایک ڈرتا ہے اچھا لو سناتی ہوں تم بھی کیا یاد کروگی (پھر آپ ہی آپ) واقعی مسز مہری کی قوت گویائی کس قدر زبردست ہے ذری ذری چیز کی تفصیلی حالت کس خوبی و فصاحت سے بیان کی جیسے کوئی عمدہ مصنف کی تصنیف پڑھتا ہو (عمدہ خانم کی طرف مخاطب ہوکر) کہنے کو تو کہتی ہوں مگر ترجمہ میں وہ لطف نہ آئیگا لو سنو۔"

افتخار نے قصہ شروع کیا

انگلستان کا ملک چالیس کونٹیون یعنے اضلاع پر مشتمل ہے منجملہ جن کے

ڈیون شائر ایک کونٹی کا نام ہے وہاں ایک گانوں بلیگوٹن کے نام سے مشہور ہے۔ اُس گانوں کے اسکوئر یعنے زمیندار کلاں کا نام سرجون فیر تھا
عمدہ خانم (جلدی سے) اچھی! یہ سر کیا؟ دنیا میں لوگ بے سر کے ہوتے ہیں یا اُس موئے فرنگی کا دنیا سے انوکھا سر تھا جو نام کے ساتھ دم چھلا لگا یا گیا یا اُس کے نام کا کوئی جز ہے؟
افتخار۔ (ذرا چڑ کر) اگر تم اسی طرح دخل در معقولات دوگی تو میں قصہ کہہ چکی اور تم سن چکیں میں ایسا قصہ سنانے سے باز آئی۔ اگر تمھیں اپنی معلومات و تحقیقات بڑھانی ہے تو خدا کے لئے کسی دوسرے وقت کے لیے رکھ چھوڑو۔ سر انگریزی زبان کا بھی ایک لفظ ہے جس کے لغوی معنی صاحب کے ہیں اور اصطلاحی ایک خاص درجہ کا خطاب ہوتا ہے جیسے خاں بہادر اس دفعہ تمھاری خاطر سے میں نے بتلا دیا اب نہیں بتاؤں گی۔ اس قصہ میں بہت سے الفاظ غیر مانوس تم سنوگی مگر للہ ٹوکو نہیں تسلسل میں فرق آنے سے ایک تو قصہ کا لطف چلا جاتا ہے دوسرے وقت کا مفت خون ہوتا ہے اگر تم حتمی وعدہ کرو کہ قصہ ختم ہونے تک تمھارے منھ سے ایک لفظ نہیں نکلیگا تب تو کہتی ہوں ورنہ میرا سلام۔"
عمدہ خانم۔ "توچہ! ہندی کیوں ہوتی ہو اچھا لو توبہ کرتی ہوں جواب سے ایک حرف بھی نکالوں۔"
افتخار نے پھر قصہ شروع کیا۔
شادی کے ایک سال کے بعد سرجون فیر کو ایک خاص قسم کے جانوروں کے

شکار کا شوق پیدا ہوا اور اس غرض سے وہ اقلیم افریقہ گیا۔ افریقہ وہ مقام ہے جہاں سے حبشی آتے ہیں افریقہ جانے کے بعد بیوی سے چند سے خط و کتابت جاری رکھی پھر ایک قلم مراسلت بند کر دی۔

فیر صاحب کی بیوی جو بالطبع ایک نیک نفس عورت تھی اپنے پیارے شوہر کی یاد میں ایک عرصہ تک جوگن بنی رہی نہ کہیں جانا نہ کہیں آنا حتیٰ کہ دوستوں کے اصرار پر بھی کہیں دعوت میں اس خوف سے نہیں جاتی تھی کہ مبادا کوئی جھوٹی تہمت نہ لگا دے کیونکہ ایک نوجوان دوسری حسین اس پر شوہر سے جدا انگریزی سوسائیٹیوں (صحبتوں) میں مختلف خصایل و امزجہ کے مرد و عورت کا اجتماع ہوتا ہے بنیان بازی جن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اس خیال سے اور بھی بالکل خانہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ہوا خوری کی غرض سے وہ موضع کوٹھیری جو اُس کے مکان سے پاؤ میل کے فاصلہ پر تھا ٹہلتے ٹہلتے جا نکلی۔ اس موضع کے شمالی حصہ میں جہاں کھیت ہی کھیت تھے ایک بہت بلند مینارہ بھی تھا اُس کی حقیقت یہ تھی کہ فیر صاحب کے دادا علاوہ اسکوائر ہونے کے انگریزی فوج کے ایک بہت نامور جنرل بھی تھے جو واٹرلو کی لڑائی میں مارے گئے تھے یہ مینا اُنکی رعایا نے اُن کی ولادت کے مقام میں تعمیر کیا تھا۔ گو فیر صاحب کی بیوی کا اس مقام پر پہلے بھی بارہا گذر ہوا تھا مگر کبھی اس مینار کے اندر سے ہو کر سرے پر نہیں گئی تھی اس دفعہ اتفاق سے اُس کا دروازہ

کھلا پایا۔ مینار کے سر سے پر جانے کا اسے خیال آیا اور فوراً چکردار
سیڑھیوں پر سے ہوتی ہوئی اوپر پہونچی وہاں ہیں اکیس برس کے
ایک حسین مرد پر اُس کی یکایک نظر پڑی جسے دیکھتے ہی وہ ششدر و
دنگ ہوگئی کچھ تو اس خیال سے کہ اس مقام پر اُس نے ایک انسان کو
خلاف توقع دیکھا اور کچھ بلحاظ اس کے حُسن لاثانی کے۔ اودھر اُس
جوان کی حالت بھی قریب قریب اسی کے تھی۔ چند منٹ کے بے اختیارانہ
سکوت کے بعد اُس نوجوان نے فیر صاحب کی ہیم کو سلام کیا۔ سلام کا
جواب دے کر فیر صاحب کی ہیم نے کہا۔ "کیا میں یہ معلوم کر سکتی ہوں
کہ مجھے اس وقت کس کے سلام لینے کا شرف حاصل ہوا اور نیز یہ کہ
میرے سامنے جو صاحب کھڑے ہیں اُن کے یہاں آنے کا سبب
اور وہ بھی بغیر میری اجازت کے کیا ہے؟ مجھے یہ معلوم کرا دینا چاہیے
کہ جہاں اس وقت ہم لوگ کھڑے ہیں وہ میری ملک ہے۔"

نوجوان ۔ مودبانہ آداب بجا لاکر بولا۔ "معاف فرمائیے مجھے معلوم
نہ تھا۔ کہ لیڈی فیر کو آداب بجا لانے و مخاطب کرنے کا اعزاز مجھے حاصل
ہوا۔ میرے روشناس نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بچپنے سے اپنے وطن
سے علیحدہ تھا۔ ابھی دو مہینے بھی نہیں ہوئے کہ مدرسہ سے فراغت پاکر
یہاں آیا ہوں میرا نام سڈنی کلیمنٹس ہے میرے والد ریورنڈ جیمز
کلیمنٹس یہاں کے سابق کیوریٹ[1] تھے گستاخی معاف مجھے یہاں آنیکے

[1] پادری کا عہدہ۔

آپ کی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے جس کا سبب یہ ہے کہ
کہ آپ کے شوہر کے والد مسٹر ڈیوڈ فیر نے اس مینار کی نگرانی کی خدمت
میرے نانا کے تفویض نسلاً بعد نسلاً کی تھی میرے نانا کوئی اولاد از قسم
ذکور نہیں چھوڑ کر مرے اس لیے میں اُن کا قایم مقام قانونی ہوں یہ وہ امر ہے
جو آپ کے سامنے ہے میری نصب کی ہوئی ہے میں علم ہیئت کا طالب العلم
ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کی خاطر اقدس کا اطمینان میں نے ان
جوابات سے کر دیا۔"

لیڈی فیر (خفیف سے تبسم کے ساتھ) "اگر ایسا ہے تو جو مزاحمت میں نے
کی اس کی معافی چاہتی ہوں۔ کیا آپ اکثر یہاں آیا کرتے ہیں مسٹر کلیمنٹس؟"

سٹڈی کلیمنٹس۔ "سوا اُن اوقات کے جو میرے ضروریات میں صرف
ہوتے ہیں ہمہ وقت یہیں رہتا ہوں۔"

لیڈی فیر۔ "نظام شمسی کی حقیقت اس دوربین سے بخوبی معلوم ہوتی
ہوگی میں اگر دیکھوں تو مجھے کچھ معلوم ہوگا۔"

کلیمنٹس۔ "باعتبار دن کے شب کا وقت زیادہ موزوں ہے اگر کسی
شب کو زحمت گوارا فرما کر تشریف لائیں تو میں بہت ہی دلچسپ باتیں
کواکب اور سیاروں کے متعلق عرض کروں گا۔"

لیڈی فیر۔ (جس کے چہرہ سے خوشی کے آثار نمایاں تھے) "میں ضرور
کسی شب کو آؤں گی بشرطیکہ آپ کو تکلیف نہ ہو مجھے افسوس ہے کہ میں
اس وقت مخل اوقات ہوئی۔"

اس قدر گفتگو کے بعد فیر صاحب کی میم رخصت ہو کر اپنے گھر کو چلی آئی۔ مگر دونوں ایک دوسرے کے تیر عشق کے گھایل ہو گئے۔ ادھر لیڈی فیر کلیمنٹس کو یوسف ثانی سمجھکر اُس پر فریفتہ ہو گئی اور ادھر کلیمنٹس اس رشک قمر لیڈی فیر کے قیامت نما حسن و محشر خیز اداؤں کا دلدادہ و فدائی ہو گیا۔ مگر لیڈی فیر نے اپنے جذبات کو دو سببوں سے بہت روکنا چاہا ایک تو یہ کہ وہ ایک شخص کی بی بی تھی دوسرے یہ کہ سٹڈنی کلیمنٹس بلحاظ دنیاوی مدارج و مراتب کے لیڈی فیر کا ہمسر و ہمرتبہ نہ تھا کیونکہ یہ ایک غریب پادری کا بیٹا اور ایک معمولی کاشتکار کا نواسہ تھا اس لیے لیڈی فیر نے اپنے دلبر اُس دن بہت لعنت و ملامت کی مگر اُس کا بیقرار اور مچلنے والا دل اور نہ رکنے والے جذبات لیڈی فیر کے معقولی ادراک کو کمب ماننے لگے تھے پورے تین دن بھی نہیں گزرے تھے کہ تیسری شب کو دو بجے کے وعدہ کے خیال سے جن کے ایفا کے لیے اس کا جوشیلا و مجبور دل ہر لمحہ متقاضی تھا لیڈی فیر کو سٹڈنی کلیمنٹس سے ملنے کے لیے آمادہ کر کے چھوڑا گو اُس نے اس خیال کو بھی روکنے کی بتہری کوشش کی اور اپنے ابھارنے والے دل کو ستودہ دلیلوں سے بہت کچھ سمجھایا مگر ہٹیلے دل نے ایک نہ سنی۔ آخر لیڈی فیر مضطربانہ اوٹھی اور ہینار کی طرف روانہ ہو گئی۔ ناشنفوں کی دوبارہ ملاقات کا عجیب و غریب ڈھنگ اور نرالا رنگ تھا۔ کلیمنٹس جس کے بھولے اور کمسن دل پر یہ پہلا وار حضرت عشق کی عنایت کا تھا اور رموز راز و نیاز سے کوچہ بالکل نابلد تھا کچھ سہما ہوا کچھ ہاتھ ملتا بار بار معلوم ہوتا تھا کچھ تو بخیال الم تھا

دکم عمر ہونے کے اور کچھہ لیڈی فیر کے فتنہ گر حسن سے مرعوب ہو کر لیڈی فیر
کی باتوں کا جو جواب بھی دیتا تو ادھورا ادھورا وہ بھی آنکھیں نیچی کر کے
اور دھیمی آواز سے۔ نکات علم ہیئت کا سمجھانا تو رہا بالائے طاق معمولی باتیں
کرنے میں بھی اُسے تکلف ہوتا تھا لیڈی فیر جو سر جون فیر کے کورٹ شپ
کے زمانہ میں رموز عشق سے تھوڑا بہت واقف ہو چکی تھی اس لیے ایک
حد تک ایک تجربہ کار عاشق تھی کچھہ خوش کچھہ بیقرار کچھہ حیران کچھہ متفکر
نظر آرہی تھی اس کی یہ کیفیتیں اس کے حالات مخصوصہ کے لحاظ سے تھیں
دوربین کا دیکھنا دکھانا تو اس شب کو کچھہ نہ ہو سکا۔ لیڈی فیر نے بھی
جو سٹڈنی کلینٹس کی کیفیت کو بھانپ گئی تھی۔ کوئی اصرار نہیں کیا اور یہ کہکر
کہ پھر کسی شب کو باطمینان آن کر سیاروں کی حالت کا مشاہدہ کروں گی۔
رخصت ہو کر چلی آئی اس ملاقات و دید بازدید کے بعد سے اس بیمار
پر لیڈی فیر جس کا اصل مقصود کلینٹس کو دیکھنے سے تھا سیاروں کی کیفیت
مشاہدہ کرنے کے بہانہ سے برابر جایا کی تخمیناً ایک مہینا اسی طرح گزرا
ان ملاقاتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وصال یار سے دونا ہوا عشق کا مرض
بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۔ اسی اثنا میں سٹڈنی کلینٹس شدت
سے علیل ہو گیا حالت اُس کی قریب مرگ پہونچی۔ لیڈی فیر کو جب یہ
خبر و کیفیت معلوم ہوئی تو بلا لحاظ اپنے اعلیٰ رتبہ کے کلینٹس کے دیکھنے کے
لیے اُس کے گھر چلی گئی ہمسایہ والے تو اپنی جگہہ پر الگ متحیر ہوئے خود
کلینٹس کی بوڑھی نانی کا استعجاب بے پایاں تھا۔ مریض کی روحی حالت

بچھکر لیڈی فیر کے آنسوؤں کے تار بندھ گئے گو سڈنی کلیمنٹس پر ایک گونہ بدحواسی طاری تھی مگر لیڈی فیر کی بے قراری و زاری اُس سے پوشیدہ نہ رہ سکی اُس کو روتا دیکھکر اُس کا دل بھی اندر سے ایسا ہلگیا کہ اُس نے آنسوؤں کا جواب آنسوؤں میں دیا۔ کلیمنٹس کے زمانہ علالت میں کئی بار لیڈی فیر اُس کے دیکھنے کو گئی نما لیّا جمال معشوق کے دیدار نے سڈنی کلیمنٹس میں ایسی حلاوت بخشی کہ اُس کا تن نیمجاں بہت جلد چاق و تنومند ہو گیا چند دنوں میں جب ناتوانی زائیل ہو گئی سڈنی کلیمنٹس اُس بہار پر کسب کمال کی غرض سے پھر آموجود ہوا لیڈی فیر نے بھی اپنی آمد و رفت اُس بہار پر شروع کر دی تیسرے چوتھے برابر جاتی رہی اس کیفیت میں چھہ سات مہینے کا عرصہ گذر گیا۔ باوجودیکہ ایک دوسرے کا عاشق زار تھا۔ مگر حرف مطلب اس عرصہ مدت میں کوئی زبان تک نہ لایا اسی اثنا میں ایک دن سر جون فیر کا اٹرنی لندن سے آیا اور اُس نے سر جون کے مرنے کی خبر سنا کر وصیت نامہ متوفی کے موجب ساری جایداد و متروکہ کا انتظام کیا۔ لیڈی فیر پر اُس کے شوہر کے مرگ کی خبر نے کچھہ زیادہ اثر نہیں کیا۔ گو دنیا کے دکھانے کے لیے اپنے قومی رواج کے موافق اُس نے رنڈ سالا اور سیاہ ماتمی لباس پہن لیا تھا۔ کلیمنٹس کو اس خبر نے فطرتاً بہت مسرور کیا مگر اس مسرت کا اظہار لیڈی فیر کے سامنے مصلحتاً یا اخلاقاً اُس نے نامناسب سمجھا۔ جب اس واقعہ کو چند دن گذر چکے تو ایک دن ہمت کر کے کلیمنٹس نے لیڈی فیر پر اپنا دلی مدعا ظاہر کیا اور

صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اگر تم مجھ سے شادی نہ کروگی تو میں اپنی جان دیدوں گا۔ لیڈی فیر نے جواب شافی دینے کے لیے دو دن کی مہلت بدقت حاصل کی۔ گو شوہر کے مرنے کی خبر پاکر اپنے تئیں آزاد و خود مختار سمجھتی تھی اور باوجودیکہ اپنے پیارے کلیمنٹس کو اپنے دل و جان کا مالک اور اپنے دین و مذہب کا پیشوا و ہادی تصور کرتی تھی بلکہ اپنی مرضی کا اُسکو مختار جانتی تھی مگر اس سے عقد نکاح کرکے رشتہ و پیوند قایم کرنے کو قانون سوسائٹی کے خلاف سمجھکر اُس کا دل کوسوں پیچھے ہٹتا تھا۔ گو وہ ایک خانہ نشین عورت تھی مگر اپنے شوہر کے ہاتھوں ایسی بن گئی تھی اس کے معنے یہ نہ تھے کہ شہر بشہر ٹپ سوسائٹی ہونے کی اُس نے قسم کھالی تھی۔ لیڈی فیر کو یہ معلوم تھا کہ سے مقام عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے زلیخا ہر گلی کوچہ میں لیے توقیر پھرتی ہے۔ مگر اس کی تعلیم و تربیت نے اس کے قوائے عقلی اس درجہ مضبوط و مستحکم کر رکھے تھے کہ پھر وں اُسکے نفس و دل سے مناظرے ہوتے اور تقاضائے جذبات نفسانی کو وہ روک لیتی۔ وہ ایک عالی خاندان پونٹروں کی امیرزادی اور ایک امیر ابن امیر کی بیوی تھی ایک گمنام معمولی درجہ کے پادری کے عسرت زدہ بیٹے کو جس نے دنیا میں اُس وقت تک کوئی نام و نشان بھی پیدا نہیں کیا تھا اپنا شوہر بناکر کلنگ کا ٹیکہ لگاتا اور سوسائٹی کی نظروں میں عمر بھر کے لیے اپنے آپ کو ایک خار بنانا کس طرح پسند کرتی۔"
غمزدہ ماتم جو اس وقت تک مثل تصویر خاموش تھی ندامت آمیز لہجہ میں

بول اٹھی۔

"بیگم تمہارے صدقے گئی ذرا مجھے ایک لفظ پوچھ لینے دو" یہ قانون سائٹی (سوسائٹی) نگوڑا کیسا قانون ہے جو خلاف احکام خدا و رسول عورتوں کو دوبارہ نکاح کرنے نہیں دیتا"

افتخار۔ (بیساختگی کی ہنسی کو روک کر) "تم نے تو ابھی توبہ کی تھی اور وعدہ واثق کیا تھا کہ قصہ ختم ہونے تک ایک بھی حرف تمہاری زبان سے نہیں نکلنے کا پھر یہ عہد شکنی کیسی"؟

عمدہ خانم۔ "میں نے یہ کب کہا کہ میں فرشتہ ہوں مادہ سہو و خطا ہر انسان کے خمیر میں ہے۔ میں نے اپنا وعدہ یاد نہ رکھا تو کون سی ایسی بڑی خطا کی جو قابل درگذر نہیں جس پر سے عہد شکنی کا الزام مجھ پر لگایا جاتا ہے۔ ایک اجنبی تعجب خیز قانون کو دریافت کرنے کے لئے بیساختہ میرا دل تڑپ گیا تو اتنا منہ سے پھوٹی"

افتخار۔ "چونکہ تم نے اپنی خطا کا اعتراف کر کے انفعال ظاہر کیا اور اپنی جبلی ہٹ دھرمی کو کام میں نہیں لائیں اس لیے مجھے بھی تمہاری خاطر شکنی نہیں کرنی چاہیے"

عمدہ خانم۔ (افتخار کی بلائیں لیکر) "اے میری خاطر رکھنے والی تم جگ جگ جیو! ہاں تو اس قانون کا کیا مطلب ہے"

افتخار۔ "قانون سوسائٹی سے غرض سوسائٹی کے قاعدے سوسائٹی کے حقیقی و لفظی معنے صحبت کے ہیں اور اصطلاحی معنی صحبت کے لوگ

ہمجلیس اپنے ہم چشم۔ برابر والے جن سے ہمیشہ ملنا جلنا پڑتا ہے انگلستان میں سوسائٹی کے لفظ سے مطلب طبقہ امرا بھی ہے۔ ان لوگوں نے ضوابط و آداب مجلس قایم کر رکھے ہیں جو روزمرہ کی معاشرت میں بڑی پابندی کے ساتھ برتے جاتے ہیں مثلاً ایک بڑے درجہ کا امیر کسی غریب کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت میں مدعو کرنا یا ایسے شخص کے ساتھ کسی شخص ثالث کے مکان میں ایک میز پر کھانا کھانا پسند نہیں کرے گا۔

ایک نجیب الطرفین امیرزادہ کسی مجہول النسب لڑکی سے شادی ہرگز نہیں کرے گا۔ یا ایک امیرزادی کسی غریب زادہ کو اپنا شوہر نہیں بنائے گی۔ کوئی امیر بیاہا ہو یا کنوارا اپر ملا کسبنوں کے کمروں پر مارا مارا نہیں پھرے گا ایک بیوی رہتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو خفا کر داشتہ نہیں رکھیگا وہاں کے امیروں کے پاس خواصیں اور حرمیں جیسا ہمارے کمبخت ملک کے اکثر امیروں کے پاس رہتی ہیں ہرگز نہیں رہ سکتیں اسی طرح اور سینکڑوں باتیں ہیں آداب مجلس کی مثالیں بھی بے گنتی ہیں مگر اس مقام پر بے محل و غیر متعلق ہیں۔ ان ضوابط کی پابندی بڑی سختی کے ساتھ کرنی پڑتی ہے جس طرح ہندوستان کے ہندو ذات میں رہنے کے لیے ہزاروں قاعدوں کے پابند ہیں اس میں شک نہیں بہت سے قاعدے اور آداب سوسائٹی کے حماقت بھرے بھی ہیں مگر مجموعی حیثیت سے اُن کا اثر خیر اندہ سوسائٹی کے حق میں بہت مفید ہے کیونکہ اس اخلاقی دباؤ سے دولتمند بہت سی برائیوں سے بچتے ہیں ورنہ اُن کی حالت بھی

مثل یہاں کے اکثر مسلمان امرا کی حالت کے قابل تاسف و لائق حقارت
ہو جائے جن کو نہ اچھے خون سے غرض ہے نہ عزت حقیقی سے مطلب ہے
نہ لوگون کی نکتہ چینی کی پروا - لڑکی اگر شریف الخاندان و نجیب الطرفین
ہوئی بھی تو بخیال دنیاوی دولت و ثروت کے ایک ایسے نالایق لڑکے
کے حوالہ کر دی جاتی ہے جو بالکل مجہول النسب جاہل محض اور بیوی گھر
میں ہوتے ہوتے ہوئے خالہ جان پھوپی جان کی دی ہوئیں دو چار
خواصیں بھی بی بی کی جان کو رو رہی ہیں اس پر مستزاد دو تین کسبیں
بھی میاں نے ڈال رکھی ہیں اور یہ سب بحیثیت جانوروں کے ایک
ہی پنجرے یا کٹگھرے میں بند پڑی رہتی ہیں طرہ تو یہہ ہے کہ دوسرے
خوش وضع شرفا و معززین البیوں کو ذلیل بھی نہیں سمجھتے - ایسے
مجہول النسب اور بدچلن گروہ کے راکیں لالوں کے لال بنے ہوئے
مونچھوں پر تاؤ دیے ہوئے ہر صحبت و جلسہ میں بڑے ٹھسوں سے
دندناتے اور اکڑتے پھرتے ہیں کوئی اس کا خیال و انسداد کرنیوالا
نہیں نہیں معلوم ہماری قوم میں سے غیرت کیا ہو گئی خالی لمبی چوڑی
چھوٹی شیخیاں رہ گئی ہیں یہ سارا فساد قومی جہالت کا ہے اگر علم ہوتا تو
سوسائٹی کے ضوابط بھی مقرر کیے جاتے اور اُن کی پابندی بھی ہوتی
پھر تو سینکڑوں بُرائیاں از خود دور ہوتی جاتیں - توبہ میں بھی کیا آدمی
ہوں کہاں سے کہاں پہنچی کیا کہوں ہماری قوم کے کرتوتوں نے
میرے دل کو ایسا کر کھوکھلا کر دیا ہے کہ چھیڑنے کی دیر تھی یا یوں سمجھو کہ بھری

بیٹی تھی اُبل پڑی۔ ہاں یہ تو میں کہنا ہی بھول گئی کہ انگلستان کے باشندے فرنگی نہیں انگریز کہلاتے ہیں فرنگستان یعنے فرانس کے دیسی لوگ فرنگی ہیں۔ یہ دونوں قومیں عیسائی ہیں ہمارے پیغمبر کو نہیں مانتے جو اُن پر احکام رسول کی پابندی فرض ہو قطع نظر اس کے اُن کے مذہبی احکام کی رو سے بھی ایک شوہر کے مرجانے کے بعد دوبارہ شادی منع نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے مذہب اسلام میں بھی ممنوع نہیں ہے مگر ہند کے رواج نے مٹی پلید کر رکھی ہے ایک رات کی بیاہی دلہن کو شوہر کے مرجانے پر عمر بھر بغیر دوسرے عقد کے بٹھا رکھتے ہیں اور اُس پر فخر کرتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ کتنا بڑا ظلم ہے اور کس قدر خلاف فطرت فعل ہے جس کے نتائج بعض اوقات کس قدر شرمناک نکلتے ہیں۔ مگر ہم لوگوں کو اس کی بھی شرم نہیں۔ یہ تو ہوتا ہی رہے گا قصہ سنو لیڈی فیر نے جو دو دن کی مہلت کلیمنٹس سے جواب دینے کے لیے مانگی تھی تو اسی اُدھیڑ بن میں تھی کہ کیا کرے کیا نہ کرے ایک طرف سوسائٹی کے خیال کا دباؤ دوسری طرف حضرت دل کا تقاضا کبھی یہ بھی خیال آتا تھا کہ شادی کے بعد کلیمنٹس افکار خانہ داری و فکر معاش میں مبتلا ہو کر تحصیل و تکمیل کمال سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اگر ایسا ہوا تو ایک ہونہار اور غیر معمولی قابلیتوں کے طالب العلم کے حق میں بس یوں ہی اور ملک و قوم کا گنہگار بنا ہے غرض دو دن کامل لیڈی فیر انھیں مخمصوں اور کشمکش میں رہی بالآخر بلحاظ کلیمنٹس کی شرافت و کمال اہلیت

مزاج کے اور بخیال اُس کی بے غایت محبت کے اس عقدہ لاینحل کا تصفیہ
یون کیا کہ عقد کلینٹس سے پوشیدہ طور پر کرلے مگران شرطوں کے ساتھ
کہ چار سال تک زن وشوہر میں کسی قسم کا دنیاوی تعلق نہ ہونے پاوے
اور چار سال کے عرصہ میں کلینٹس دل توڑ کر اس کی کوشش کرے کہ
وہ دنیا میں علم ہیت کا ایک جید اور مشہور عالم ہو۔ وہ دن جب گذر چکے
تو کلینٹس جو انتظار میں گھڑیاں گن رہا تھا جس کو وہ دن دو برس سے
زیادہ گران اور کٹھن معلوم ہوئے لیڈی فیر سے جواب طلب کرنے کے لیے
آیا۔ لیڈی فیر نے اپنے فیصلہ سے اُس کو مطلع کیا۔ جواب گو مشروط تھا
مگر اثبات میں تھا اس لیے کلینٹس کی حالت بعینہٖ ایسی ہوئی جیسے
سوکھے دھانوں میں پانی پڑا مگر اُس نے شرطوں میں ترمیم چاہی لیڈی
فیر نے ایک نہ سنی آخر بادل نخواستہ اپنے محبوب کے فیصلہ کو تسلیم کرنیکے سوا
اور کچھہ نہ بن پڑی دونوں کی آپس میں یہ صلاح ٹھہری کہ مقام ڈارٹ متھ
کے گرجے میں بذریعہ لائسنس کے عقد پڑھوائیں۔ ڈارٹ متھ ایک چھوٹی
سی بستی لب دریائے ڈارٹ مکیکوٹن سے دس بارہ مائیل کے فاصلہ
پر واقع ہے ازروئے قاعدہ کم از کم پندرہ روز کی سکونت فریقین میں سے
کسی ایک کو وہاں اختیار کرنی لازمی تھی اس لیے مشورہ باہمی میں یہ بھی
قرار پایا کہ لیڈی فیر پندرہ روز کے لئے ڈارٹ متھ جاکر کسی ہوٹل میں
اُتر پڑے اور کلینٹس بروز نکاح علی الصباح وہاں پہونچے چنانچہ لیڈی فیر
اس مشورے کے دوسرے ہی دن ڈارٹ متھ چلی گئی۔ اور وہاں پہونچکر

عہ۔ قسم سلسلہ۔

اُس نے اُس ہوٹل کا پتہ جس میں وہ اتری تھی کلیمنٹس کے پاس بھیج دیا۔
کلیمنٹس نے یہ پندرہ دن کسی طرح خدا خدا کرکے گزارے۔ جس دن بغرض عقد
نکاح وہ ڈارسٹ تھر روانہ ہونے کو تھا کہ ایک خط اُس کے پاس لندن سے
آیا یہ خط لندن کے ایک سولسٹر[ط] کا بھیجا ہوا تھا جس میں ایک اور خط ملفوف
تھا سولیسٹر والے خط کے ساتھ جو خط اس کے پاس آیا وہ اُس کے چچا نے
قبل اپنے مرنے کے لکھکر اپنے سولسٹر کے پاس بھیج دیا تھا اور یہ وصیت کی
تھی کہ اس کے مرنے کے بعد وہ خط اُس کے بھتیجے کے پاس بھجوا دیا جائے
چنانچہ ایسا ہی کیا گیا خط لکھنے والے چچا کا اُس نے صرف نام ہی سنا تھا کلیمنٹس
کے چچا کے خط کا مضمون و مفہوم یہ تھا۔

میرے پیارے سٹنی۔ تم نے اپنے باپ سے میرا نام سنا ہوگا۔ میں
تمھارا حقیقی چچا ہوں میں کم سنی میں وطن چھوڑکر امریکہ چلا آیا تھا اور ڈاکٹری
کے ذریعہ سے میں نے تھوڑی بہت دولت حاصل کی بوجہ شادی نہ
کرنے کے میں لاولد مروں گا۔ میں نے اپنی دولت کا بڑا حصہ اپنے پیارے
وطن لندن کے صیغہ تعلیمات میں صرف کرنے کے لئے وصیت کی ہے
تم میرے پیارے ماں جائے کی نشانی ہو۔ تمھارے حالات وقتاً فوقتاً
میں اپنے سولسٹر مقیم لندن کی معرفت دریافت کرتا رہا مجھے یہ معلوم کرکے
کہ تم ایک ہونہار لڑکے ہو بے نہایت مسرت ہوئی یہ بھی مجھے معلوم ہوا ہے
کہ علم ہیئت میں تم نے ابھی سے بڑی دستگاہ حاصل کی ہے اگرچہ چند سال اور محنت

ط از قسم وکیل۔

گوارا کر کے اس غیر مفید علم کے پیچھے پڑے رہو گے تو ضرور ایک دن مہر جہانتاب کی طرح افق کمال پر چمکو گے - یہ بھی مجھکو معلوم ہوا ہے کہ تمھارے باپ نے بہت قلیل سرمایہ تمھارے لئے چھوڑا ہے اس خیال سے کہ تمھاری کوششوں میں سہولت ہو اور آیندہ زندگی کسی قدر آسائش سے گذرے میں نے اپنے وصیت نامہ کے ذریعہ سے ایک حصہ اپنی دولت کا تمھارے لیے بھی چھوڑا ہے - چھہ سو پاونڈ[1] سالانہ تم کو میرے سولسٹر کی معرفت تاحیات ملا کرینگے مگر شرط اول یہ ہے کہ چھبیس برس کی عمر تک شادی نکرو شرط دوم یہہ ہے کہ بہ تقریب تحقیقات رموز علم ہیئت جنوبی آفریقہ و امریکہ میں چار برس بسر کرو میرا یہ خط میرے مرنے کے بعد تم کو ملے گا "

اس خط کا پہلا حصہ پڑھکر کلنبٹس شاد شاد ہو گیا مگر جبکہ شرطوں پر اسکی نظر پڑی تو ایسا سوکھا کہ کاٹو تو خون نہیں اس نے اپنے دل میں کہا کہ ایسے خط کا آنا نہ آنا یکساں ہے میں تو آج ہی شادی کرنے والا ہوں چار برس تک شادی کے انتظار میں رہنے سے موت کے انتظار میں رہنا بدرجہا میرے لیے اچھا ہے میں ایسی دولت سے درگذرا - بھاڑ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان - ادھر تو میں شادی کے انتظار میں ہوں اودھر میری پیاری ایلس (لیڈی فیر کے میکے کا نام) میرے ہاتھ سے نکل جائیگی - نہ معلوم اس عرصہ دراز میں کیا کیا انقلابات پیش آئیں ایلس کا دلفریب حسن اور اعلی مرتبہ ایسا نہیں ہے کہ اُسے کوئی نہ پوچھے

---

[1] انگلستان کا سونے کا سکہ پندرہ روپیہ کے برابر

اور وہ میرے نام پر اتنے دنوں بیٹھی رہے ہے۔ اُسے لندن کی سوسائٹیوں
میں جانے کی ہوبر ہے ایک چھوٹا ہزار امیرزادے اُس پر لٹو ہو جائیں گے
اُس وقت میری دال کیا گلیگی سوا ہاتھ ملنے کے مجھے کچھہ ہاتھہ نہ آئے گا
قطع نظر اس کے دولت وہی جو انسان اپنی قوت بازو سے حاصل کرے
اس سے بڑھکر اور خود غرضی کیا ہو سکتی ہے کہ دولت کے لئے انسان ایک
ایسے دوست کو چھوڑے۔ ایسی دولت کو میرا دور سے سلام ہے اگر سلیمان
کی سلطنت بھی مجھکو ملے تو ایلیس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ سوچ سانچکر سیدھا
ڈارٹ منتھ کو وہ روانہ ہو گیا وہاں پہونچکر دونوں کا عقد ہوا اور خوشی
خوشی بلیکوٹن کو دونوں واپس آئے اس واقعہ کو وہی چار روز گزرے
تھے کہ سر جیمس لوئی لیڈی فیر کا (لیڈی فیر اب مسز کلینس ہو گئی تھی
چونکہ نئی حیثیت کا اُس نے اظہار نہیں کیا تھا اس لئے لیڈی فیر ہی
کے نام سے اس کا تذکرہ کیا جائے گا) عموزاد بھائی اپنی چچیری بہن سے
ملنے کے لئے آیا۔ سر جیمس لوئی دولت انگلشیہ کی جانب سے واشنگٹن
دارالسلطنت امریکہ میں بعہدہ جلیلہ سفارت ایک زمانہ تک ممتاز رہا چند
ہی دن ہوئے تھے کہ پنشن[1] لیکر اپنے وطن لندن آگیا تھا۔ اس کی بیوی
مر چکی تھی۔ بلیکوٹن آن کر اپنے بہنوی کے مرنے کی خبر سنی اس حیلہ سے
کہ اُس کی بہن کا غم بہلے اُس نے چندے اُس کے ساتھ اقامت کا
قصد ظاہر کیا جس کو اُس کی چچیری بہن نے بدل منظور و قبول کیا اس

[1] وظیفہ۔

تقریب سے لیڈی فیر کے ساتھ رہنے لگا مگر دل میں اُس نے شادی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اتفاقاً اُسی اثنا میں لورڈ بشپ کبورسی کے دفاتر کی تنقیح و معائنہ کی غرض سے بلیکوٹن آیا۔ اس لورڈ بشپ سے اور سر جیمس سے دوستانہ تھا۔ اس لیے اس کی دعوت سر جیمس نے اپنی چچیری بہن کے مکان میں کی۔ لورڈ بشپ ایک گرگ باران دیدہ پچپن چھپن برس کا آدمی تھا اس نے اب تک اپنی شادی نہیں کی تھی۔ یہہ سر جوان فیر سے بھی واقف تھا مگر لیڈی فیر کو اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا دعوت کے دن پہلے پہل اُس نے لیڈی فیر کو دیکھا دیکھتے ہی اسکے حسن خداداد پر لٹو ہو گیا اس لورڈ بشپ کا قیام اُس گانون میں کل دو دن رہا اُس قلیل عرصہ میں چار دفعہ لیڈی فیر سے ملنے کو آیا اور خوب ڈورے ڈالے مگر لیڈی فیر نے ذرا بھی توجہ نہیں کی۔ سر جیمس لوئی اس بڈھے پادری کی جھونتوں سے اُس کا ما فی الضمیر پہچان گیا اور جب کا ہونا اس پادری نے مقام اکسمتھ[۳] پہونچکر ایک طول طویل خط اظہار تعشق کا لیڈی فیر کے پاس بھیجا اور اسی خط میں پیغام شادی بھی دیا یہہ خط لیڈی فیر نے اپنے چچیرے بھائی سر جیمس کو مضحکہ کی غرض سے دکھایا اور پادری کے خط کے جواب میں نہ اقرار کیا نہ انکار بلکہ لطایف الحیل سے اُسے ٹالدیا بعد عقد نکاح کے کلیمنٹس جب پہلی دفعہ لیڈی فیر کے مکان میں آیا تو اُسکا تعارف بحیثیت اپنے ایک دوست کے لیڈی فیر نے اپنے عمزاد بھائی

۱ - پادریوں کا افسر ۲ - پادری کا محکمہ ۳ - شہر کا نام

کرایا اور نکاح کے واقعہ کو اُس سے پوشیدہ رکھا۔ گو لیڈی فیر نے کلمنٹس
کے ساتھ عقد کرنے کا واقعہ مخفی رکھا مگر ان دونوں کے انداز اور تیور
ایسے تھے کہ مسٹر جیمیس پر پوری طرح روشن ہو گیا کہ ایک دوسرے کا عاشق ہے
بقول شاعر ؎ لاکھ پردے میں ہوں پر چھپتے ہیں کب ؛ چتونیں الفت کی
تیور پیار کے۔ اسی خیال رقابت نے مسٹر جیمیس کے دل میں کلمنٹس کی طرف
سے سخت تنفر پیدا کر دیا۔ بعض وقت کھلے لفظوں میں اپنی بہن کی
نصیحت و فضیحت کرتا ساتھ ہی اس کے کنایۃً اپنی محبت کا اظہار کرتا لیڈی
فیر کی بے اعتنائی سے اپنی جگہہ پر آپ آتش رشک میں جلتا۔ خدائے
کارساز کے کچھہ عجیب و غریب کارخانے ہیں۔ ایک دن لیڈی فیر کے
شوہر سابق کا سولسٹر لندن سے پھر آیا اور اُس نے یہہ کہا کہ مسٹر جون
کے انتقال کی جو خبر اخباروں میں اُڑی تھی جس کی بنیاد پر میں نے
جدید انتظامات کیے تھے غلط نکلی۔ مسٹر جون کے انتقال کی صحیح تاریخ
کی خبر اب ملی ہے جو تاریخ اخباروں میں چھپی تھی اُس کے سوا دو مہینے
کے بعد اُنھوں نے انتقال کیا۔ اس لیے مجھے اپنے کیے ہوئے انتظامات
میں کچھہ ترمیم کرنی لازمی ہوئی یہہ کہکر اُس نے سوا دو سو
پاؤنڈ کے نوٹ دیے لیڈی فیر کی ماہوار میں کمی جو قبل از وقت کر دی
گئی تھی اس کی تلافی از روئے حساب کر دی گئی سولیسٹر تو ادھر روانہ
ہوا۔ ادھر لیڈی فیر کو وحشت نے گھیرا کیونکہ سولیسٹر نے جو خبر سنائی اسکے
اعتبار سے سر جون فیر اُس دن زندہ تھا جبکہ کلمنٹس سے اُس کا نکاح ہوا

اس لیے یہ نکاح باطل و کالعدم ہو گیا۔ اس غلطی کے دفعیہ کا چارہ کار
اُس نے یہ سوچا کہ عقد نکاح کی تجدید کروائی جائے۔ کلبنٹس سے یہ کہنے
کے لیے وہ مینار کو گئی اُس نے اتفاق سے کلبنٹس کو وہاں نہیں پایا
اس کی ایک چھوٹی سی تپائی پر ایک نیم باز خط پڑا دیکھا۔ جسے شغل بے شغلی
سمجھکر اُس نے اُٹھا لیا اور پڑھنا شروع کیا۔ یہ خط کلبنٹس کے متوفی چچا
کے سولیسٹر کا بھیجا ہوا تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ سابق کے خط کا جواب ابتک
نہیں دیا گیا۔ پہلی سہ ماہی ختم ہوئے زمانہ ہوا۔ دوسری سہ ماہی بھی عنقریب
ختم ہونے کو ہے مگر ہنوز کوئی ہدایت اس امر کے متعلق نہیں دی گئی۔
کہ ڈیڑھ سو پاونڈ پہلی سہ ماہی کی بابتہ کے کہاں پہونچائے جائیں اور یہ
بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آیا وصیت نامہ کے بموجب معطی لہ اُس عطیہ کے
پانے کا مستحق بھی ہے یا نہیں۔ اس خط کو پڑھکر لیڈی فیر کچھ خوش کچھ
آزردہ ہوی خوش تو اس لیے کہ وہ کلبنٹس کو جس قدر عسرت زدہ سمجھی
ہوئی تھی اس خط کے دیکھنے سے وہ خیال غلط ثابت ہوا آزردہ اسواسطے
ہوئی کہ کلبنٹس نے اس سے اصلی حقیقت پوشیدہ رکھی وہ انھیں خیالوں
میں مستغرق تھی کہ کلبنٹس جو کسی ضرورت سے باہر گیا ہوا تھا آپہونچا۔
کلبنٹس نے جو وہ خط لیڈی فیر کے ہاتھ میں دیکھا تو اُس کا چہرہ فق ہو گیا
اور ہکا بکا ہو کر لیڈی فیر کا مُنھ تکنے لگا دل میں ہزاروں لعنت ملامت
ایسی غفلت و بے پروائی سے خط چھوڑ کر چلے جانے پر کرنے لگا کیونکہ اُسکو
یقین ہو گیا کہ پہلے خط اور وصیت نامہ کی تہ طلبیں اُس کو معلوم ہونگی تو

بوجہہ ایک دانشمند عورت ہونے کے اس کا اسے سخت ملال ہوگا کہ چہہ سو پاونڈ سالانہ کا مفت نقصان کیا گیا۔ لیڈی فیر کا چہرہ متغیر دیکھکر اور بھی سہم گیا۔ لیڈی فیر نے اپنے تکدر کی حالت کو چھپانے کی کوشش کر کے اور اس خط کو دیکھا کر پہلے خط اور وصیت نامہ کی حقیقت دریافت کی۔ کلیمنٹس نے پہلے تو ٹالنا چاہا مگر وہ کب ماننے والی تھی تڑیا ہٹ بھی کہیں چھوٹی ہے آخر لیڈی فیر نے سولہیٹر کا پہلا خط اور کلیمنٹس کے چچا کا خط جس میں عطیہ کی شرطیں تھیں لے ہی کر چھوڑا۔ ان خطوں نے لیڈی فیر کو بے انتہا متاثر کیا۔ اس کو کلیمنٹس کی بے غایت محبت کا یقین کامل ہو گیا اور اس کے دل پر کلیمنٹس کی وفاداری نقش کالحجر ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی بیوقوفی پر اس نے سخت افسوس کیا اور زبان سے یہ کہا۔

"شکر خدا کا کہ میں ایک گناہ عظیم سے بچی میرا تمہارا جو نکاح ہوا تھا وہ باطل ہو گیا اور خدائے کریم نے تم کو گویا دوبارہ موقع اس کا دیا ہے کہ اپنے چچا کی بیش بہا وصیت سے پورا پورا فایدہ اٹھاؤ۔ چہہ سو پونڈ سالانہ کچھ کم نہیں ہیں اس آمدنی سے ممالک غیر کی سیر کرو سیاحت ایک بڑی نعمت ہے ہر انسان کو میسر نہیں ہوتی" رباعی

تا بدکان خانہ در گرو دی + بر و اندر جہان تفرج کن

ہر گز اے خام آدمی نشوی + پیش ازاں دم کہ بے جہاں بروی

علم کی تکمیل بھی سیاحت سے ہوتی ہے دنیا کے عجائبات دیکھنے

نظر وسیع ہوتی ہے مخصوص اُن ممالک ہیں بغرض ترقی واکتساب
علم ہیئت ضرور جاؤ جہان جانے کی تمھارے چچا نے وصیت کی ہے تاکہ
علم ہیت کے ایک نام برآور وہ عالم وصاحب کمال دنیا میں کہلاؤ یہی میرا
اصلی مقصود بھی ہے میری دلی تمنا ہے کہ خدا مجھے وہ دن دیکھائے کہ میرے
مشتاق کان تمھاری تعریفوں کے سننے سے گونجنے لگیں اب تمھاری عمر
اکیس سال کی ہے پچیسویں سال تم شادی بھی کرسکتے ہو اور اس آمدنی
سے بھی مستفید ہوسکتے ہو۔ تیس برس باتوں میں گزر جائیں گے۔ دن
جاتے کچھہ دیر نہیں لگتی رشتہ حیات قوی رہنا چاہیے۔ تین برس کے
بعد اگر میں جیتی ہوں تو تمھاری خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ خدا سے
امید ہے کہ جب تک جیونگی تمھارا ہی کلمہ پڑھوں گی تم مطلق ہراساں
نہ ہو۔ عقد باطل ہونے کا سبب سنو جس دن ہم لوگوں کا نکاح ہوا تھا
اُس دن میرے شوہر جو ان زندہ تھے اب بہ تحقیق یہ معلوم ہوا ہے کہ اُس
تاریخ کے سوا دو مہینے کے بعد انھوں نے رحلت کی میں اس وقت اس
خبر کے کہنے کے لیے اور دوبارہ عقد پڑھوانے کی ضرورت جتانے کیلئے
آئی تھی مگر اب تمھارے چچا کی وصیتوں کے پڑھنے کے بعد تین برس تک
تجدید عقد کا نام زبان پر لانا تو کجا اپنے دماغ میں ایسے لاطائیل خیال
کو جگھہ نہیں دے سکتی گو یہ میں جانتی ہوں کہ جس طرح تین سال کا عرصہ
تمھیں گران گزرے گا غالبًا اس سے کہیں زیادہ مجھے سخت گزرے مگر انسان
وہی ہے جو موقع و مصلحت وقت ملحوظ رکھکر کام کرے اور اپنی عقل صائب کو

جذبات نفسانی پر غالب و مقدم رکھے۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ میری اس
وقت کی باتیں تمہیں ناگوار معلوم ہوتی ہوں گی لیکن میں حق سے درگزر
نہیں کر سکتی میں خود غرض دوست نہیں ہوں۔ میں تمہاری خیر اندیش
و باوفا عاشق ہوں۔"

کلیمنٹس جو تا اختتام تقریر ایک سکتے کے عالم میں ٹکٹکی لگائے لیڈی فیر کا
منہ وحشت و یاس بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا عورتوں کی طرح
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور ہچکیاں لے لے کر یہ بولا۔

"تمہیں حضرت عیسیٰ کی مقدس روح کا واسطہ میری جان سے زیادہ
پیاری ایلس مجھ پر رحم کرو اس فلسفیانہ و ظالمانہ خیال سے درگزرو میں
اپنی بھلائی کی باتیں اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں میری زندگی کا دارومدار
اسی پر ہے کہ فوراً عقد نکاح کی تجدید کی جائے۔ نکاح ہو جانے کے بعد
میں اس پر بھی راضی ہو سکتا ہوں کہ جب تک کہ میں ایک نامور شخص
نہ ہو جاؤں اس تعلق کی اشاعت نہ کی جائے اور اوس وقت تک ہم
تم علیحدہ رہیں۔"

لیڈی فیر کلیمنٹس کی ترحم خیز حالت زار جو اس کے چہرہ سے عیاں
تھی دیکھنے کی تاب نہ لا سکی کچھ تشفی آمیز کلمے کہے اور یہ کہکر اوٹھ کھڑی
ہوئی کہ اس بارے میں پھر گفتگو کروں گی لیڈی فیر نہایت پریشان و
متاثر وہاں سے اوٹھی۔ گھر پہونچکر خوابگاہ کے کمرہ میں چلی گئی اور اندر سے
دروازہ بند کر کے زار و قطار رونا شروع کیا شدت گریہ سے جب فرصت

ہوئی تو طرح طرح کے خیالات وجذبات نے آگھیرا۔ نفس امارہ و
عقل سلیم میں خوب خوب مباحثے ہوئے اس جنگ وجدال کا نتیجہ یہ
ہوا کہ اس کی عقل سلیم غالب ہوئی۔ اس کمرہ میں بیٹھے بیٹھے ایک طولانی
خط اس نے کلیمنٹس کو لکھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ جو کچھ اس نے زبانی کلیمنٹس
سے صبح کو کہا وہ اس کا قطعی و آخری فیصلہ تھا۔ فریقین کی بھلائی اسی
میں ہے اور اس میں رد و بدل ناممکن ہے اسی خط میں یہ بھی تحریر کیا کہ تمہاری
علاج حالت موجودہ سے افاقہ پانے کا یہ ہے کہ تم سفر کے لیے فوراً تیار و
آمادہ ہو جاؤ اور بغیر مجھ سے ملے چلے جاؤ۔ یہ تحریر اس نے کلیمنٹس کے پاس
فوراً بھیجدی تحریر پاکر کلیمنٹس کی روحانی تکلیف دوبالا ہوگئی اور بے ساختہ
دوڑا ہوا لیڈی فیر کے گھر آیا۔ آدمیوں نے حسب معمول کلیمنٹس کو ڈرائنگ[۱]
روم میں بیٹھا کر لیڈی فیر کو خبر کی۔ لیڈی فیر نے اپنے سینہ پر ضبط کی سل
رکھکر علالت کا عذر کیا اور ملنے سے انکار کیا۔ کلیمنٹس نے وہیں بیٹھے
بیٹھے رقعوں کا تار باندھ دیا۔ التماس کیا کہ دو باتیں بالمشافہ کرنے کی
اجازت دی جائے مگر یہاں ایک نہیں ہزار نہیں۔ آخر مجبوراً و ناچار
کلیمنٹس واپس آیا اور بخیال معشوق پرستی لیڈی فیر کے ارشاد کی تعمیل کو
اپنا فرض عین سمجھکر سفر کی تیاری میں مشغول ہوگیا اور اس کے تیسرے
ہی دن امریکہ جانے کے قصد سے پلیمتھ کے بندر کو روانہ ہوا اور
اپنی روانگی کی اطلاع لیڈی فیر کے پاس بھیجدی۔ اس رقعہ میں

---

[۱] نشست گاہ۔

جہاز کا نام بھی اُس نے لکھدیا تھا جس پر وہ سوار ہونے والا تھا مگر جہاز کی تاریخ روانگی گھبراہٹ میں لکھنا بھول گیا۔ جو شخص یہ رقعہ لیکر آیا اُس نے اپنی نادانی سے اس رقعہ کو مسز جمیس لوئی کے ہاتھ میں دیدیا مسز جمیس نے یہ رقعہ ایک دن دبا رکھا اور دوسرے دن لٹر ریک[1] پر لیجا کر ڈالدیا۔ رقعہ پہونچنے کے تیسرے دن کسی ملازم نے اس رقعہ کو لیڈی فیر کے پاس لیجا کر دیا۔ رقعہ پڑھکر لیڈی فیر کی حالت مصداق اس شعر کے ہوگئی ؎ پاس رہنے سے شہیدی کے نہ تھا کچھہ بھی خیال نہ اب جدائی میں محبت کا اثر ہونے لگا۔ لیڈی فیر کا کرب و اضطراب احاطہ تحریر و تقریر سے باہر تھا۔ اس کے حزن و ملال و توحش نے آن کی آن میں اتنی ترقی کی کہ اُس کی حالت قریب بہ جنون پہونچ گئی اسی حالت بیقراری میں کلیمنٹس کو پلٹا کر لانے کی غرض سے پلے متھ روانہ ہوگئی۔ وہاں پہونچ کر ریل سے اُترتے ہی ڈوکس[2] کی طرف گئی مگر قسمت تو دیکھیے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند ؎ دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہگیا۔ یعنے لیڈی فیر کے پہونچنے کے ڈیڑہ دو گھنٹے پہلے وہ جہاز جس پر کلیمنٹس سوار ہوا تھا روانہ ہو چکا تھا اس خبر کے سنتے ہی لیڈی فیر دریائے حسرت و یاس میں غرق ہوگئی قریب تھا کہ غش کھا جائے مگر اپنے تئیں اُس نے بہت سنبھالا۔ کف افسوس ملتی اور اپنے کئے پر پچھتاتی ہوئی ریلوے اسٹیشن پر واپس آئی اسی بدحواسی میں ٹیلیگراف آفس میں جا جھپٹ ایک فارم لیکر

---

[1] وہ ظرف جسمیں باہر سے آئے ہوئے خط رکھے جاتے ہیں [2] جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں یعنے بندرگاہ

کلیمنٹس کو واپس آنے کے لیے تار دینے کے قصد سے فارم لکھنے کا ارادہ کیا
جب فارم کے اُس مقام پر اُس کی نظر پڑی جہاں پتہ لکھا جاتا ہے تو
گھبرا کر چونکی اور اسے یہ خیال آیا کہ تار بھیجے تو کس پتہ سے بھیجے کلیمنٹس نے
اپنے اخیر رقعہ میں صرف یہ لکھا تھا کہ یونائیٹیڈ اسٹیٹس آف امریکا یعنے
ممالک متحدہ امریکہ کو روانہ ہوتا ہے امریکہ کے ممالک متحدہ اس قدر وسیع
ہیں نہیں معلوم وہ کس شہر میں جا کر ٹھہرے گا یہ سوچ کر اپنے اوپر نفرین
کرتی ہوئی بکنگ[1] آفس آئی اتفاق سے کنگلیر جانے والی گاڑی چھوٹا
ہی چاہتی تھی کہ اُس نے ٹکٹ خریدا اور ایک گاڑی میں سوار ہو گئی
کنگلیر سے ڈارٹ متھ بذریعہ اسٹیمر کے آئی وہاں سے اپنی گاڑی پر
جو اس کے انتظار میں کھڑی تھی ملیکوٹن آئی گھر پہونچتے ہی اس شدت کا
بخار چڑھا کہ غریب کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اُس کے ملازموں اور
چچیرے بھائی نے بڑی دوڑ دھوپ کی ڈارٹ متھ سے دو لایق
ڈاکٹروں کو بلوایا تیسرے روز اُسے ہوش آیا ہوش آتے ہی لیڈی فیرنی
کلیمنٹس کی نانی سے کلیمنٹس کا پتہ دریافت کرایا اُس بیچاری نے جواب
دیا کہ مجھے خود نہیں معلوم اس خبر نے اُسے اور بھی مایوس کر دیا۔
رفتہ رفتہ بخار سے تو پیچھا چھوٹا مگر سلسلہ علالت کوئی ڈیڑھ دو مہینے
تک بغیر منقطع رہا۔ دو مہینے کے بعد گو بظاہر صحت کامل حاصل ہو گئی تھی
تاہم قلب و دماغ متاثر تھے وحشت و اضطرار کے آثار بعض وقت نمایاں

[1] ریلوے اسٹیشن کا وہ محکمہ جہاں ٹکٹ بکتے ہیں۔

طور پہ ظاہر ہوتے تھے اس کی طبیعت بالکل تنہائی پسند اور چڑچڑی
ہو گئی تھی - لیڈی فیر کا چچیرا بھائی سر جیمس لوئی جو اپنے حسابوں لیڈی فیر
کا اپنے آپ کو عاشق سمجھتا تھا ہفتہ میں تین دن لندن میں رہتا تو چار
روز بلیکوٹن میں بسر کرتا - لیڈی فیر کی مصیبت زدہ حالت جو کلیمنٹس کی
کی مفارقت میں ہو گئی تھی دیکھ دیکھ کر مارے رشک کے دل ہی دل میں
گھٹتا اور پیچ و تاب کھاتا کبھی لیڈی فیر کو جلی کٹی سناتا جب چار پانچ مہینے
اسی حالت میں گزر چکے تو ایک دن اس نے صاف لفظوں میں شادی کا
پیغام دیا لیڈی فیر نے انکار کیا اس انکار سے اس کے حسد و رشک کا
شعلہ اور بھڑک اٹھا - اس کو جب یقین ہو گیا کہ لیڈی فیر کسی طرح اس کے
ہاتھ نہیں آسکتی جس کا سبب کلیمنٹس کو سمجھتا تھا تو کلیمنٹس کا اور بھی
دشمن بنگیا اور اس بغض عند اللہ کے نکالنے کا طریقہ یہ سوچا کہ لیڈی فیر
کلیمنٹس کو بھی نہ ملے اس لیے اپنا مقصد حاصل کرنے کی غرض سے یہہ
چال چلا کہ اس لورڈ لنٹیپ کے ہاں پہونچا جس نے لیڈی فیر پر فریفتہ
ہو کر شادی کی خواہش ظاہر کی تھی اور اس پادری کو جو بظاہر اس
مقدس و مذہبی خیال کا آدمی تھا مگر فطرتاً نہایت نفس پرست و حریص
شخص تھا گھلا ملا کر اپنے ڈھرے پر لگایا اور اس سے اس امر کا وعدہ
واثق کیا کہ اگر تھوڑی سی مدد وہ پادری اس کی کرے تو سر جیمس بھی
بپاس ارتباط قدیمانہ اور نیز اس خیال سے کہ وہ کلیمنٹس کے تعلقات کو
بلحاظ اپنی بہن کی عالی خاندانی کے معیوب و بدنما سمجھتا تھا ایسی کوشش

کرے گا کہ لیڈی فیر بشپ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جاوے گی
مسٹر جمیس کی یہ تحریک کرنی تھی کہ اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ملگیا یا دریفا عیب
نے مسٹر جمیس کی کارستانیوں میں ہر طرح کی امداد دینے کا بیڑہ اوٹھایا
ان دونوں کے آپس میں یہ صلاح ٹھہری کہ امریکہ کے کسی اخبار والے کو
کچھہ دے لیکر راضی کیا جائے اور اُس کے اخبار میں اس مضمون کی خبر
شایع کی جائے کہ مسٹر سڈنی کلینٹس انگلستان کے ایک عالم ہیئت نے
نیویارک کے ایک لکھپتی سوداگر کی اکلوتی بیٹی سے شادی کی اور اپنی
نئی دولہن کو لیکر آفریقہ روانہ ہو گئے اور وہ اخبار جیب میں اس طرح ہو
کہ اس کا ایک حصہ باہر نکلا رہے تا کہ مسٹر جمیس اُسے دیکھکر وہ اخبار تفریحاً
نکال کر پڑھنا شروع کرے اور جب خبر مقصود تک پہنچے تو باستعجاب پڑھکر
لیڈی فیر کو سنائے یہ بھی آپس میں طے پایا کہ قبل اس کے کہ اخبار لیکر
بشپ لیڈی فیر کے یہاں جائے دو چار بار بتقریب دورہ و بغرض تفریح
دفتر کیوری موضع بلیکوٹن میں جائے اور مسٹر جمیس سے ملنے کے بہانہ
لیڈی فیر سے بھی ملا کرے حسب قرارداد بشپ نے ڈیڑھ دو مہینے کے
عرصہ میں بلیکوٹن کے تین پھیرے کیئے تیسری بار جو تشریف لائے تو
مصنوعی خبر والا اخبار لیئے ہوئے آئے وہ جھوٹی خبر اُسی ترکیب سے
لیڈی فیر کو اُس کے چچیرے بھائی نے پڑھکر سنائی۔ لیڈی فیر نے اخبار
اپنے ہاتھہ میں لیکر کئی بار اُس خبر پر نظر دوڑائی پھر تو اُس کا عجیب عالم
ہوا اُس وقت او دیکھا نہ تا و بنظر تحقیق و تصدیق بے تحاشا دوڑی ہوئی

کلیمنٹس کی نانی کے یہاں چلی گئی اُس بیچاری نے وہی بیخبری کا جواب
دیا کہ اُسے کچھہ نہیں معلوم چھہ سات مہینے کے عرصہ میں ایک سطر بھی اُسکے
نواسے نے اُسے نہیں لکھی تھی - لیڈی فبر کو خیال آیا کہ خود کلیمنٹس کو
لکھکر اصلیت دریافت کرے مگر لکھے تو کہاں لکھے اخبار میں تو لکھا تھا کہ
آفریقہ روانہ ہوگیا - آفریقہ ایک بہت بڑی اقلیم ہے نہیں معلوم کس حصہ
آفریقہ کو وہ گیا تاہم آفریقہ کے دو چار جنوبی شہروں کے پتہ سے اُس نے
اٹکل پچو دو چار خط لکھکر ڈال دئیے - حالانکہ درحقیقت وہ اُس زمانہ میں
امریکہ میں موجود تھا - بعض وقت یہ بھی خیال اُس کے دماغ میں پیدا
ہوا کہ چوبیس سال کی عمر ہونے کے قبل اپنے چچا کی وصیت کے خلاف
کلیمنٹس شادی کیونکر کرسکتا ہے اگر کی تو چھہ سو پونڈ سالانہ سے اُسے
ہاتھہ دھو بیٹھنا پڑے گا معًا یہ بھی خیال اُسے آیا کہ اُس کی دولہن
ایک لکھپتی کی اکلوتی بیٹی ہے ایسی حالت میں چھہ سو پونڈ سالانہ کی اُسکے
آگے کیا بساط ہے - کبھی کلیمنٹس کی محبت کا خیال کرکے اپنے دل میں کہتی
کہ ایسا دیوانہ وار عاشق کیونکر بیوفائی کا مرتکب ہو سکتا ہے مگر دفعتًا اپنی
اُن بے اعتنائیوں کو یاد کرکے جو کلیمنٹس کے ساتھہ اُس نے کیں گریبان
میں سر ڈالتی - رفتہ رفتہ اُس کو یقین کامل ہوگیا کہ جو خبر امریکہ کے اخبار
میں شایع ہوئی ہے ضرور صحیح ہوگی کیونکہ اخبار والے کو ایک جھوٹی خبر
شایع کرنے سے فایدہ ہی کیا ہے - اکثر اپنی بے اعتنائیوں کا خیال کرکے
اپنے اوپر لعنت و نفرین کرتی ساری دنیا سے اور اپنی صورت سے

آپ متنفر ہوگئی تھی سر جیمیس تو ایک بہت بڑا چال باز اور شاطر تھا مختلف طریقوں اور ذریعوں سے جب اُس نے یہ دریافت کر لیا کہ لیڈی فیر کو اس جھوٹی خبر کے سچ ہونے کا یقین ہوگیا تو سمجھا کہ اس کا الٹکا کام کر گیا رقیب کے اثر سے میدان صاف ہوگیا اور اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا یا ورے، کی غرض تو بھاڑ میں جھونکی اور اپنا مطلب نکالنے کی پھر کوشش شروع کی۔ کبھی لیڈی فیر کی چاپلوسی اور خوشامد کیا کرتا کبھی اپنی کثیر دولت کی طمع دیتا کبھی اطاعت گذاری کے وعدے کرتا۔ انواع اقسام کے قیمتی اور بیش بہا تحفوں سے لیڈی فیر کا سارا گھر بھر دیا غرض سینکڑوں جتن کئے کہ لیڈی فیر اُس سے شادی کرنے پر راضی ہو جائے مگر لیڈی فیر نے جو جیمیس کی بری خصلتوں اور خراب عادتوں سے بخوبی واقف تھی نہیں سے ہاں نہ کی۔ اسی اثناء میں لشپ نے بھی اپنے ارتباط کے پینگ بڑھا رکھے تھے اُس نے بھی پھر پیغام دیا دو چار روز غور کرنے کے بعد لشپ کا پیغام لیڈی فیر نے قبول کر لیا اور فوراً ہی دونوں کا نکاح ہوگیا۔ میاں لوئی منہ دیکھا رہ گئے اور چاہ کن را چاہ در پیش کے مصداق بن گئے۔ چونکہ لیڈی فیر ایک زمانہ میں ایک مشہور اسکوئر کی بہو بھی تھی اور لورڈ لشپ تو مشہور و معروف تھا ہی اس شادی کی خبر انگلستان کے متعدد اخباروں نے لکھی اور اُس کی نقل امریکہ کے اخباروں نے بھی کی جیمیس ہی دور افتادہ دلدادہ تلملیٹس کے نظروں سے یہ خبر گذری اُس کے لیے یہ خبر وحشت اثر

پیغام اجل سے کم نہ تھی۔ خبر کے پڑھتے ہی زندہ درگور ہو گیا۔ اسی حالت
میں اُس نے اپنی نانی کو ایک خط لکھکر حقیقت دریافت کی۔ اسکی
نانی نے جواب میں شکوے شکایت کے بعد خبر کی اصلیت کی تصدیق
کی۔ اس خط کے بعد سے اپنے حالات اکثر اپنی نانی کو لکھنے لگا۔ اُس نے
اپنے دل میں عہد کر لیا کہ کبھی کسی عورت سے دل نہ لگائیگا اور نہ عمر بھر
شادی کا نام لیگا۔ ساری دنیا کی عورتوں سے اُس کا دل ہٹ گیا
پانچ چھہ مہینے امریکہ میں رہکر جنوبی افریقہ کے بیاروں کی تحقیقات
کے لیئے اُس نے آفریقہ کا سفر اختیار کیا ڈیڑھ دو برس وہاں کے
مختلف شہروں میں پھرتا رہا مگر نانی سے رسل و رسایل جاری رکھے
شادی کے پانچ چھہ مہینے کے بعد لیڈی لشب یعنے سابق لیڈی فیر
جایداد کی دیکھ بھال کے لیے جو اسے اس کے پہلے شوہر کے
ترکہ میں ملی تھیں تنہا پلیکوٹن آئی ایک اتوار کو گرجے میں گئی بعد
فراغت عبادت کلیمنٹس کی نانی سے ملاقات ہو گئی۔ عند التذکرہ
اُس نے کلیمنٹس کے حالات دریافت کیے اور یہ بھی پوچھا کہ کلیمنٹس
کے کوئی اولاد ہوئی۔ کلیمنٹس کی نانی نے کہا کہ اُس نے ابھی شادی
کہاں کی ہے جو اولاد ہو گی۔ یہ سننا ہی تھا کہ لیڈی فیر کے اوسان
کے طوطے اوڑ گئے اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اس کے پاؤں کے نیچے
سے زمین نکل گئی ششدر ہو کر رہ گئی طرح طرح کے خیالات و جذبات
ہجوم اس کے دل و دماغ میں ہونے لگا۔ بدقت دو چار باتیں کلیمنٹس کی

متعلق کرکے اُس کی نانی سے رخصت ہو کر گھر آئی۔ اس کو یقین ہو گیا کہ یہہ ساری کارستانی اور جعلسازی اس کے موجودہ شوہر کی تھی جھوٹی خبر امریکہ کے اخبار میں شایع کروا کر اپنا مطلب نکالا گھر پہونچکر اس کی طبیعت بہت بگڑ گئی ایک تو دو مہینے کا حمل تھا جس کی وجہہ سے چکر پر چکر آنے تھے متلی اور قے ہوا کرتی تھی اس پر اس صدمہ نے اس کا حال اور بھی تیلا کر دیا۔ چند دنوں بلیکوٹن ہی میں مقیم رہی افاقہ ہونے پر اپنے شوہر لشبیہ کے پاس واپس گئی۔ وہاں پہونچتے ہی لڑائی لڑتے اُس بڈھے کا ناطقہ بند کر دیا اُس نے معافی مانگی مگر ایلس پر ایسا ظلم ہوا تھا کہ اُس کے دل میں ناسور پڑ گیا ہرگز اُس کے دل سے وہ بات نکل نہیں سکتی تھی دونوں کی زندگی نہایت کوفت اور مصیبت سے کٹنے لگی قصہ مختصر دو ڈھائی سال اسی طرح ضیق میں گذرے اور شادی کے چوتھے سال لشبیہ پر فالج گرا اُس نے عدم آباد کی راہ لی۔ ایلس اپنے بچہ کو جو اس وقت ڈھائی تین سال کا تھا اپنے ہمراہ لیکر بلیکوٹن چلی آئی اور اپنے شوہر سابق کے مکان میں جو اسے ترکہ میں ملا تھا رہنے لگی۔ کلیمنٹس کی نانی نے اپنے کسی خط میں لشبیہ کے مرنے کا اور ایلس کے بلیکوٹن میں آکر رہنے کا حال کلیمنٹس کو تذکرۃً لکھا جس کو پڑھتے ہی کلیمنٹس کی قدیم محبت تازہ ہو گئی اور بعجلت تمام وطن واپس آیا مکان پر پہنچتے ہی نانی سے گلے ملنے کے بعد جو پہلا لفظ اسکی زبان سے نکلا وہ ایلس کی خیریت کے متعلق تھا منھ ہاتھ دھو کپڑے بدلکر

خلاف معمول تھوڑی خوشبو لگا کر ایلس سے ملنے کے لئے گیا ایلس مکان میں
نہ تھی اس کے ملازموں نے کہا کہ بچہ کو ساتھ لیکر ٹہلتی ہوا خوری کے لئے
ابھی باہر گئی ہیں۔ کلیمنٹس مایوس ہو کر پھرا۔ اپنے گھر واپس آتے وقت
مینار کے رستہ کی طرف سے آ رہا تھا کہ مینار نظر آیا اور اس کا دروازہ خلاف
امید کھلا دیکھا۔ اسے گمان ہوا کہ شاید ایلس مینار پر ہو یہ خیال کر کے بعجلت
پر چلا گیا وہاں دیکھتا کیا ہے کہ ایلس اپنے بچہ سے کھیل رہی ہے دونوں کی
نگاہیں جب آپس میں لڑیں تو دونوں پر کچھ عجیب حالت طاری ہوئی۔
اس وقت کا نقشہ جبکہ پہلے پہل اسی مقام پر تقریبًا پانچ سال پیشتر ایک
نے دوسرے کو دیکھا تھا۔ کلیمنٹس کی آنکھوں میں پھر گیا اس عرض مدت
میں جو جو انقلابات پیش آئے ان کی تصویریں بھی اس کی آنکھوں کے
سامنے کھنچ گئیں ایلس کی ابتدائی محبت کا اسے خیال آیا پھر اس کی اس
وقت کی بے اعتنائی کا جبکہ کلیمنٹس امریکہ روانہ ہونے کے قبل ایلس کے
گھر جا کر دو منٹ کے لئے اس سے ملنا چاہتا تھا اور ایلس نے انکار کیا۔
پھر بعد کی اس کی فرضی بیوفائی کا جو شبہ سے اس نے نکاح کر کے دکھائی
مگر ان سب باتوں پر جو جذبہ غالب تھا وہ جذبۂ الفت ایلس کے دل و
دماغ میں بھی قریب قریب اسی قسم کے خیالات گزرے مگر بے وفائی کے
عیوض کلیمنٹس کی وفا اس کی محبت کی پائیداری راہ الفت میں اسکی
ثابت قدمی ان باتوں نے ایلس کو نہایت خجل و منفعل کیا۔
چند منٹ تک دونوں میں سے کسی کی زبان سے بھی ایک حرف نہ نکلا

آخر مہر خاموشی کو کلینٹس نے صاحب سلامت کر کے توڑا۔ ایلس نے گردن
نہوڑا کر جواب دیا اور وطن واپس آنے کی مبارک باد دی اس کے
بعد ساری سرگذشت سنائی پھر معافی کی خواستگار ہوئی۔
کلینٹس کو جب اُس کا یقین ہو گیا کہ ایلس نے نسب سے شادی ہوئی
ہیں اور فریب کھا گئی تو وہ خود معافی چاہنے لگا اس لئے کہ اُس نے
اپنے دماغ میں ایک عرصہ تک اس خیال فاسد کو جگہہ دے رکھی تھی
کہ ایلس بے وفا ہے اُس کے بعد ہی اُس نے یہہ کہا کہ اب تو تم مجھے
اپنا شوہر بننے کی عزت دو گی۔ یہہ سنا تھا کہ ایلس نے ایک آہ سرد
بھری اور یہہ کہکر کہ تم مجھ گناہ گار غمزدہ کے شوہر ہونا قبول کرتے ہو بیٹھے
بیٹھے زمین پر گر پڑی اور فوراً آنکھوں کے راستہ اُس کا دم نکل گیا
کلینٹس کا پیغام اُس کے لیے شادی مرگ ہو گیا۔ غریب ایلس کو کبھی
یہہ توقع نہیں تھی کہ اُس کا پیارا اور وفادار کلینٹس اس قدر کریم النفس
کہ اُس کی خطائیں معاف کر دے گا اور ایک ایسی عورت کو
جو اُس کے لیے سینکڑوں مصیبتوں اور اذیتوں
کی باعث ہوئی اور جس کی جوانی بھی ڈھل چکی تھی جس کے
چمن حسن میں خزاں کے قدم آ چکے تھے اور جس کے پاس ایک بچہ بھی
دوسرے شوہر کا موجود تھا کبھی اپنی بی بی بنانے کا خیال دماغ میں
لائے گا۔

تیسرا باب

افتخار۔ کہو خانم صاحب یہہ قصہ کچھ پسند آیا۔

عمدہ خانم جس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے ایک ٹھنڈی سانس لیکر اور آنسو پونچھکر بولی۔ ہے ہے بیچاری کا کس طرح خاتمہ ہوا۔ میری جیسی وہ بھی کوئی کمبخت ہوگی۔ ساری زندگی کانٹوں کی سیج پر گزاری۔ دیکھو اسی کو کہتے ہیں کہ عشق بازی کا انجام بُرا اور بُرا مجھے تو رہ رہ کے اُس کے سوتیلے بھائی کے چل دینے پر اور لنگوٹے بڈھے پادری کی سازش پر غصہ آتا ہے مگر یہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک پادری جو مذہبی پیشوا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکر شریک جرم دغا بازی ہوا۔ ہمارے ہندوستان میں جو پادری آتے ہیں وہ تو بہت نیک نام مشہور ہیں مجھے یاد ہے۔ بھگدڑ کے پہلے گولہ گنج میں جب میں اپنے ماں باپ کے گھر تھی تو اُسی محلہ میں ایک پادری بھی رہتا تھا۔ میرے ابا سے اُس سے بڑی دوستی تھی مجھے اکثر عمدہ عمدہ کھلونے اور مٹھائیاں لاکر دیتا تھا ایک مجھی کو کیا اور بھی محلہ کے اکثر بچوں کو مٹھائیاں اور کتابیں دیتا تھا اس لیے ہم لوگ اسے گھیرے رہا کرتے تھے اس کی وہ میٹھی میٹھی باتیں ہمیشہ دلکش و مفید نصایح و پند سے بھری رہتی تھیں انھیں باتوں کی بدولت اُس نے بہتوں کو کرستان بھی کر ڈالا تھا لوگ اُسے بہت باخدا و متقدس سمجھتے تھے خصوصاً میرے ابا اُس کے اخلاق و تقدس کی بڑی بڑی تعریفیں کرتے تھے مگر ہاں اتنا ضرور ہے۔ نہ ہر زن زن است۔ و نہ ہر مرد مرد۔ خدا پنج

انگشت یکساں نکرد۔ نیک اندر بد بد اندر نیک۔ ہر جگہہ اور ہر طبقہ میں ہوتے ہیں ممکن ہے اس لینڈی فرر (لیڈی فیر) کا شوہر ایک بری خصلت کا آدمی ہو"۔

افتخار۔ "پادریوں کے فرقہ کو تم نے سمجھا کیا ہے؟ ان میں بہت کم ایسے ہیں جن کا ظاہر و باطن یکساں ہو اکثر ان میں گندم نما اور جو فروش ہوتے ہیں۔ بقول شخصے ؎ سبحہ در کف توبہ بر لب دل پُر از ذوق گناہ۔ معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما۔ باتیں بڑی میٹھی میٹھی کرتے ہیں بہہ ساری ترکیبیں پھانسنے کی ہیں یہی وجہ ہے کہ بھولا اور نادان بچے اُن کے گرویدہ و حلقہ بگوش رہتے ہیں۔ حواریین حضرت عیسٰی نے جو در حقیقت بانیان مذہب عیسوی تھے کچھہ ایسے خلاف فطرت و خلاف عقل اصول قایم کر رکھے ہیں کہ اُن پر عمل کرنا اور اُن کا سمجھنا قریب قریب محالات ہے ایک تعلیم رہبانیت ہی کو دیکھو کہ کس قدر انتظامات دنیاوی میں خلل انداز ہے دوسرے مسئلہ تثلیث کو خیال کرو کہ کس قدر لغو اور خلاف عقل ہے اسی طرح اور بہت سے فضول خیالات ہیں جن کو کوئی صاحب عقل پسند و باور نہیں کر سکتا۔ برخلاف اس کے ہمارے پاک مذہب اسلام کو دیکھو کہ باہمہ و بے ہمہ ہے کس قدر معقولیت سے مملو ہے اگر کوئی شخص اصول موضوعہ اسلام کی پوری پوری پابندی کے ساتھہ زندگی بسر کرے تو بغیر رخنہ ڈالے دنیاوی امور میں عقبی بھی حاصل کر سکتا ہے اسلام کی تعلیم توحید نے تفہیم خیال معبود کو کسقدر پاک اور

صاف کردیا کہ موٹی سے موٹی سمجھ کا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ قصہ مختصر بعض پادریوں کی اصلی حقیقت تو ہیں نے تم سے کہدی اس لیے لیڈی فیروالے بشپ سے جو کچھ گناہ اور جرم سرزد ہوا وہ کوئی بات قابل استعجاب و تحیر نہیں ہے جو تم اس قدر متعجب و متحیر ہوئیں۔"

عمدہ خانم - میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ان پادریوں کی مذمت پر کیوں اس قدر ادھار کھائے ہو۔ جب میں نے تم سے ان کا ذکر سنا تو توہین آمیز طریقہ سے سنا۔ حالانکہ تم نے خود مشن اسکول میں تعلیم پائی ان کمبخت یا نیک بخت پادریوں کی ذات سے اس قدر مستفید بھی ہوئیں پھر تم کیوں ان کے اس طرح لتے لیتی ہو جیسے کوئی کسی کے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا ہو۔ میں حیرت میں ہوں کہ انھوں نے تمھارا کیا بگاڑا کہ مارے نکتہ چینیوں کے دھرے اڑا دیے۔ میں پادریوں کی پشتی نہیں لیتی ہوں مگر میری دانست میں تو وہ لوگ ہر طرح قابل سراہنے کے ہیں ایک یہی کیا کم ان کی نیکی ہے کہ ہمارے ملک کے ہزاروں لاوارث بچوں کی وہ پرورش کرتے ہیں تعلیم و تربیت کرتے ہیں روٹی کمانے کے لایق کر دیتے ہیں۔"

افتخار - "میں سچ کہتی ہوں کہ تمھارے اخیر جملے نے تو میرے سینے نشتر کا کام کیا میں اپنی قومی حالت کا مرثیہ کس کو سناؤں بقول شاعر کون سنتا ہے کہانی میری + اور پھر وہ بھی زبانی میری - مجھے جو کچھ

رونا ہے تو یہی رونا ہے کہ ہماری قوم کا اللہ بیلی ہے ~ کس کو دکھلائے
آبلے دل کے ، زخم تازہ ہوئے ہیں چھل چھلکے - مجھے تو اب نا اُمیدی
سی ہو گئی ہے - ہماری قوم ہرگز نہیں سدھرینگی - اگر ہماری قوم مین کسی
قسم کی صلاحیت ہوتی تو آج اُس کی لاوارث اولادوں کی یہہ درگت
کیوں بنتی بقول تمھارے پادری اُن کی پرورش کر رہے ہیں ہماری
قوم کو نہ پاس مذہب ہے نہ غیرت چھو گئی ہے نہ قومی ہمدردی کی بو لگی
ہے ورنہ ہزاروں یتیم خانے اور مساکین خانے اس وقت جاری ہوتے
پھر ہم دیکھتی کہ کیونکر کوئی لاوارث بچہ کسی پادری کے ہاتھ آتا ہے۔
ہماری قوم کی حالت جو اس قدر قابل نفریں ہے اس کا بڑا سبب یہی ہے
کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت مفقود ہے - تم نے یہہ جو کہا کہ میں نے مشن
اسکول میں تعلیم پائے اور اُن سے استفادہ حاصل کرنے پر ان کی اہانت
پر کمر باندھی ہے اس کا جواب یہہ ہے کہ بوجہ اس کے کہ میں نے مشن
اسکول میں تعلیم پائی ہے اس لیے مجھے اس کا زیادہ موقع ملا کہ میں اُن کے
کچے چٹھے سے واقف ہوں اور اُن کی حقیقی حالت کی اچھی طرح جانچ
پڑتال اور چھان بین کروں لہذا میری رائے اس معاملہ میں بہ نسبت
کسی دوسرے کے زیادہ تر معتبر و مستند و قابل قبولیت ہے استفادہ
حاصل کرنے کی کیفیت یہہ ہے کہ میں جس مدرسہ میں تعلیم پائی کچھ نہ کچھ
پڑھی لکھی نکلتی - جو کچھہ لنگڑا لولا مجھے آتا ہے وہ مشن اسکول کا
طفیل نہیں ہے بلکہ میری ذہانت و کوشش کا نتیجہ ہے - سنیے اب بھی

آپ کی سمجھ میں کچھ آیا یا نہیں یا مرغ کی وہی ایک ٹانگ گاؤگی "

عمدہ خانم " ہاں بہو تو سچ کہا ماشاء اللہ تم فطرتاً بڑی ذہین ہو واقعی جہاں اس پڑھ لکھ نہیں ضرور دیکھ کچھ حاصل کر ہی لیتیں۔ پادریوں کی نسبت میں نے اپنے ایک خیال کا اظہار کیا تھا تمہاری تقریر سننے کے بعد وہ خیال دور ہو گیا میرا تو اصل مطلب ہی فوت ہوا جاتا ہے یہ تو کہو یہ قصہ جو تم نے ابھی کہا اس کا اثر تم پر بھی کچھ ہوا یا نہیں۔ عشق کا مال کار دیکھو یا درکھو اس کا نتیجہ کبھی حسب دلخواہ نہیں برآمد ہوتا اس لیے کہتی ہوں کہ اُس طرف خیال ہی نہ لیجاؤ "

عمدہ خانم اس گفتگو کے بعد چلی گئی اور افتخار نے اپنے کمرہ میں ٹہلنا اور اپنی حالت پر غور کرنا شروع کیا چند ہی منٹ اس طرح گزرے ہونگے کہ شوکت النساء آئی اور کسی کام کے لیے بیٹی کو بلا کر لے گئی وہ دن تو کسی طرح کٹا جب شب کے کھانے سے فرصت ہوئی اور افتخار خوابگاہ میں آن کر پلنگ پر لیٹی۔ اپنے سرہانے کے تکیوں کے نیچے سے پھر اوس اخبار کو نکالا لیمپ کی بتی ذرا تیز کی اور تیسرے صفحہ کی عبارت کو پھر پڑھکر فرخ مرزا کی تصویر پر ایک نظر ڈالی اس کے بعد فوراً ہی اخبار کو پلنگ کے برابر والی میز پر رکھکر لیٹ گئی اپنے دل میں دیر تک کچھ سوچتی رہی جب بیچینی اور بیقراری زیادہ بڑھی تو دل ہی دل میں یہ کہنے لگی۔ " اللہ تو میری مدد کر۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ میرے دل کو کیا ہو گیا ہے ع نہ ہنستے ہیں نہ روتے ہیں عجب حالت ہماری ہے۔ نیند کمبخت بھی نہیں آتی۔ ۔ ۵

کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے ہماری
یہ شب کیسی شب ہے الٰہی نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے۔ ٹھنڈی
سانس لیکر یہہ شعر پڑھا ؎ سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا * بس ہجوم
یاس جی گھبرا گیا۔ اس کے بعد یہہ ٹھمری کو نسیا دُھن میں گنگنانے لگی ع
اپنی تیہا ئیں کا سے کہوں رے تمرے کارن جو دکھ پایا۔ پہرک پیا کچھو
تمری کھٹا نہیں۔ مورا کیا مورے آگو آیا۔ دو چار بار اس ٹھمری کو گنگنا کر
یہہ کہنے لگی۔ واقعی عجیب دل آویز صورت ہے مرد کی ایسی صورت تو نہیں
ہوتی آنکھوں میں موتی کسی نے کوٹ کوٹ کر بھر دیے ہیں اس پر یہہ شیلا
پن صورت میں بھولا پن کس ستم کا ہے کسی کنواری لڑکی میں بھی یہہ بات
پیدا نہیں ہے یہہ سب اُس صانع حقیقی کی قدرت کا نمونہ ہے جس نے
ایسی صورتیں بنائیں وہ خود کیسا ہوگا ع آپ تو کیسا ہے اور ہے تیری
صورت کیسی؟ سبحان اللہ صانع پاک کی بھی کیا کیا صنعتیں ہیں لطف
تو یہہ ہے کہ قادر مطلق نے صرف صورت ہی نہیں دی ہے لیاقت بھی
قیامت کی دی ہے لنڈن سے ام ڈی کی ڈگری لی جو آج تک کسی مسلمانکو
یہہ عزت نہیں حاصل ہوئی تھی ایسا شخص اگر مجھہ ناچیز کا شوہر ہو تو میرے
لیے کس قدر فخر و ناز کا سامان پیدا ہو جائے خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مجھے
بھی خدا نے یہہ رتبہ دیا ہے کہ پندرھویں برس میٹرک کا امتحان پاس کیا
جو ہند کی کسی مسلمان خاندان کی لڑکی سے اس وقت تک نہیں ہوا
اگر میرا شوہر بھی اسی خصوصیت کا ہو تو پھر کیا کہنا ہے مجھہ میں تو چار چاند

لگ جائیں اور دنیا میں ہم دونوں مل کر کس قدر چکیں خدا کی کارسازی
و قدرت کاملہ سے کچھ دور نہیں ہے لیکن قسمت بھی تو یاری دے صرف
قسمت ہی کچھ نہیں کر سکتی جب تک تدبیر بھی مدد نہ دے۔ تدبیر میں کیا
کروں میرے امکان ہی میں کیا ہے مجھ سے کوئی تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔
وہ کہاں میں کہاں۔ وہ تو میری ہستی سے بے خبر ہیں اگر کوئی تدبیر کروں
تو میں ہی کروں۔ میں کونسی تدبیر کروں کہ برار مطلب دل ہو۔ اس میں
شک نہیں کہ عمدہ خانم کا خیال صحیح ہے کہ تحریک اودھر ہی سے ہو مگر
اودھر سے کوئی تحریک ہو کیونکر سکتی ہے جبکہ وہ مجھ بدنصیب جگر کباب
کے وجود تک کا بھی علم نہیں رکھتے مجھی کو پیشقدمی اس میں کرنی چاہیئے
مگر میں اگر کوئی خط لکھکر سلسلہ جنباں کروں تو میرے لیے کس قدر شرم
کی بات ہے اس سے ڈوب مرنا بہتر یا کچھ کھا کر سو رہنا اچھا۔ مجھے اللہ نے
پیدا ہی کیوں کیا۔ خدا نکرے کیا میں ننگ خاندان ہونے کو پیدا ہوئی تھی
اب جو کچھ ہو در میں دریائے بے پایاں درین طوفان شود افزا۔
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسیہا ایک خط تو لکھتی ہوں چاہے کچھ ہی
ہو" یہہ کہکر افتخار نے اپنے رائٹنگ ڈسک (لکھنے کی میز) میں سے
نوٹ پیپر (خط لکھنے کا کاغذ) نکالا اور جو جو جی میں آیا لکھ مارا۔ اس
خط کو ایک لفافہ میں رکھکر اپنے سرہانے رکھکر سو رہی صبح ہوتے ہی
محی الدین بی ماما کو بلا کر کہا۔ مجھے خیال آتا ہے کہ جس دن تم ایکدن
کی رخصت لیکر گھر گئی تھیں تم نے اماجان سے کہا تھا کہ تمہارا شوہر ٹیہ

(ڈاک) لیکر آیا تھا۔ کیا وہ انگریزی ڈاکخانہ میں نوکر ہے"؟

محی الدین بی (کچھ متحیر ہوکر اور گردن ہلاکر) "جی ہو یا دشاہ"

افتخار۔ (دل بہت خوش ہوکر) اب تم اُس سے کب ملوگی"۔

محی الدین بی۔ جس کا تحریر پڑھتا جاتا تھا۔ کیا ہے کی تقصیر۔ کل ہی میں تو گھر سے آئی ہوں اب کل کے آٹھویں دن پانی نھانے جاؤں گی تو ملونگی (کچھ دل میں سوچکر) ویسے تو روز ملاقات ہوتی ہے جب محلہ کا اور سرکار ڈاک لیکر آتے ہیں"۔

افتخار۔ "یہ تو تم نے ٹھیک کہا آج کا ڈاک تو ابھی کاہے کو آیا ہوگا۔؟

محی الدین بی۔ "بھلا اتنا سویرے"؟

افتخار۔ "لو یہ خط لو اپنے خاوند سے کہنا کہ ڈاکخانہ میں لیجا کر اسے ڈال دے دیکھو ایک بات اور کہتی ہوں اچھی طرح سمجھ لو۔ تمھارا خاوند کچھ پڑھا ہوا ہے"؟

محی الدین بی۔ (شیخی کے لہجہ میں) "ایسے ویسے بہت ہی بہت پڑھے ہیں دست و قلم صاف ہیں قصہ کی کتابیں پڑھکر دوستوں کو سناتے ہیں پن قسمت سے لاچار ہیں یہ بھی شکر کی جائے ہے کہ آٹھ روپے کی نوکری تو ملی نہیں تو گھر میں بیٹھے تھے"۔

افتخار۔ "تو ان کو سمجھا کے کہو کہ جب کوئی خط اس پتہ سے آئے محلہ کا بھی کوڑہ بمکان حیات شریف خانصاحب بخدمت عمدہ خانم تو وہ خط نکال کے خطوں میں نہ ملا دیں بلکہ علیحدہ تم کو دیں۔ پھر تم مجھکو چپکے سے لاکر دو

دو روپیہ لو اپنی بچی کو میری طرف سے مٹھائی کھلانا اور ان باتوں کا ذکر کسی سے نہ کرنا جو میں نے تم سے ابھی کہا ہیں تمھیں اچھی طرح خوش کر دوں گی۔"

محی الدین بی نے روپے لے کر بہت ہی جھک کر سلام کیا اور خط لیکر اپنی چولی کے اندر رکھکر یہ کہتی چلی گئی۔ "بادشاہ آپ اس کا خیال نکو لاؤ میں کیا دیوانی ہوں کہ بولنے بتانے پر کسی سے بولوں گی۔"

چوتھا باب

کلکتہ میں موسم سرما ہے ڈسمبر کا مہینا چلو ن کا جاڑا ہے صبح کے سات بجے ہیں زیادہ حصہ آسمان کا نیلگون ہے۔ کالے بادل کے ٹکڑے جا بجا دکھائی دیتے ہیں مغرب کی طرف سے کالی گھٹا امنڈی ہوئی آرہی ہے بجلی ہے کہ رہ رہ کر کوند جاتی ہے جس سے مینھ برسنے کا احتمال ہوتا ہے ہوا سرد و تند چل رہی ہے قلعہ کے میدان میں اُن سرکاری عہدہ داروں امیروں اور معزز پیشہ وروں کا جو صبح خیزی و ہوا خوری وشی جسمانی باعث افزایش صحت سمجھتے ہیں ایک مجمع ہے کوئی گھوڑے پر سوار جا رہا ہے کوئی گاڑی پر کوئی پیادہ یا ٹہلتا جا رہا ہے کوئی بائیسکل پر جا رہا ہے کسی کی گاڑی آہستہ آہستہ جا رہی ہے۔ بائیسکل کے سواروں میں ایک جوان رعنا کوئی چوبیس پچیس برس کا تناسب اعضا و نقشہ ورنگ

کے لحاظ سے نہایت حسین جس کے چہرہ سے آثار فراست و متانت نمایاں
میانہ قامت سر پر بل اوڈس ہلمٹ لگائے گورے بھورے رنگ کے اسکوچ
ٹوئیڈ کا نورفک جیکٹ اور اسی کپڑے کا نکر بوکر لندن کے مشہور خیاطوں کی
کی دکان کا سلا ہوا اور پاؤنس سازوپ کے کارخانے کی روسی چمڑے کا بادامی رنگ کا بوٹ جو کپڑوں کے رنگ
سے میل کھاتا ہوا ہے پہنے آسمانی رنگ کے سلک کی خوشنما وضعدار
ٹائی برلنگٹن ارکیڈ کی لگائے جیب میں ریشمی رومال ٹائی کے رنگ سے
ملتا جلتا جس کا ایک ذرا سا کونہ باہر نکلا ہوا تھا نہ بہت تیزی سے نہ دھیمی
رفتار سے انگلستان کے مشہور کارخانہ پریمیر سائیکل کمپنی کی بنی ہوئی پریمیر
بائیسکل چلاتا جا رہا ہے جاتے جاتے ڈلٹن رو کی طرف موڑا جونہی اس
سٹرک کی موڑ پہ پہنچا کہ سامنے سے ایک ریلی کارٹ آیا جس پر ادھیڑ
عمر کا ایک انگریز سوار تھا جو اس نوجوان سے اس طرح مخاطب ہوا
"گڈ مورننگ فرخ! کیا صبح کی ہواخوری سے فارغ ہو کر مکان واپس
جا رہے ہو؟ آج کیا پیاری سردی ہے"!

فرخ۔ "گڈ مورننگ ڈوکٹر! ہاں میں مکان واپس جا رہا ہوں
ابر تو خوب گھرا ہے پانی برسا ہی چاہتا ہے آپ جہاں جاتے ہوں
جلد پہونچنے کا قصد کیجئے۔ آپ کی گاڑی بے ٹوپ کی ہے"۔ ریلی کارٹ
قلعہ کے میدان کی طرف چلا گیا اور فرخ نے اپنی بائیسکل کی رفتار تیز
کی کیونکہ تقاطر بھی اب شروع ہو گیا اور گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔

ناظرین فرخ کے نام سے غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ وہی فرخ ہے جسکا

پورا نام فرخ مرزا ہے جس کی تصویر دیکھکر ہماری ہیروین افتخار النسا فریفتہ
ہوگئی ہے اس کے تھوڑے سے اور ضروری حالات بھی اس مقام پر
درج کیے جاتے ہیں۔ فرخ کے والد نواب فریدوں مرزا بہادر متخلص بہ
گویا لکھنو کے رہنے والے خاندان نیشاپور کے ایک رکن رکین ہیں۔
غدر کے زمانہ میں جیسا کچھہ لکھنو لٹا اور پرانے خاندانوں پر تباہیاں
آئیں اون سے ایک زمانہ واقف ہے فریدون مرزا کا خاندان بھی
ان تباہیوں سے مستثنی نہیں رہا خاندانی دولت وثروت کے
تلف ہو جانے کے بعد بھی فریدون مرزا کی مالی حالت کچھہ ایسی خراب
نہ تھی جس کا سبب یہ ہے کہ فریدوں مرزا کے والد نواب جمشید مرزا نے
غدر کے زمانہ میں کئی انگریزی افسروں کو پناہ دیکر اون کی جانیں باغیوں
کے پنجوں سے بچائی تھیں۔ اس لیے سرکار انگریزی کی فیاضانہ پولسی نے
جمشید مرزا کو سو روپیہ ماہانہ کا وثیقہ دار بنا دیا تھا جمشید مرزا کی وفات
کے بعد سو روپیہ ماہانہ کا وثیقہ اُن کے بیٹے فریدون مرزا پر منتقل ہوا۔
علاوہ اس وثیقہ کی آمدنی کے فریدوں مرزا ابتدائے عمر سے ذہین
و ہوشیار و ہونہار و باہمت شخص تھے حکام وقت کی عنایات سے
تحصیلداری کی نوکری کر کے بتدریج ترقی پاتے پاتے اب درجہ اول کی
ڈپوٹی کلکٹری اور پانسو روپیہ ماہانہ پاتے ہیں۔ فریدوں مرزا نے بسبب
ایک روشن خیال شخص ہونے کے اپنے اکلوتے بیٹے فرخ کو تعلیم و تربیت
بھی اعلےٰ درجہ کی دی فرخ بچپنے ہی سے نہایت ذہین اور ذکی ہے

سچ ہے کہ۔ سالے کہ نکو ست از بہارش پیدا۔ اس کی عمر کوئی دس ہی برس کی تھی اُردو میں بخوبی نوشت وخواند کرنے لگا تھا بچہ کو ہونہار دیکھکر فریدوں میرزا نے اوس کو لیجا کر کلکتہ کے ڈوٹن کالج کے بورڈنگ میں داخل کردیا تھا تاکہ شبانہ روز انگریزوں کے بچوں کے ساتھ رہکر انگریزی زبان جلد آئے اور لکھنو کی بُری صحبتوں سے چھٹکارا پائے چنانچہ فریدوں میرزا کا خیال پورا ہوا فرخ نے پندرھویں سال میٹرک کا امتحان فرسٹ گریڈ میں پاس کیا اس کے بعد پریسڈنسی کولج میں داخل ہوا انیسویں سال بی اے کی ڈگری اونرس کے ساتھ لی۔ ریلی کارٹ میں جوادھیڑ عمر کا انگریز ابھی فرخ کو ملا تھا یہ ڈوکٹر ایلگزنڈر رسل پی۔ ایچ ڈی پرنسپل پریسیڈنسی کولج کا تھا جو فرخ کو بوجہ اس کے ذہین وذکی ہونے کے ایام طالب العلمی میں بہت عزیز رکھتا تھا جس سال فرخ نے بی۔اے کی ڈگری لی اسی سال اس کی ماں نے اس جہان فانی سے انتقال کیا تھا بیسویں برس فرخ انگلستان بھیجا گیا تھا جبکہ چھبیسواں سال لگا تو فرخ لندن یونیورسٹی کی ام ڈی۔ اور بی۔ ایس۔ سی کی ڈگریاں لیکر وطن واپس آیا۔ بقول شخصے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ فرخ کے خیالات پھٹلنے ہی سے نہایت بلند وعالی تھے اُس نے آئی۔ ام۔ ایس (انڈین میڈیکل سروس) کا امتحان نقابل اس لیے پاس نہیں کیا کہ سرکاری نوکری کرنی پڑے گی۔ فرخ ملازمت کے نام سے اس قدر چڑتا ہے کہ جہاں نوکری کا نام آیا کہ آگ بھبوکا ہو جاتا ہے جو لوگ کہ ملازمت کے خواستگار ہیں

انھیں نہایت پست ہمت اور ناکارہ محض سمجھتا ہے آزادی کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے جب وہ یورپ سے واپس آیا تو اُس کو پریکٹس کا خیال ہوا مگر سوال یہہ پیدا ہوا کہ کون سے مقام میں طبابت شروع کرے فریدون مرزا نے جسے ایک عرصہ تک اپنے چہیتے اور قابل فخر فرزند سے جدا رہنا پڑا تھا اور جواب مفارقت کے نام سے ڈرنے لگا تھا بیٹے کو یہہ مشورہ دیا کہ اپنے وطن لکھنؤ ہی میں مطب کھولے مگر فرخ کا خیال اس کے خلاف تھا اُسکو بعوض لکھنؤ کے کلکتہ زیادہ پسند آیا جس کی وجوہ اوس نے یہ بیان کئے کہ لکھنؤ کی دیسی سوسائٹی بوجہہ اختلاف خیالات ومذاق ایک یورپ کے تعلیم یافتہ شخص کے لیے دلچسپ نہیں ہو سکتی۔ یوریپنوں کا دیسیوں سے برتاؤ عموماً نہایت دل شکن ہے گو اس میں دیسیون کا بھی کچھہ قصور ہے کیونکہ عموماً وہ بھی تہذیب زمانہ کے موافق عمل نہیں کرتے تاہم فرخ سے جو ہمہ تن ہمدرد قوم ہے اپنے بھائیوں کی توہین وتذلیل دیکھی نہیں جا سکتی لکھنؤ کی عام جہالت اس کی مقتضی نہیں ہے کہ یوروپین ڈاکٹروں کے مقابلہ میں دیسی لوگ اپنے ہمقوم ڈاکٹر کی جا ہے وہ کیسا ہی لایق کیوں نہ ہو قدر ومنزلت کریں لکھنؤ میں قومی تمول بھی ایسا نہیں ہے کہ بہت سے اعلیٰ درجہ کے ڈاکٹروں کی کھپت ہو برخلاف اس کے کلکتہ میں قومی تمول باعتبار لکھنؤ کے بہت بڑھا ہوا ہے۔ چونکہ دیسی لوگ کثرت سے تعلیم یافتہ ہو گئے ہیں اور بہت سے با اثر اخبارات دیسیوں کے ہاتھہ میں ہیں اس لیے اینگلو انڈینوں کا

برتاؤ دلیسیوں کے ساتھ کسی قدر بہتر ہے دلیسی سوسائٹی میں مغربی تہذیب کے اجزا کا کافی مقدار میں پیدا ہو جانے سے یورپ کے تعلیم یافتہ اشخاص کی دلچسپی بھی ایک حد تک ہوتی ہے گورنمنٹ کی اعلیٰ ترین احکام کا قرب رہتا ہے قطع نظر ان تمام وجوہ کے فرخ کلکتہ میں ایک بڑا حصہ اپنی ابتدائی عمر کا گزار بھی چکا ہے وہاں کی خو بو کا عادی ہو گیا ہے اس لیے اوس نے کلکتہ کو لکھنؤ پر ترجیح دی۔ فرخ کی ماں اگر زندہ ہوتی وہ کبھی اس کی روادار نہ ہوتی کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو جو ایک عرصہ تک علیحدہ رہا پھر جدا رکھے وہ ضرور اڑ جاتی اور کبھی فرخ کو کلکتہ جانے نہ دیتی۔ گو باپ بھی بے انتہا بیٹے کو چاہتا ہے اور ایک عرصہ تک وہ بھی ہجر کشیدہ رہا۔ مگر طبیعت معقول پسند ہونے کی وجہ سے اوس نے فرخ کی رائے منظور کر لی۔ وطن واپس آنے کے دس ہی گیارہ روز کے بعد فرخ کلکتہ چلا گیا۔ چلتے وقت باپ نے پانچہزار کے نوٹ بیٹے کو اس غرض سے دیے کہ متوسط درجہ کا گاڑی گھوڑا اور مکان کا فرنیچر اور ضروری آلات وغیرہ طب کے لیے خرید کرے اور اس کا بھی وعدہ کیا کہ پانچ سو روپیہ ماہانہ اوس وقت تک بیٹے کو برابر دی جائے گا جب تک کہ اوس کا کام چل نکلے زمانہ طالب العلمی کے بہت سے دوست فرخ کے کلکتہ میں تھے جن کے مشورہ سے فرخ نے ہیرنگٹن[1] روڈ میں ۱۱ ۷ کی کوٹھی ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ کرایہ پر لی اور شفاخانہ کے لیے

---

[1] سڑک کا نام۔

کولھوٹولہ میں ہنیکک اسٹریٹ[۱] کا ۲۲ نمبر کا مکان پچاس روپیہ کرایہ پر
لیا تیں سو روپیہ ماہانہ میں اوس نے جیب خرچ گاڑی گھوڑے آدمیوں
کی تنخواہ کا انتظام کیا فرخ کے دل میں منجانب اللہ حزن و سوز بہت ہے
ہمدردی انسانی و قومی اس کی جبلیت میں داخل ہے مروت و خلق کا
پتلا ہے عالی حوصلہ مخیر اور غیور پرلے درجہ کا ہے باریک بین بلا کا ہے
دوست پرستی اور مہمان نوازی اس کا شیوہ ہے بقول شخصے بے عیب
ذات خدا کی۔ جہاں بہت سی خوبیاں فرخ میں ہیں وہاں کچھ بھی
کمزوریاں بھی ہیں۔ اس کے مزاج میں ذرا تلون ہے۔ گو عمر پچیس سال
سے تجاوز کر گئی ہے مگر البیلا پن باقی ہے سب پر بالا عشق بازی کا لپکا
ہے بقول کسی شاعر کے۔ کچھ داغ جوانی میں نہیں عشق کا چسکا ۔ بچپن
میں بھی ہم کھیل جو کھیلے تو صنم کا۔ یہہ کوئی پندرہ سولہ برس کا تھا گرمیوں
کی تعطیلوں میں حسب معمول ایک دفعہ وطن آیا اتفاقیہ ہمسایہ کی ایک
حسین و مہ جبین لڑکی خورشید بیگم پر جس کی ماں سے اور فرخ کی والدہ سے
بڑا دوستانہ تھا اور جو اپنی ماں کے ساتھ فرخ کے ہاں اکثر آیا جایا کرتی تھی
فرخ کی نظر پڑی دیکھتے ہی بے ساختہ عاشق ہو گیا وہ بھی اس کو چاہنے لگی
فریقین میں کوئی ناجائز تعلق نہیں ہوا مگر ایک دوسرے کا عاشق زار تھا
تعطیلوں کے ختم ہونے کے بعد فرخ کلکتہ واپس چلا گیا مگر اس لڑکی کی لگن
لیتا تھا اور داغ بر دل گیا۔ فرخ نے قطعی ارادہ اوس لڑکی سے شادی

۱؎ سڑک کا نام۔

کرنے کا کر لیا تھا۔ مگر اصل یہہ ہے کہ ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال
کارے کہ خدا کرد فلک را چہ مجال۔ چند ہی دنوں کے بعد بعارضہ سفیہ
یہہ نا شدنی لڑکی انتقال کر گئی اور فرخ کو ہمیشہ کے لیئے ایک ناسور اور
اپنی جدائی کا داغ دی گئی۔ زمانہ اقامت انگلستان میں بھی اس نے
ایک معزز خاندان کی ایک حسین لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کی غرض سے
سلسلہ کورٹ شپ شروع کیا تھا زیادہ عرصہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ
فرخ نے اس مسئلہ پر غور کرنا شروع کیا کہ ایک ہندوستانی کا ایک انگریزن
سے شادی کرنا بہمہ وجوہ کیسا ہی آخر یہہ فیصلہ کیا کہ نہایت مضر ہے اس لیے
رفتہ رفتہ بڑھے ہوئے روابط کم کر دیئے۔ فرخ اپنے والد کے اثرات کی
وجہہ سے جلیل القدر انگریز حکام کے متعدد خطوط تعارف کرانے کے اپنے
ہمراہ لندن لیتا گیا تھا اس لیے وہاں کے بڑے بڑے امرا کی سوسائیٹیوں
میں اس کی رسائی ہوئی جس جلسہ و صحبت میں فرخ جاتا تھا اوس کے
حسن خداداد اور بے نظیر دماغی قابلیتوں کی اور اوس کے علم مجلس و
آداب مجالس کی ہر شخص مدح و ثنا کرتا تھا۔ اس کے خمیر میں صانع حقیقی نے
مادہ طلاقت لسانی بھی کافی مقدار میں ودیعت کیا ہے اور حافظہ تو متشل
مقفلوں کے دیا ہے تھوڑی سی مشق نے اسے اچھا خاصہ اسپیکر (مقرر)
بنا دیا ہے اسے پولٹکس (اصول سیاست و تمدن) سے طبعی مناسبت اور
بڑی دلچسپی ہے اس لیے لندن کی اکثر ایسی انجمنوں کا ممبر ہو گیا تھا جس
میں مسایل مفید ہند کے متعلق مباحثے و مناظرے ہوا کرتے تھے۔ جب کسی

مسئلہ پر تقریر کرتا ہے تو اس کے معقول خیالات اور انداز بیان کی ہر شخص
تعریف کرتا ہے جہان اس کی آنکھوں میں موہنی ہے اس کی زبان میں
بھی جادو بھرا ہے جو کوئی اُسے ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے یا اُس سے ہمکلام
ہوتا ہے اوس کی دوستی کا دم بھرنے لگتا ہے قدرتاً اس کی زبان میں
بڑی تیزی ہے اور عمدہ تربیت نے اُسے اور بھی زیادہ کر دیا ہے ہر کہہ
ومہ و ادنی و اعلی سے نہایت نرمی و شائستگی سے گفتگو کرتا ہے اس لیے
ادنی طبقہ کے لوگ بھی اُس کے بہت گرویدہ رہتے ہیں اور ہزاروں دعائے
صحت وسلامتی کے لیے دیتے ہیں کسی کی دل شکنی کرنا تو جانتا ہی نہیں ہے
وہ اس مسلک کا آدمی ہے جس کا اصول یہ ہے سے می خور و مصحف بسوز و
آتش اندر کعبہ زن ٭ ساکن بتخانہ باش و مردم آزاری مکن۔ اس لیے
دنیا میں اُس نے دشمن کم اور دوست زیادہ بنا رکھے ہیں مادہ شاعری تو
ورثہ میں لایا تھا جبکہ خورشیدی سے دل لگایا تو شوق شاعری بھی گرمایا
اپنا تخلص مہجور رکھا خورشیدی کے مرنے کے بعد ایک مثنوی طلسم حیات
کوئی چار سو اشعار آبدار کی لکھی تھی جس میں بے ثباتی عالم کا نہایت عمدہ
فوٹو اُتارا تھا یہ ابتدائی تصنیف بلحاظ مضمون آفرینی وچستی بندش
وخیال زبان دانی طرز قدیم کی شاعری کا عمدہ نمونہ ہے علاوہ اس کے
مختلف بحروں میں متعدد غزلیں بالکل نئی زمین اور اچھوتے مضامین
کی کہی ہیں ماورا ریختہ کے ہرج کی بہا کہا میں بھی دوہرے چھند ٹھمریاں
کجریاں بسنت ساون بہت سے کہے ہیں۔ ایک زمانہ میں موسیقی کا شوق تھا

پیدا ہو گیا تھا۔ جو اس وقت تک بدرجہ اتم قایم ہے فرخ ڈلہٹن روڈ سے بائیسکل کی رفتار تیز کرتا ہوا ہیرنگٹن روڈ کی کوٹھی نمبر ۱۱ میں آن کی آن میں پہونچگیا اسکا گھر پہونچنا تھا کہ پانی بھی زوروں سے برسنے لگا گھر پہونچکر بائیسکل تو برساتی میں چھوڑ دی خود بالاخانہ پر ایکا ہوا چلا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے حسب معمول اس کا بیرا بھی دوڑتا ہوا آگیا۔ فرخ کو ہواخوری کے کپڑے بدلنے تھے اس لیے سیدھا ڈرسنگ روم میں گیا اس کے ساتھ ہی اس کا بیرا بھی کپڑوں کے اتارنے اور دوسرے کپڑوں کے پہننے میں مدد دینے کے لیے اندر گیا فرخ کپڑے اتارتا اور پوچھتا جاتا ہے۔

فرخ۔ "بیرا آج کی ڈاک آئی"

بیرا۔ "ہاں صاحب ابھی پوسٹ مین چپراسی کو دیکر گیا"

فرخ۔ "میرے جانے کے بعد احمد صاحب آئے تھے"

بیرا۔ "نہیں صاحب احمد صاحب نہیں آیا پارک لین کے چار نمبر کا کوٹھی کا صاحب آیا تھا۔ آپ کو پوچھکر چلا گیا"

فرخ۔ "بوس صاحب کو تم نے کیوں نہیں بٹھایا"

بیرا۔ "ہم بولا تھا ہمارا صاحب ابھی آتا ہے آپ ٹھہرو بوس صاحب بولا سانجھ کو پھر آئے گا" احمد کا پورا نام غازی الدین احمد ہے۔ یہہ موضع نگرنہسہ ضلع عظیم آباد صوبہ بہار کے ایک دولتمند زمیندار کا فرزند ہے۔ بوس کا پورا نام بپین بہاری بوس ہے یہہ کلکتہ کے ہائیکورٹ کے

ع‌لے ایک قسم کا ملازم حیدر آباد میں ڈرسنگ بوائے کہتے ہیں۔

مشہور وکیل شام بہاری بوس کا بیٹا ہے یہہ دونوں فرخ کے بڑے
گہرے دوست ہیں آپس میں ان تینوں کے خوب گاڑھی چھنتی ہے
احمد اور بوس پریسیڈنسی کولج میں فرخ کے ہم سبق تھے۔ احمد بیرسٹری
کی ڈگری لیے انگلستان چلا گیا تھا۔ بوس ام۔ اے کی ڈگری لے کر
انگلستان گیا تھا۔ یہہ دونوں الٹرا بار کی ڈگریاں لیکر کچھہ دنوں آگے
پیچھے ہندوستان واپس آئے۔ کلکتہ ہائیکورٹ میں بحیثیت بیرسٹر ایٹ لا
کے پریکٹس کرتے ہیں ان دونوں کی محبت بھی فرخ کے کلکتہ آنے کی
اور یہاں سکونت اختیار کرنے کی ایک حد تک باعث ہوئی انگلستان میں
بھی ان تینوں میں اکثر یکجائی رہتی تھی جب سے فرخ کلکتہ آیا ہے
دونوں اپنے پرانے دوست کے گلے کے ہار بن گئے ہیں ادھر وقت
صبح و شام کی ہوا خوری کو تینوں مل کر ساتھ جاتے ہیں شب کا کھانا بھی
بسا اوقات تینوں ساتھہ کھاتے ہیں کبھی فرخ کے مکان میں کبھی بوس
کے ہاں کبھی احمد کے گھر کسی ہوٹل یہ رستراں میں۔ کلکتہ میں تینوں کے
رہنے کی کوٹھیاں بھی قریب قریب ہیں غرض آپس میں بے انتہا خلوص ہے
اور ایک دوسرے کا رازدار دوست ہے بوس کو انگلستان سے واپس
آئے اور ہائیکورٹ میں داخل ہوئے ابھی پورا ایک سال نہیں ہوا
مگر آدمی ایسا قابل و جفاکش ہے ہائیکورٹ کے اُرجنل سائیڈ (جلسہ
ابتدائی) کے کئی مقدمہ اس کو ملے اور سب میں کامیاب ہوا۔ صیغہ مرافعہ
کے چند مقدموں میں اوس نے بڑی زوردار اور عالمانہ بحثیں کر کے اپنے

ہم پیشہ لوگوں میں اپنی قابلیت کا سکہ ابھی سے جما یا ہے۔ برخلاف
اس کے باوجودیکہ احمد کو انگلستان سے واپس آئے اور پریکٹس شروع
کئے ڈیڑھ برس کا عرصہ ہونے کو آیا ہنوز صیغہ ابتدائی کا ایک مقدمہ بھی
نہیں ملا اپیل خاص کے صرف دو مقدمے صیغہ مرافعہ میں ملے تھے
دونوں میں ناکامیاب ہوا یہ شخص بھی صاحب مادہ اور ذہین ہے مگر
بیحد آرام طلب و عیش پسند ہے۔ زیادہ وقت دل لگی اور مذاق میں
گنواتا ہے اس کا باپ چار سو روپیہ ماہانہ بھیجتا ہے اس پر بھی مقروض
رہتا ہے اس کا خیال ملازمت کی طرف راغب ہے اکثر بلو بکیبرس لفٹننٹ
گورنر سے جا کر ملا کرتا ہے تاکہ کم از کم ڈپٹی کلکٹری کی خدمت مل جائے
فرخ احمد کا اس معاملہ میں ہم خیال نہیں ہے کیونکہ فرخ کو ملازمت کے نام
سے چڑ ہے۔ فرخ دوسرے کپڑے بدل کر نیچے آفس روم میں آیا کمرہ میں
داخل ہوتے ہی میز پر سے ان خطوں اور اخباروں کو اوٹھا کر دیکھنے لگا
جو صبح کی ڈاک میں آئے تھے۔ یکے بعد دیگرے ہر ہر خط کے لفافہ اور اخبار کے
ٹکٹوں پر ایک سرسری نظر دوڑائی ان خطوں میں ایک اردو بیرنگ خط پر
اس کی نظر پڑی جس کو بغور دیکھنے لگا۔ اس کی کچھ عجیب ہیئت اور
انوکھی ترکیب ہے۔ لفافہ کا رنگ جیسا کہ پتہ سے لیٹر بکس میں ڈالنے کو
دیا ہوگا تو یقیناً سفید ہوگا مگر نہ معلوم کس بے احتیاطی سے کہاں کہاں
رہا اور کن کن ہاتھوں میں مارا پھرا اور اس کی اصلی رنگت نہیں
رہی سنہ میلا کچیلا ہو کر کچھ عجیب رنگت اس کی ہو گئی ہے مختلف ڈاکخانوں کی

متعدد مہریں اُس پر ہیں۔ مکتوب الیہ کا پتہ بھی عجیب قرینہ سے بایں عبارت لکھا ہے۔ یہہ خط شہر لکھنؤ میں پہنچکر ڈاکٹر فرخ مرزا صاحب کو جو ابھی لندن سے ڈاکٹری کی سند حاصل کرکے آئے ہیں شہر کے جس گلی کوچہ میں مقیم ہوں پہنچے۔ لفافہ کے ایک گوشہ پر یہہ عبارت لکھی ہے۔ اے ڈاکئے میاں تمہیں اللہ کی قسم مکتوب الیہ کے ہاتھ یہہ خط میرا دینا۔ پیشانی لفافہ پر یہہ شعر لکھا ہے۔ لیے جاتا ہے نامہ مسکیں ٭ بال ٹہکیا نہ ہو کبوتر کا۔ دوسری طرف جو مقام کہولنے کا ہے یہہ شعر لکھا ہے۔ کیا اشتیاق دید پری وش سے ہے دیکھنا ٭ آنکھ اپنی ہے لفافۂ خط پر لگی ہوئی۔ لفافہ کی یہہ شان نزول دیکھکر فرخ کچھہ ہنسا کچھہ متحیر ہوا۔ لفافہ چاک کرکے خط پڑھنا شروع کیا۔ شروع کی دو سطریں بھی پوری نہیں پڑھی تھیں کہ خط کا اخیر کا حصہ کاتب کا نام دیکھنے کی غرض سے پڑھا مگر اوس کی کچھہ تشفی نہیں ہوئی پھر شروع سے پڑہنے

خط

جان نہ پہچان خالہ بڑی سلام

جناب ڈاکٹر صاحب۔

مزاج مبارک۔ میں خیال کرتی ہوں کہ آپ میری اس بیتکلفی کے ساتھ خط لکھنے سے بیحد متعجب ہوں گے۔ بیشک آپ کا تحیر کوئی بیجا بات نہیں ہے کیونکہ یہہ ایک نا آشنا اور بالکل اجنبی آواز ہے جو اس وقت آپ کے کانوں میں آرہی ہے مگر نہیں نہیں اے میرے نا آشنا ڈاکٹر آپ پریشان نہ ہوں اور اسکو کوئی دقیق مسئلہ یا مشکل پہیلی نہ سمجھیئے بلکہ یہہ ایک ایسی لطیف خبر اور راز دار

آواز ہے جو ابھی ابھی اپنا کسیقدر مقصد آپ کے سامنے پیش کر کے آپکا دوست کا استعجاب دور کئے دیتی ہے ذرا ادھر متوجہ ہو جیئے اور غور سے سنئے (کان رکھکر میرا افسانۂ فرقت سن لو) ڈسمبر کی انیس تاریخ ہے تقریبا رات کے گیارہ بجے ہوں گے ایک کمرہ میں ایک خوبصورت نیز زمانہ کے مذاق اور تہذیب کے موافق چند اخبار جو روزمرہ ہمارے ہاں آیا کرتے ہیں ایک خوش قطعہ لیمپ کے پاس رکھے ہیں میں اپنے سنسان کمرہ میں اپنی مسہری میں لیٹی ہوئی ان اخباروں میں سے ایک اردو اخبار کو جس کا نام دبدبۂ سکندری ہے لیکر بڑے شوق سے پڑھ رہی تھی۔ اس اخبار کے صفحہ ۳ میں آپ کی تصویر اور آپ کے مختصر حالات ہیں جن کے دیکھنے سے میرے بیچین دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی نہ کسی طرح ان ڈاکٹر صاحب کے احوال واقعی سے بالکلیہ آگاہی ہونی چاہیے اس خیال کو میں نے کئی روز ضبط کیا اور اسی ادھیڑبن میں رہی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف سے مستفسر حالات ہوں یا نہ ہوں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ ڈاکٹر صاحب کو بجائے محمود میری طرف سے کسی قسم کا سوئے ظن ہو اور محض اجنبی سمجھکر میری بات کو معرض التوا میں ڈالدیں (میں نہیں غیر کی تمھاری ہوں) یہ خیالات میرے دماغ میں شک پیدا کر رہی رہے تھے کہ دفعتاً میرے پاک دل نے یہی گواہی دی کہ خبردار ہرگز ہرگز ایسا خیال نہ کرنا چاہیے کیونکہ تو محض ایک مبارک خیال دل میں متعلق مستفسر حالات ہوتی ہے لہذا ڈاکٹر صاحب کو بھی اپنے احوال واقعی سے

اظہار میں ہرگز کسی قسم کا شک واقع نہ ہوگا۔ اس دلی جوش نے میرے مصفا سینہ میں یہاں تک تلاطم برپا کیا کہ آخر مجبور ہو کر لیٹے لیٹے اُٹھ بیٹھی اور قلم اٹھایا جو جو خیالات میرے اضطراب بھرے دل میں کئی روز سے بحید جوش زن تھے لکھکر مستفسر حالات ہوتی ہوں۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ بھی میرے سوالات مندرجہ ذیل کے جوابات میں تسلسل کا خیال ضرور رکھیں گے۔

(۱) آپ کا سن مبارک (تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار) کیا ہے؟

(۲) آپ کے والدین (خدا زندہ اور سلامت رکھے!) موجود ہیں؟

(۳) والد بزرگوار اور والدہ ماجدہ کے اسمائے مبارک سے آگاہ کیجئے۔

(۴) والد بزرگوار کی وجہ معاش کیا ہے اور کس قدر ہے اور کس خاندان سے ہیں۔

(۵) اپنے مذہب سے مطلع فرمائیے۔

(۶) آپ کی شادی خانہ آبادی ہوئی ہے؟

(۷) اگر بیاہ ابھی نہیں ہوا تو کہیں نسبت ٹھہری ہے۔

(۸) اگر ہنوز نسبت بھی نہیں ٹھہری ہو تو شادی کرنے کا خیال آپ کا اور آپ کے والدین کا کیسے خاندان میں ہے؟

(۹) آیا لڑکی کی خاندانی شرافت و عظمت و حُسن سیرت کا خیال زیادہ تر کیا جائیگا یا ظاہری امارت کا؟

جناب۔ ڈاکٹر صاحب میں نہایت خلوص کے ساتھ امید کرتی ہوں کہ میرے مذکورہ بالا سوالات کے جوابات اور نیز اپنے خاندان کے دیگر مناسب حالات بہت جلد لکھکر مجھکو بیحد ممنون کیجئے گا۔

ڈاکٹر صاحب جواب خط سے مشرف کیجئے اور ضرور کیجئے۔ جواب اس پتہ پر بھیجئے۔ حیدرآباد دکن۔ محلہ کاچھی گوڑہ۔ بمکان حیات شریف خانصاحب تحصیلدار عمدہ خانم۔

راقمہ
ایک منتظر حالات و منتظر جواب

فرخ نے ایکدفعہ خط تمام کرنے کے بعد دوبارہ پھر پڑھا اور خط میز پر رکھکر ٹہلنے لگا اتنے میں گاڑی تیار ہوکر آئی۔ اس گمنام خط کو تو میز کے خانہ میں بند کردیا بقیہ خطوط اور اخبارات ہاتھ میں لیتا ہوا گاڑی پر سوار ہوکر اوسی موسلا دھار مینھہ میں ڈسپنسری چلا گیا۔

پانچواں باب

اس وقت کا سماں بھی کیا سہانا سما ہے شام کے پانچ بج چکے ہیں چونکہ جاڑوں کے دن چھوٹے ہوتے ہیں اس لیے آفتاب عالمتاب نے ابھی سے دامن مغرب میں اپنا رخ منور چھپانا شروع کردیا ہے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اوڑتے ہوئے اپنے اپنے آشیانوں کی طرف جارہے ہیں صبح کو جو کئی گھنٹے خوب زور و شور سے پانی برس گیا ہے تو گرد و غبار کہیں نام کو نہیں ہے

مطلع صاف ہے مغرب کی طرف ڈوبتی ہوئی ہلکی ہلکی شفق کا نظارہ غضب ڈھا رہا ہے۔ ہیر نگٹن روڈ کے گیارہ نمبر کی کوٹھی جس طرح اندر تکلف اور خوش سلیقگی سے سجائی گئی ہے اسی طرح اس کا باہر کا چمن بھی قابل دید ہے لہلہاتے ہوئے سبزوں اور رنگارنگ کے پھولوں پر عجیب بہار ہے۔ ایک ایک جنس کے متعدد اقسام کے پھول پتے ہیں طرح طرح کے بگونیا قسم قسم کے جرانیم اور آیوی جرانیم گوناگون رنگ کے پنک ڈبل پنک ہولی ہوک وربینیا رنگ برنگ کے کنا پٹونیا شگونیا زینیا بے شمار نادر الوجود انواع کے خوبصورت خوبصورت کروٹن کلیڈیم کولیس خوش قطع کیاریوں میں مناسب موقعوں پر نصب ہیں اور گملوں میں کیاریوں کے نقشوں میں عقل اقلیدس کامل طور سے کام میں لائی گئی ہے کیاریوں کے بورڈر دل (کناروں) میں بھی بڑی صنعت صرف کی گئی ہے اس کوٹھی کے احاطہ میں چمن کے قریب ایک ہمر ہوس بھی ہے جس پر طرح طرح کی بیلیں چڑھی ہیں اور جس میں ایک چھوٹی فرنری ہے جس میں قسم قسم کے روک فرنس میڈن ہیر فرنس پام وغیرہ بھرے ہوئے ہیں اور یہ سب کمیاب و نادر اقسام کے ہیں۔ خوشبودار پھولوں میں قسم قسم کی للی گلاب داودی اسٹفولو وائلٹ گارڈینیا لائیلاک وغیرہ سے بھی چمن لدا ہوا ہے ان پھولوں کی ہلکی ہلکی بھینی بھینی خوشبو نے ساری کوٹھی کو بسا رکھا ہے پیچھے بھی ایک چھوٹا سا خانہ باغ ہے جس میں چیدہ چیدہ اور منتخب میوؤں کے اور پھولوں کے قد آور درخت ہیں جیسے چیلا چلم کا منی اور ہار سنگار کے پھولوں کی

۱؎ سگونیا وغیرہ انگریزی اقسام کے پھولوں کے نام

لیسٹ نے بھی وہاں کی ہوا کو معطر کر رکھا ہے چمن کے بیچ میں اشکال ہنداوی سنگ مرمر کا ایک خوبصورت سا حوض ہے سرخ سبز مچھلیاں تیر رہی ہیں اور جس میں ایک خوش وضع فوارہ نصب ہے اور وہ اس وقت زور و شور سے چھوٹ رہا ہے۔ اس چمن کا کچھ عجیب دلاویز نکھار اور جوبن ہے کہ ایک گلدستہ یا چوتھی کی دلہن معلوم ہوتا ہے۔ کوٹھی کے اندرونی حصہ کی قابل تعریف سجاوٹ کا باعث فرخ ہے مگر چمن کی آراستگی ایک انگریز سوداگر کی شوقین بیوی کی محنت و شوق کا نتیجہ ہے جو کرایہ اس مکان میں عرصہ دراز تک رہی تھی انگلستان جانے کے وقت اُس کا ارادہ ان بیش بہا پھولوں کے گملوں کو نیلام کرانے کا ہوا تھا مگر مالک مکان یا بو کنہیا چند رسیل نے زینت مکان کے خیال سے یہ گملے بہ قیمت مناسب خرید لیے تھے چونکہ فرخ بھی پھول پتیوں کا عاشق ہے اس چمن کی درستی و ترقی کا ہمیشہ خیال رکھتا ہے اس کا معمول یہ ہو گیا ہے کہ مالیوں کو لیکر گھنٹہ آدھ گھنٹہ صبح یا شام کا اس چمن میں صرف کرتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے بہی کاٹنے چھانٹنے کا کام کرتا ہے بہ حیثیت ڈاکٹر کے وہ اس قسم کے شغل کو طبی اصول سے جایز ہی نہیں بلکہ موجب افزایش صحت و فرحت تصور کرتا ہے سارے چمن کا خوشنما و پیارا منظر ایسا دلفریب ہے کہ راستہ چلنے والوں تک کو پہاٹک کے سامنے تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرا دیتا ہے اگر کوئی مہجور عاشق جس کو صحرا و بیابان کے سوا اور کچھ نہ سُہاتا اور بہاتا ہو وہ بھی اگر اس کی بہار پر فزا کو دیکھ لے تو تھوڑی دیر کے لیے اپنی دل گرفتگی و وحشت کو ضرور خیرباد

کہدے اِس چمن کو رشکِ جنان اور کوٹھی کو فردوسِ منزل کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ ابھی کوئی آدھا گھنٹہ ہوا ہوگا کہ فرخ دواخانہ سے واپس آیا۔ آتے ہی اوس نے کپڑے بدلے مُنھ ہاتھ دھوکر چائے پی اور میز کے خانہ میں سے صبح والا خط نکالا۔ خط لیتا ہوا چمن میں آیا کئی بار اِس خط کو پڑھکر خط بلیزر[1] کے جیب میں رکھ لیا۔ اب اِس چمن کی صاف سُنہری روشوں پر ٹہل رہا ہے دلکش منظر کی بہار لوٹتا جاتا ہے اور دل ہی دل میں یہہ کہہ رہا ہے یہہ کچھہ عجیب قصہ ہے۔ نہیں معلوم یہ خط کس نے لکھا ہے۔ ترکیب اور مضامین سے صاف ظاہر ہے کہ میں کاتب خط کو پسند آگیا ہوں صرف پسند ہی نہیں بلکہ ایک حد تک مجھپر وہ فریفتہ بھی ہوگئی ہے تو یہ میں بھی کیا آدمی ہوں بھلا مجھپر کیونکر فریفتہ ہو سکتی ہے اوس نے مجھے دیکھا ہی کہاں مگر نہیں میری تصویر اوس نے کسی اخبار میں دیکھی ہے کسی اخبار کا حوالہ بھی تو دیا ہے کمبخت کا بھلا سا نام ہے (جیب میں سے خط نکالکر ذرا سا پڑھا اور پھیر رکھدیا) دیدۂ سکندری۔ مجھے حیرت ہے اِس اخبار والے کو میری تصویر کہاں سے ملی شاید بھائی اچھن نے دی ہو یہہ اُنکیں کو اپنے اور اپنے عزیزوں کی شہرت کا خبط گھیرے ہے اِسی لیے تو تمام دنیا کے اخبار والوں سے اور اون سے میل جول ہے مگر میں ہوں کس قابل کہ کوئی مجھکو یا میری تصویر کو دیکھکر ریجھے بقول شخصے صورت نہ شکل چولھے سی نقل (خورشیدی وغیرہ کے متعلق کے پچھلے چٹخارے خیال کرکے ذرا شیخی میں آنکر) ہوں یا نہ ہوں مگر اب تو اِس نیک بخت کے میں مدنظر ہوگیا ہوں بیشک اِس شعر کا

[1] گھر میں پہنے رہنے کا ایک قسم کا کوٹ عموماً دھاریوں دار فلالین کا۔

مضمون بالکل صحیح ہے ؎ عشق اول در دل معشوق پیدا می شود!
گر نہ سوزد شمع کئے پروانہ شیدا می شود۔ خاصکر میرے ساتھ اسوقت
تک تو ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ جب کسی نے مجھے چاہا تو میں نے بھی چاہا میں نے
خود کبھی سبقت نہیں کی۔ یہہ سب سہی مگر یہہ ذات شریف ہیں کون جنھوں نے
بیٹھے بٹھلائے مجھے مفت الجھن میں ڈال دیا ظالم نے اپنا نام اور صحیح پتہ
تو لکھا ہوتا۔ یہہ مجھے فرضی معلوم ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر نام نہ ظاہر کرنا ذہانت
و فراست کی دلیل ہے۔ خط کی زبان تو نہایت ستھری اور با محاورہ ہے
مگر خط حیدرآباد دکن سے آیا ہے وہاں ایسی ٹکسالی اردو کہاں سے آئی
ممکن ہے کہ لڑکی کو تعلیم چھٹپنے سے کسی دلی یا لکھنو کی آتو نے دی ہو۔
صرف زبان ہی درست نہیں ہے بلکہ خیالات بھی اچھے ہیں اور ترتیب
خیالات بھی درست ہے کسی صاحب سواد شخص کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے
ممکن ہے کہ کسی اور سے لکھوا کر بھیجا ہے تو اوس کی حقیقت معلوم ہونی
کوئی دشوار امر نہیں ہے کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی مگر غضب کی بیباک
لڑکی معلوم ہوتی ہے اس طرح سے ایک غیر مرد کو یکایک ایسا عاشقانہ خط
لکھکر بھیجا۔ نہیں معلوم لڑکی ہے یا کوئی جوان بیوہ عورت ہے یا کوئی
بدکارہ ہے اگر کوئی کنواری شریف زادی ہوتی تو یہہ مصرعے میں نہیں
غیر کی تمہاری ہوں۔ کان رکھکر میرا افسانہ فرقت سن لو ہرگز اوس کے
قلم سے نہ نکلتے۔ مجھکو رہ رہ کے یہہ مصرعے کھٹکتے ہیں"! فرخ اتنا ہی سوچنے
پایا تھا کہ ایک شخص نے پیچھے سے آکر دونوں ہاتھوں سے اوس کی آنکھیں

موند ویں فرخ نے کہا میں سمجھا ہیں سمجھا غازی ہے۔ غازی الدین احمد نے
جھٹ ہاتھ اٹھا لیئے اور دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

فرخ ۔ "کہو کہاں سے آرہے ہو"

احمد ۔ سیدھا بخط مستقیم جس طرح تیر کمان سے نکلکر اپنے نشانہ پہ
آتا ہے اسی طرح میں گھر سے نکلکر تمہارے ہاں پہنچا۔ بھئی آج کا پانی بھی
کس قیامت کا تھا کلکتہ بھی عجیب جگہ ہے بارہ مہینے پانی برسا کرتا ہے"

فرخ ۔ "ہائیکورٹ گئے تھے"

احمد ۔ "بارہ بجے تو بلویڈیر سے واپس آیا حمام کرتے اور حاضری کھاتے
کوئی دو بج گئے آج کی خنکی وہ بلا کی تھی کہ بیساختہ سو رہنے کو جی چاہا جیسا سویا
سویا ابھی اُٹھکر چائے پی چائے پیکر تمہارے پاس چلا آرہا ہوں"

فرخ ۔ "اُن خوشامدوں کا کوئی نتیجہ بھی نکلا"

احمد ۔ (ذرا چڑکر) "خوشامد! بھلا میں اور خوشامدیں کروں۔ تمہارے
جملے بھی بعض وقت عجب کڈھب ہوتے ہیں۔ کوئی کسی سے ملنے کو جائے
تو خوشامد میں داخل ہے یہ تو نئی تعریف خوشامد کی میں نے سنی"

فرخ ۔ "اچھا یہ تو بتاؤ کہ جب سے تم یورپ سے واپس آئے کتنے بار
بلویڈیر میں جاکر سر چارلس سے ملے ہو"

احمد ۔ (کچھ سوچکر) "مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے یہی کوئی گیارہ بارہ مرتبہ
وہاں جاکر ملا ہوں گا دیسے تو پارٹیوں اور سواریوں وغیرہ میں بہت
دفعہ ملاقات ہوئی"

ملا بنگالہ کے لفٹنٹ گورنر کے رہنے کا مکان۔

فرخ - سر چارلس بھی تمہارے گھر پر کبھی آئے یا مطلق نہیں آئے؟"

احمد - "سر چارلس کے میرے گھر آنے کی بھی ایک ہی کہی - تم نے ہندوستان کو شاید انگلستان سمجھ لیا ہے ابھی تازہ ولایت ہو تمہارے دماغ میں یورپ کی ہوا سمائی ہوئی ہے - بھلا لفٹننٹ گورنر بنگالہ کو دیکھو اور میرے گھر آنے کو ع وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے! البتہ اگر میں کوئی بڑا دولتمند شخص ہوتا اور پانچ چھ ہزار روپیہ لگا کر اون کی دعوت کرتا تو اون کا میرے گھر آنا ممکن تھا"

فرخ - "تو مبارک! خدا نے تم کو تمہارے منھ سے قائل کر دیا - سر چارلس تو تمہارے ہاں ایک دفعہ بھی بازدید کو نہ آئے اور تم ہو کہ بار بار دوڑے جاتے ہو پھر خوشامد کس چڑیا کا نام ہے؟ تم تو خود یورپ میں رہکر تعلیم پا چکے ہو تم کو معلوم ہوگا کہ خوشامد سے مراد وہاں کیا ہوتی ہے اتنا کافی ہے کہ کوئی کسی کو اپنے سے بڑا سمجھکر اس کے گھر اس طرح بار بار جائے البتہ ایشیائی خوشامد کا طریقہ اور ہے یعنی حضور خداوند سرکار کے الفاظ سے دست بستہ ہو کر کسی کو مخاطب کرنا حق ناحق بھی کسی کی ہاں میں ہاں ملانا جوتے جھٹک کر کسی کے سامنے رکھدینا - اس شعر کے مطابق اگر شہ روز را گوید شب است ایں ہد بباید گفت اینک ماہ و پروین پر ہر وقت عمل کرنا خوشامد سے میری مراد شاید تم بھی سمجھے تھے - میں کیا دیوانہ ہوں جو تم کو اس قدر ذلیل حرکت کا مرتکب تصور کرتا میرے خیال میں تو ایسی حرکتیں کوئی مغربی تعلیم یافتہ جنٹلمین لمحہ بھر کے لیے بھی خود کرنا تو درکنار کسی دوسرے کو

کرتے ہوئے دیکھنا تک پسند نہیں کرے گا۔"

احمد۔ "میں گیا تو سہی اب جو سمجھو۔ بغیر اس کے یہاں کام بھی تو نہیں نکلتا۔"

فرخ۔ "کیسا کام۔ خدا نے ہر شخص کو اپنا کام خود کرنے کی قدرت دی ہے بشرطیکہ ہمت و صلاحیت ہو۔ کیا دوسروں کے گھر خوشامدانہ طور سے جائے تب ہی کام نکلے۔ آپ کا وہ کون سا کام سرجارلس سے اٹکا ہے ذرا میں بھی تو سنوں۔"

احمد۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میری بیرسٹری چلتی نہیں ہے اب اس فکر میں ہوں کہ اور نہیں تو بلا سے ڈپوٹی کلکٹری ہی کی خدمت مل جائے تو کرلوں۔"

فرخ۔ "بایں عقل و دانش بباید گریست! تمہاری سمجھ کے قربان۔ تم نے یہاں تھرڈ ایر بی۔ اے تک پڑھا انگلستان میں جاکر تخمیناً چار سال تعلیم پائی سالہا سال دماغی محنت کی ہزاروں روپے صرف کئے بیرسٹری کی سند لی کیا ان سب پر یونہیں پانی پھیر دینے کا ارادہ ہے جو دوسو روپلی کی نوکری کرلینے پر تُلے بیٹھے ہو؟"

احمد۔ "تم دوسو روپیہ کو کہتے ہو یہاں تو دو کوڑیاں بھی نہیں ملتیں پھر آخر کیا کروں۔"

فرخ۔ "مجھے پیشۂ ملازمت سے چڑ ہرگز نہیں ہے۔ یہ تو ایک بیکار سی بات ہو اگر ملازمت کو کوئی شخص حقیر و ذلیل سمجھے پھر ملکی خدمتیں کیونکر انجام پائیں۔ میں اس خیال کا البتہ مخالف ہوں جو ہر کس وناکس نوکری پر اُدھار کھائے ہے مخصوص مسلمانان ہند جس کو دیکھو جھپکتا اور اسی کا رونا روتا ہے کہ

ہائے نوکری نہیں ملتی وائے نوکری نہیں ملتی ملازمت عنقا ہوگئی سرکار کوئی خدمت نہیں دیتی میں یہہ پوچھتا ہوں کہ سرکار کس کے گھر سے لاکر روز نت نئی نوکری گھڑتی رہے اور خدمتیں دیتی رہے ضرورت کے موافق نوکریاں عموماً لایق و مستحق کو دیتی ہے دنیا میں کیا ایک نوکری ہی وسیلہ معاش ہے ۔نوکری میں فائدے کم مضرتیں زیادہ ہیں نوکری میں ایک تو آمدنی محدود ۔ دوسرے آزادی کا خون ہوتا ہے ۔ اوقات کی پابندی کا خیال ایک طرف ۔ اپنے بالا دست حکام کو خوش رکھنے کی فکر الگ جان کھائے جاتی ہے ہر وقت ذمہ داریوں اور جوابدہیوں کا جدا کھٹکا لگا رہتا ہے اگر تضییع حقوق و قضایا کرتا ہے تو مواخذۂ عقبیٰ کا خوف الگ خون خشک کئے دیتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ نوکری میں کیا لال لگے ہیں جو تمہاری طبیعت نوکری پر مائل ہوتی ہے ۔نوکری کرکے کیا کوئی شخص کروڑپتی ہوسکتا ہے ۔امریکہ اور یورپ کے کروڑپتیوں اور پدم پتیوں نے نوکریوں کی بدولت یہہ دولت نہیں حاصل کی ہے ۔انگلستان یورپ کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے تمھارے ہندوستان کے بہت سے صوبے وسعت میں اس سے کہیں بڑے ہیں مگر انگلستان میں تین سو سے زیادہ ایسے اشخاص ہیں جن کی آمدنی ساڑھے سات لاکھ پونڈ سالانہ ہے علاوہ ان کے بہت سے ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی اس مقدار سے بھی کہیں زیادہ ہے ۔ ان میں سے ایک شخص نے بھی نوکری کے ذریعہ سے یہ دولت کثیر نہیں پیدا کی ہے کسی ملک کے باشندے نوکری کرکے ملک کو دولتمند ہرگز نہیں بناسکتے

جب تک صنعت و حرفت و فلاحت و تجارت میں ترقی نہ ہو ملک کا افلاس
دور نہیں ہو سکتا مسٹر ڈگبی اور سر ولیم وڈرن برن وغیرہ ہند کے افلاس کا
سبب گورنمنٹ ہند کو قرار دیتے ہیں ممکن ہے کہ گورنمنٹ بھی کسی حد تک
ذمہ دار ہو مگر میرے خیال میں بڑا سبب قومی افلاس کا ہم ہیں جب تک
ہمارے ملک کے باشندے تجارت و صنعت وغیرہ میں ترقی نہ کریں گے
ملک ہرگز پنپنے کا نہیں یورپ اور امریکہ کی ترقیوں کا بڑا سبب ترقی تجارت
وغیرہ ہے۔ دور کیوں جاؤ اپنے ایک ایشیائی ملک جاپان کی طرف
نظر ڈالو اس کی روز افزوں اور برقی مالی ترقیوں کا بڑا سبب تجارت ہے
جس کی بدولت آج چین جیسی عدار سلطنت کو میدان کارزار میں
صرف نیچا ہی نہیں دکھا رہا ہے بلکہ اتنی بڑی جنگ کے مصارف کا
بکشادہ پیشانی متحمل ہو رہا ہے چین کا تو پلیتھن نکل رہا ہے اور جاپان
کے تیور پر بل تک نہیں ہے۔ ہم ہندوستانی جو نوکری پر مرے ہوئے ہیں
اس کے اسباب یہ ہیں کہ ہم میں کسی قسم کی صلاحیت کوئی اور کام کرنے کی
نہیں ہے کاہلی آب و گل میں پیوست ہو گئی ہے محنت و جفاکشی سے
جی چراتے ہیں پھر کریں تو کیا کریں۔ اس میں شک نہیں کہ بنگالہ کے
ہندؤں نے علمی ترقی ایک حد تک کی ہے اور کر رہے ہیں مگر مجرد
بی۔ اے۔ ام۔ اے کی ڈگریاں لینے سے کسی ہنر یا حرفہ یا پیشہ میں کسی قسم
کی دستگاہ پیدا نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ علمی و عملی طور پر اون کے اصول
حاصل نہ کیے جائیں ام۔ اے۔ بی۔ اے کی ڈگری لینے والا نہ کسی خاص نوکری کا

مستحق ہو سکتا ہے اور نہ کسی پیشہ میں عموماً سر بسر ہو سکتا ہے زیادہ سے
زیادہ اوس کا وجود کسی مدرسہ کی مدرسی کے لیے بکار آمد ہو سکتا ہے
اہل ہند میں نوکری کے گرویدہ و شایق زیادہ تر ہم مسلمان پائے جاتے
ہیں خاص کر کے حکومت کی نوکریوں کے۔ ہم اپنے اسلاف کے عمدہ صفات
تو کھو بیٹھے ہیں نہ معلوم کہاں سے جھوٹی شیخیاں سیکھ لی ہیں جن کے
نکالنے کا تھوڑا بہت موقع سرکاری ملازمت میں مل جاتا ہے اور کوئی
نوکری نہ سہی تو تحصیلداری یا محکمہ پولیس کی داروغگی سہی۔ ان خدمتوں
میں ذرا اقتدار حاصل ہوتا ہے اور بے ایمانوں کو استعمال ناجایز کا بھی
پورا موقع ہاتھ آتا ہے قطع نظر اس کے ان نوکریوں میں علمی قابلیت
کی زیادہ ضرورت مانی نہیں گئی ہے بس پھر کیا ہے ہلدی لگے نہ پھٹکری
اور رنگ چوکھا آئے اس لیے انہیں وہ خدمتوں پر زیادہ گرتے ہیں
عموماً اعلیٰ درجہ کی قابلیت کا آدمی یا کسی خاص ہنر و حرفہ کا ماہر نوکری کرنی
تو کجا اس کا خیال بھی اپنے گرد پھٹکنے نہیں دیتا ہے اسی کو خیال کر کے پروفیسر
ہربرٹ اسپنسر سا یکہ و یگانۂ دہر جو رتبہ میں بلا مبالغہ افلاطون اور ارسطو
سے کم نہیں ہے نوکری پر کبھی مائل نہیں ہوا کیمبرج یونیورسٹی کی جانب سے
کئی دفعہ استمزاج کیا گیا مگر ہمیشہ انکار کیا۔ یہ تو ایک انگریز کی مثال تھی اب
اپنے ہندوستان کی ایک نظیر ہو مسٹر دادا بھائی نوروزجی ڈی گرینڈ اولڈ مین
اوف انڈیا جن کا نام تاریخ ہند میں ہمیشہ عظمت و عزت کے ساتھ لیا جائے گا
اور طلائی حرفوں سے لکھا جائے گا کیونکہ علاوہ اور صفات کے وہ پہلے ہندوستانی

رہیں۔ جن کو انگلستان کی مملکت نے اپنے پارلیمنٹ کا ممبر اور اپنا وکیل تسلیم
کیا ہے وہ اپنی آٹو بیوگرافی (خود کی لکھی ہوئی سوانح عمری) میں ایک
مقام پر یہ لکھتے ہیں قبل انگلستان جانے کے بمبئی گورنمنٹ نے بعہدہ تعلیمات سرشتہ
میرے لیے ایک خدمت منتخب کی [illegible] کو بدقسمتی کا
آغاز سمجھ کر بعض وجوہ سے اُسے قبول نہ کر سکا ملازمت کو قبول نہ کرنا میں
اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں ورنہ ہمیشہ کے لیے میں سرکاری ملازمت
کے تنگ دائرہ میں آشتی کی زندگی بسر کرنے کے لیے پابند ہو جاتا وغیرہ
وغیرہ ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں تم انھیں باعظمت شخصیتوں کی ابتدائی حالت سے
سمجھ سکتے ہو کہ عام خیال لوگوں کی نظروں میں ملازمت کی حقیقت کیا ہے
یہ تو میں نے عام حالت سے بحث کی اب تمہاری خاص حالت کے
متعلق بھی مجھے کچھ کہنا ہے جب تم نے ایک عزت والا پیشہ کی سند
حاصل کر لی ہے تو اس سے تم کو خود بھی فائدہ حاصل کرنا چاہیے اور اپنی
قوم کو مستفید کرنا چاہیے اگر سردست کوئی مالی نفع تم کو حاصل نہیں ہو رہا ہے
تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آیندہ بھی منتفع نہیں ہو سکتے ہو تم جب انگلستان
سے واپس آئے اور پریکٹس شروع کیے عرصہ ہی کیا ہوا [illegible]
گئے آدمی ہو گئے میرے نزدیک ہمارے تمہارے پیشوں میں کامیابی حاصل کرنے کے
لیے استقلال و صبر کی ضرورت ہے مخصوص کلکتہ ہی ایک جگہ ہے جہاں مقابلہ
اس قدر سخت ہے استقلال و محنت سے اگر کام لو گے تو کیا معنی کہ کامیابی
حاصل نہ ہو لوگ تو بیرسٹری کی ڈگری حاصل کرنے کی آرزو ہی کیا کرتے ہیں

اور ایک تم ہو کہ اس نعمت کی تم کو مطلق قدر نہیں۔ ایک شایستہ و مہذب آدمی کی دلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں عزت اور آزادی کے ساتھ زندگی بسر ہو اور ایمانداری سے چار پیسے ملیں یہ نعمتیں یا تمہارے ہمارے بزرگوں میں حاصل ہیں اسی کلکتہ میں کئی ایسے بنگالی بیرسٹر اسوقت موجود ہیں جن کو ہائیکورٹ کی ججی کی خدمتیں ملتی تھیں اور اونھوں نے نہیں قبول کیں تم نے انگلستان میں بیرسٹروں کو دیکھا ججی سے نیچے خدمت قبول کرنا اپنا ننگ و عار سمجھتے ہیں دائرہ ملازمت میں عموماً اوس وقت آتے ہیں جبکہ بے انتہا دولت پیدا کر چکتے ہیں اور بوجھ پیرانہ سالی کے ان میں جوانی کی سی چستی وسعت باقی نہیں رہتی اوس وقت نوکری کر لینے سے بڑی غرض یہ رہتی ہے کہ بقیہ حصہ زندگی کا آرام و بے فکری سے بسر ہو اور کچھ شغل بھی رہے" اتنے میں فرخ نے کسی گاڑی کی گڑگڑاہٹ سنکر پیچھے پھر کر دیکھا بپن بہاری بوس اپنی شیدن لینڈو میں جس میں بڑے بڑے ویلر گھوڑوں کی جوڑی لگی ہوئی ہے پھاٹک کے اندر بڑے ٹھسے سے گڑگڑاتا ہوا داخل ہوا۔ فرخ اور غازی الدین احمد کو چمن میں ٹہلتا ہوا دیکھکر اپنی گاڑی برسائی تک نہیں لیگیا اور چمن کے قریب گاڑی سے اُتر پڑا۔

بوس۔ "اسقدر شام ہو گئی لیکن تم لوگوں کا دل چمن کی سیر سے نہیں بھرتا"

احمد۔ "تم تو فرخ کے مزاج سے واقف ہو جہاں کسی بات میں لگے اور ریب ہو گئے اس وقت حضرت مجھے ایک لکچر دے رہے تھے میں بھی چپکا سنتا جاتا تھا کہ تم آگئے"

بوس۔ کیوں فرخ وہ کیا لکچر تھا اوس کا موضوع کیا تھا ذرا میں بھی تو سنوں"

فرخ۔ "پھر کہا حضرت اندر چلو سچ کہتے ہو بالکل شام ہوگئی"۔

یہہ لوگ بالاخانہ پر چلے گئے اور شرف روبابر آمدہ میں جہاں فرخ صبحکو چائے پیا کرتا ہے آرام کرسیوں پر جا بیٹھے۔ فرخ نے الکٹرک بل جو اوس کی کرسی کے برابر دیوار میں نصب ہے دبایا فورًا بیرا آیا جس کو فرخ نے حکم دیا کہ باورچی سے کہد کہ اور دو صاحبوں کا کھانا تیار کرے بیرا بہت خوب کہکر چلا گیا۔

بوس۔ (فرخ سے مخاطب ہوکر) "آج کے ٹیلیگرام تو تم نے دیکھے ہونگے سچ کہنا جاپانی کیا قیامت ڈھا رہے ہیں مار مار کر کمبخت چینی افیونیوں کا بھرکس کر دیا"

فرخ۔ "بری لڑائیوں میں تو جاپانیوں نے جو کچھہ داد شجاعت دی اور جرأت سے کام لیا وہ تو قابل تعریف ہی ہے بحری جنگ کا فن بھی وہ ایسا دکھلا رہے ہیں کہ یوروپینوں کے دانت کھٹے کر دئیے اور اب امریکن اور یوروپین ہمارے ایشیائی جاپانیوں کا لوہا ماننے لگے"۔

احمد۔ بعض یوروپین نامہ نگار جو میدان جنگ سے مراسلے بھیجتے ہیں اپنے قومی تعصب سے باز نہیں آتے بعض اوقات وہ فضول نکتہ چینیاں کرتے ہیں جن سے جاپانیوں کی نااہلیت ظاہر ہو"

فرخ۔ "یہ اون کی عبث کوششیں ہیں چاند پر خاک ڈالنے سے کیا اوسکی

عل[1] آدمی کو بلا لینے کی برقی گھنٹی۔

غالباً تم پہچاننے لگے۔"

بوس۔ "یہ خط تو کچھ عجب پراسرار معلوم ہوتا ہے۔"

احمد۔ "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔"

بوس۔ "یہ تو کھلی ڈھلی بات ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہ کون اور کس قسم کا معشوق ہے۔"

فرخ۔ "اگر یہ معلوم ہوجائے تو سارا معمہ ہی حل ہوجاتا ہے (احمد سے مخاطب ہوکر) کہیئے کچھ آپ کی سمجھ کے بیچ میں آیا۔"

احمد۔ "یہ کون سا ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جو سمجھ میں نہ آئے۔ کوئی عورت تمہارے حالات پڑھکر اور تمہاری تصویر دیکھکر تم پر جان دینے لگی ہے تم سے شادی کیا چاہتی ہے تم کنہیا تو ہمیشہ کے ہو کوئی نہ کوئی گوپی بارادہ تم پر مل ہی جاتی ہے۔"

فرخ۔ (مسکراکر) "ہاتھ لانا استاد کیا کہنا! بوجھیں تو لال بجھکڑ اور نہ بوجھے کوئی ٹڈا پاؤں میں چکی باندھ کے ہرن نہ کودا ہوئے۔ سمجھے تو کیا خوب سمجھے۔ کیا اتنا ہم لوگ نہیں سمجھے ہوئے تھے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ وہ عورت کس قسم کی ہے جس نے ایسا خط لکھکر ایک اجنبی مرد کو مخاطب کیا ہے۔"

احمد۔ "میرے خیال میں کوئی بدچلن عورت ہے۔ ہندوستان آزادی میں یورپ کی عورتوں سے بھی بازی لے گئی ہے۔ یورپ میں حالانکہ کورٹ شپ مہینوں برسوں جاری رہتا ہے مرد عورت آپس میں بے تکلف بھی

ہو جاتے ہیں بعض اوقات فریقین ایک دوسرے کے فریفتہ و مفتون بھی بے حد رہتے ہیں مگر عورت منظر تحریک کی جتی ہے اس لڑکی نے تو لنگا الٹی بہا دی ایسی لڑکی کو میرا تو دور ہی سے دات سلام ہے"

یوسف - "یہ تو وہی ہوا مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ تمھیں یہ قیافہ ہی کرنا ہے جو تم سات سلام کرنے کو موجود ہو۔ تم نے اس لڑکی کو بد چلن کہنا کیسے سمجھ لیا۔ محض اس کے لکھنے سے واہ رے آپ کا حسن ظن! اس خط میں کسی قسم کی تحریک نہیں ہے صرف چند استفسارات ہیں گو ما فی الضمیر کا پتہ چلتا ہے مگر اسپر تحریک کا اطلاق نہیں ہو سکتا"

فرخ "تحریک کی حد تک یہ تحریر نہیں یہ تو سختی ہے اتنی ہوشیاری کاتب نے کی ہے مگر ایک عورت کا ایک اجنبی مرد کو اس طرح سے مخاطب کرنا بدنما و قابل اعتراض تو ضرور ہے (خط ہاتھ میں لیکر) اس پر سے یہ دو مصرعے مجھے بہت کھٹکتے ہیں ایک تو کان رکھکر میرا افسانہ فرقت سن لو۔ یہیں نہیں مجبور کی تمھاری ہوں۔ یہ دونوں مصرعے عشق آمیز ہیں جن سے صریحاً اظہار تعشق مقصود ہے۔ قطع نظر خیال بدروگی کے اس لونڈیا ایسے مضمون کا اظہار بہت قبل از وقت و خلاف تہذیب ہے اور کمزوری طبیعت کی کی دلیل ہے"

یوسف "آجتک میں تو کسی پر عاشق و اشق ہوا نہیں اور نہ میری صورت قدرت نے ایسی بنائی ہے کہ کوئی مجھپر عاشق ہو اس لئے میرے ریمارکس جو ہونگے میرے ذاتی تجربہ پر مبنی نہیں ہیں بلکہ دوسروں کے حالات سے

جو میں نے استخراجات کئے ہیں اون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشق ایک
خبط ہے جو مختلف اسباب سے پیدا ہو جاتا ہے اور جب پیدا ہو گیا تو
عموماً انسان کی عقل سلیم و قوت ادراک کو بیکار کر دیتا ہے اس لئے انسان
بالکل بے اختیار و بے قابو ہو جاتا ہے بعض اوقات یہ خبط بڑھتے بڑھتے
انسان کو خاصہ مجنون بنا دیتا ہے کبھی یہ جنون اس درجہ بڑھتا ہے کہ
انسان جان سی پیاری چیز کی پروا نہیں کرتا اور خودکشی کر لیتا ہے
اس بینیا یعنی خبط کے مختلف اقسام و مدارج و منازل ہیں کمزور طبیعت
والے ہی اس سے متاثر نہیں ہوتے ہیں کبھی زبردست سی زبردست
طبیعت کا آدمی بھی اس ظالم کے پھندے اور داؤں میں آجاتا ہے اسکے
جذبات و احساسات ایسے نہیں ہیں کہ انسان عقل سلیم و تمیز سے کام لے
ایسی حالت میں ایک عورت نے بوفور شوق و بیخودی دو مصرعے ایسے
لکھے تو میرے خیال میں یہ فعل قابل چشم پوشی ہے اب رہا یہ اعتراض کہ
خط کیوں لکھا اس کا جواب بھی سن لو انسان بعض اوقات اپنے خیالات
کی پیچیدگیوں اور سوسائیٹیوں کی بندشوں سے بیحد متاثر و مجبور ہو جاتا ہے
ممکن ہے کہ عقدہ کشائی کے لئے اس کے سوا اور کوئی شکل کاتب خط کے
پیش نظر نہ ہو جب اوس کا دل ایک ایسے شخص پر آگیا جو کالے کوسوں
دور ہو اور جس کے حالات کسی اور ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکتے ہوں تو
سوا خود لکھکر دریافت کرنے کے اور چارہ ہی کیا تھا۔"

فسرخ۔ "تمہارا خیال ایک حد تک صحیح ہے عشق کے جذبات کچھ عجیب و غریب

ہوتے ہیں دیکھو سارے فلسفۂ عشق کی جان کی تان ایک شعر میں سناتا ہوں۔ ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن + دل بدست دگرے دادن حیراں بودن

کل رطب و یابس عاشقی کے اس شعر میں ختم کئے ہیں مگر ایک اور شاعر ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد + بسا کین دولت از گفتار خیزد۔ اور یہاں نہ دیدار نہ گفتار پھر یہ کیسی گردار“؟

بوس۔ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے تمہاری تصویر دیکھی تمہارے حالات پڑھے اور تمہارے وجود کا اوس کو یقین ہے۔ بعض حالتوں میں عشق غائبانہ بغیر تصویر یا صورت دیکھے صرف حالات سن کر ہو جاتا ہے ایسی شکلوں میں یہ ہوتا ہے کہ کسی نے کسی کے حالات سن کر اپنے خیال و مذاق کے موافق پاکر اس کو پسند کر لیا اور اس خیال کی پرورش کرنا شروع کی۔ قوت تصور کی مدد سے یہ خبط جس کو عشق کہتے ہیں پیدا ہو جاتا ہے ایک بدیہی مثال جس کی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں میں بہت سے لوگ پیغمبر[1] کے عشق میں جوگی ہو کر سمادے لیتے ہیں یا بن باشی ہو جاتے ہیں حالانکہ پیغمبر کا حال ہی فقط سنا ہے۔ دیکھا تو ایک طرف اس کے وجود میں بھی بہتوں کو یقین نہیں ہے متخیلہ و تصور و قوت ارادی بہت ہی با اثر قوتیں ہیں انہیں کی بدولت اچھا بھلا آدمی آپ کو بیمار سمجھتے سمجھتے بیمار بن جاتا ہے ان قوتوں میں کشش و جذب کا مادہ بھی ہے انھو تی چیزیں ہو جاتی ہیں

[1] خدا۔

بعض وقت مطلوب ذی روح ہو یا غیر ذی روح ہو حاصل ہو جاتا ہے ایسی حالت میں عشق غائبانہ کوئی ناممکن الوقوع شے نہیں ہے"

فرخ۔ "اچھا اب یہ بتاؤ کہ اس خط کا کوئی جواب بھی دوں یا خاموش ہو رہوں"

یوسف۔ "میرے خیال میں جواب دینا تو ہر حال میں لازمی ہے"

فرخ۔ "بیشک جواب دینا تو عین تہذیب و حسن اخلاق ہے میری غرض یہ تھی کہ کیا جواب دوں"

یوسف۔ "اس کو تم جانو۔ پہلے اس کا تصفیہ کرو کہ شادی کرنی تم کو پسند ہے یا مجرد رہنا مرغوب ہے اور اگر شادی کرنی منظور ہے تو کب یعنی کس عمر میں اور کس حالت میں اس کے بعد پھر تصفیہ طلب یہ امر رہ جاتا ہے کہ تمہارے خیال کے موافق تمہاری ہونے والی بیوی کو کن صفات سے متصف ہونا چاہئیے ان خیالات کے لحاظ سے جواب دو"

فرخ۔ "مدت العمر مجرد رہنا تو ایک خلاف فطرت اور لچر فعل ہے میں تو اس کے خلاف ہوں میری پچیس برس کی عمر ہو چکی شادی کا زمانہ بھی یہی ہے مگر میں اوس وقت تک شادی کرنا پسند نہیں کروں گا جب تک میرا کام نہ چل نکلے اور میرے پاس اپنے دست و بازو کی محنت کے چار پیسے جمع نہ ہو جائیں والدین کے برتے پر شادی کرنی سراسر حماقت ہے۔ بڑا اہم مسئلہ تو یہی ہے کہ بیوی کن صفتوں سے متصف ہو قبل اس سے کہ میں کچھ کہوں اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ذرا اسکو تو سنوں نہیں نہیں ـــ ملا غازی الدین احمد

کی طرف مخاطب ہوکر) تم اپنے خیالات سب سے پہلے بیان کرو"
احمد۔ "میرے خیالات اس بارے میں اب دریافت کرنا لاحاصل ہے بہت
بعد از وقت ہوں گے۔ تم جانتے ہو میری شادی ہوئے بھی ایک جگ ہوگیا
میرے اماں باوا ایسے عقلمند ہیں کہ انھوں نے میری شادی کرتے وقت
تو کچھ مجھ سے دریافت ہی نہیں کیا اب تم پوچھکر کیا کروگے"
یوسف۔ (ذرا متحیر ہوکر اور احمد کی طرف دیکھکر) کیا سچ مچ تمھاری شادی کو
ایک جگ یعنی بارہ سال ہوگئے؟ تو اس حساب سے پریسیڈنسی کولج میں
جب تم داخل ہوئے تھے تو تمھاری شادی ہوچکی ہوگی"
احمد "بیشک ہوچکی تھی مجھے سولھواں سال شروع تھا جب ہی مجھ کمبخت کی
شادی کردی گئی تھی میری بڑی لڑکی عنقریب بیاہنے کے قابل ہوجائیگی
دو سال اور جائیں تو خاصی جوان ہوجائیگی اس کی شادی کہیں ہوجائے
تو میں بھی اپنا اپنی مرضی کے موافق ایک دوسرا نکاح کروں یہی سب فکریں
میری جان کھائے جاتی ہیں جب ہی تو نوکری کی دھن میرے سر پر سوار ہے
دونوں لڑکوں کی تعلیم کا بار بھی باوا نے میرے ہی سر ڈال دیا ہے بیوی کے
اخراجات بھی میرے ہی ذمہ ہیں تمہیں کہو کہ چار سو ماہانہ جو باوا دیتے ہیں
اوس میں میں کیا کیا کروں؟ تم لوگوں کی طرح کاش کے میں بھی اس وقت
مجرد و آزاد رہتا تو نوکری کا خبط مجھے کیوں گھیرتا"
یوسف "لاحول ولا قوۃ! ہم تو سمجھتے تھے کہ ہمارے بنگال کے جاہل ہندو
والدین ہی اس قدر ناعاقبت اندیش ہیں جو اپنے بچوں کی شادی کمسنی میں

بغیر اُن کے استمزاج کے گڈے گڑیوں کی شادی کی طرح کر دیتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے بچوں کی ساری زندگی بے مصرف اور پریشانیوں کا گھر ہو جاتی ہے یہ مجھے آج معلوم ہوا کہ صوبۂ بہار کے مسلمان شرفا بھی انکے ہم خیال ہیں مگر یہ تم نے کیا کہا کہ ایک دوسرا نکاح کرنے کی فکر ہے تمھارا جیسا یورپ کا تعلیم یافتہ شخص دو جوروں کا خاوند بننا اور وحشیوں میں اپنا نام لکھانا کیونکر پسند کرے گا“؟

احمد۔ ”اس کو نہ پوچھو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے یہ بھی نتیجہ میرے والدین کی اسی حماقت کا ہے جس کو وہ لوگ میری شادی کر کے اپنی آرزو وارمان نکالنا کہتے تھے تمہیں بتاؤ کہ دیہات کی ایک ان پڑھ اور گنوار لڑکی کے ساتھ ایک یورپ کے تعلیم یافتہ شخص کا کیونکر گزارہ ہو۔ نہ صورت میری مرضی کے موافق نہ تربیت و تعلیم ہی درست یہ ایک آفت ہم دیہاتیوں میں ہے کہ شادی کریں گے تو برادری ہی میں کرینگے چاہے لڑکی یا لڑکا کیسا ہی یا کیسا ہی نا اہل و بدصورت کیوں نہ ہو اگر کوئی کہے کہ لڑکے کی دولہن خوبصورت ہونی چاہئے تو جواب ملتا ہے کہیں ناچنے گانے کو بیاہا ہے برادری کی شادیوں کی مضرت کو کوئی غور نہیں کرتا ہے اس کو نہیں دیکھتے ہیں کہ سمدھیانہ ہوتے ہی دوستی میں کشتی ہونے لگتی ہے فریقین نا اہل و غیر تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ذری ذری باتوں میں جھگڑے اور فساد برپا کرنے لگتے ہیں دو سگے بھائی یا بہنین سمدھی سمدھنین بن کر جنم جنم کے بیری ایک دوسرے کے ہو جاتے ہیں یہ لطف برادری کی شادی کا ہے پھر

عمر کی مناسبت کا خیال نہیں کرتے اگر لڑکی لڑکے سے دو چار برس سن
میں بڑی ہے تو اس کی بھی پروا نہیں کرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ نتیجہ
کیا ہوگا اب میری بیوی ہی کو دیکھو میرے ماموں کی بیٹی ہیں مجھ سے
عمر میں سلامتی سے دو سال بڑی ہیں ان کی عمر بیس سے تجاوز کر گئی
تم جانتے ہو کہ ہند کی آب وہوا کے لحاظ سے اتنی عمر کی عورت جس کی شادی
بھی کمسنی میں ہو گئی ہو بچے بھی کئی جن چکی ہو باہر کی ہوا دمشی جسمانی بھی
میسر نہ ہو معاشرت کی حالت ایسی ردی ہو بیچاری الگنی پر پھیلانے کے
لائق ہو گئی ہے اس پر خیالات ایسے تنگ و بوسیدہ کہ اون کی صحبت
میں میرا دم گھٹنے لگتا ہے یہی وجہ ہے کہ میں انھیں کلکتہ بلوا کر اپنے پاس
نہیں رکھتا اس میں شک نہیں کہ اوس بیچاری کا کوئی قصور نہیں ہے
سراسر ہمارے والدین اور اون کے والدین قصور وار ہیں۔ بیوی کے ہوتے
ہوئے میں تنہا رہتا ہوں انسان کب تک ایسی حالت میں بسر کرے خاص کر
ایسا آدمی جو طرح طرح کے افکار میں گھرا ہو ایسے شخص کے لئے تو ایک حسین
اور سمجھدار بیوی کی اشد ضرورت ہے تاکہ اوسکی صحبت میں کچھ تو غم
غلط ہوا کرے۔ میری حالت نہایت قابل تاسف و ہمدردی ہے میں نے
عشر عشیر ذکر ان مصیبتوں کا نہیں کیا جو میں ہر وقت سہتا رہتا ہوں پھر
اگر دوسرا نکاح نہ کروں تو کیا کروں دم منصفوں میں آگیا ہے ممکن ہے کہ تم
یہ سوال کرو کہ کھلاؤ گے کہاں سے اس کا جواب بھی سن لو لڑکی کی شادی
ہو جانے کے بعد لڑکوں کو یہاں بلوا کر اپنے پاس رکھ لوں گا اور بیوی کو

ادن کے میکے بھجوادوں گا بجائے سو کے جواب بھیجتا ہوں پچیس روپیہ ماہانہ ان کے پاندان کے خرچ کے نام سے بھجوایا کروں گا ماں باپ انکے مرفع الحال ہیں انھیں اس پچیس کی بھی پروا نہیں ہے مگر میں اپنا فرض ادا کروں گا قطع نظر اس کے دوجورو کرنی تو کوئی ایسی مرغوب حرکت نہیں ہے میرے ایک دوست ڈاکٹر انوارالحسن ہیں وہ بھی انگلستان کے تعلیم یافتہ اور ڈبلن کے ال ال ڈی ہیں ایک شادی کی بیوی رہتے اور ایک لڑکا موجود رہتے دوسرا عقد بھی انھوں نے نام خدا کر لیا ہے"

بوس - میں تمھارے ڈاکٹر دوست کے حالات سے تو واقف نہیں ہوں کہ اُن پر کونسی مصیبت پڑی تھی جو انھوں نے یہ غیر مطبوع حرکت کی مگر تمھاری نسبت میں کہتا ہوں کہ اگر واقعی ایسا ہے تو مجبوری کا علاج نہیں ہے فی الحقیقت ہند کے مسلمان ہوں یا ہندو سبھی ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں نہ معلوم کب ہم لوگ اپنی معاشرت وسیاسی حالت کی اصلاح کریں گے ایک ہو دو ہو تو اوس کی اصلاح انسان کرے یہاں تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے"

فرخ (بوس سے) تم نے بھی اس وقت کہاں کا دکھڑا نکالا ہے میرا تو مطلب ہی فوت ہوا جاتا ہے۔ ہاں نمازی اپنے خیالات تو نیتا ڈ بعد از وقت وہ تمھارے لئے ہوں گے تو میرے لئے قبل از وقت ہیں ممکن ہے میں اُن سے فایدہ اوٹھاؤں ماورا اس کے جبکہ تمھارا ارادہ

ایک اور بیوی کرنے کا ہے تو تمھارے لیئے کبھی بعد از وقت نہیں ہے

احمد۔ "بھئی میں نے تو اس مسئلہ پر کبھی غور نہیں کیا دوسرے عقد کا تو اب خیال ہوا ہے"

فرخ۔ "میں نے مانا کہ تمھاری شادی ہو چکی ہے اور ایک عرصہ دراز کے بعد اب عقد ثانی کا خیال پیدا ہوا مگر یہ تو ایک ایسا معاشرت کا مسئلہ ہے جس پر ایک حد تک آیندہ نسلوں کی درستی و ترقی کا مدار ہے جب تک مائیں درست نہ ہوں گی بچے کیا خاک درست ہوں گے جیسا سانچہ ہوگا ویسی ہی چیزیں ڈھلینگی۔ یہ تو نہایت خود غرضانہ خیال ہے کہ اگر تم کسی چیز سے فایدہ نہ اوٹھاؤ تو قوم اور سوسائٹی کو بھی اس سے محروم رکھو میرے خیال میں ہر تعلیم یافتہ رکن سوسائٹی کا فرض نہیں ہے کہ اون تمام مسایل پر غور کرے جن سے اصلاح قومی ہو سکے شخصی فایدہ چاہئے مترتب ہو یا نہو"

احمد۔ "میں اس وقت اپنی رائے ظاہر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں شادی بیاہ کے معاملہ کو جب تم نے قومی کام کا ایک جز سمجھ لیا ہے تو بہتر ہے کہ مین (یعنے مین بہاری بوس) سے مشورہ لو قومی خدمات کا بیڑہ ہمارے بنگالی بھائیوں نے اوٹھایا ہے۔ بوس صاحب بہادر کے خیالات ممکن ہے تمھارے مفید مطلب ہوں"

فرخ۔ "مین تمھیں اپنے خیالات بیان کرو"

بوس۔ "مین غازی کے اخیر جملہ کا جو بظاہر سراسر طنز آمیز معلوم ہوتا ہے

شکریہ ادا کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ غازی ایک نیک نیت و صاف باطن شخص ہیں ہم بنگالیوں کے متعلق جو رائے انھوں نے ظاہر کی ہے وہ ضرور خلصانہ ہوگی۔ (فرخ سے مخاطب ہوکر) تمھارا خیال صحیح ہے کہ شادی بیاہ کا مسئلہ گو بظاہر ایک شخصی فعل ہے مگر قومی ترقی کا مدار بہت کچھ اسپر بھی ہے کیونکہ کوئی قوم اوس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک مرد عورت دونوں کے قوائے عقلی وصحت جسمانی درست نہ ہوں جب دونوں صحیح العقل و تندرست ہوں گے تو اون کی متفقہ کوششوں کا نتیجہ ہمیشہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا دونوں محنت و جفاکشی کے متحمل ہوں گے جو کام کریں گے خواہ بغرض اکتساب معاش یا بخیال رفاہ عام حکمت و معقولیت سے مملو ہوگا اولاد بھی تندرست و لایق ہوں گی ایسوں کا وجود قوم و ملک کیلئے مفید ثابت ہوتا ہے اصلی مقصد خلقت آدم کا بھی یہی ہے کہ انسان اپنے وجود کو اپنے اور اپنے جنس کے لئے بکار آمد ثابت کرے خیال قومی ہمدردی اسی کا ایک ادنیٰ نتیجہ ہے ورنہ اور چارپایوں میں اور ایک انسان میں کوئی فرق نہیں رہے گا نفس پروری اور خود غرضی کی زندگی ایک حیوان مطلق بھی بسر کرتا ہے شادی و بیاہ میں بھی خود غرضی سے کام نہیں لینا چاہئے یعنی ایک مجہول النسب یا کٹھ مغز اور نکمی یا ناقص الخلقت یا ضعیف الجثہ لڑکی کے ساتھ محض اس کی دولت یا ظاہری حسن کے خیال سے شادی ہرگز نہیں کرنی چاہئے سب سے پہلے جس قوم و قبیلہ کی وہ ہو اس قوم و قبیلہ کے عادات و خصایل دریافت کرنا چاہئے پھر اس لڑکی کی شرافت و نجابت

دریافت کرنی چاہئیے اس کے اور اوس کے والدین کے اخلاقی حالات
کی تحقیق کرنی چاہیئے پھر لڑکی کی دماغی صلاحیت اور عام صحت کی حالت
معلوم کر لینی ضرور ہے اس کی تربیت و تعلیم کی کیفیت دریافت کرنی چاہیئے
جس قدر زیادہ اعلیٰ درجہ کی تربیت و تعلیم ہو اسی قدر زیادہ قابل قدر
سمجھنا چاہئیے یہ امر قابل افسوس ہے کہ ہند میں جب مردوں میں تعلیم نہیں ہے
تو بیچاری عورتیں کہاں سے تعلیم یافتہ ہوں گی خصوصاً مسلمان عورتوں
میں تو تعلیم بالکل ہی عنقا ہے معدودے چند جو ہیں وہ نہایت قابل قدر
ہیں خوش روی اور خوش خوی بھی نہایت پسندیدہ صفتیں ہیں کسی کا
قول ہے کہ اگر جورو خوش رو و خوش خو ہے تو اُس کے شوہر کے لئے دنیا ہی
بہشت ہے ورنہ جہنم بعضوں کا یہ بھی خیال ہے کہ شادی ہم کفو ہی میں
ہونی چاہیئے یہ خیال سائینس کی تحقیقات کے لحاظ سے اور روزمرہ کے
تجربہ سے بعض حالتوں میں مضر ثابت ہوا ہے ہمجد لوگوں میں شادی کا نتیجہ
یہ ہوتا ہے کہ آباو اجداد میں جو عوارض یا طبعی کمزوریاں یا اور کسی قسم کے
عیوب ہوتے ہیں وہ اولادوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور جس قدر خون
میں زیادہ قربت ہوتی ہے اوسی قدر وہ استقام زیادہ اولادوں میں ہوتے
ہیں منو جو ہم لوگوں کا رشی اور مقنن تھا اوس نے غالباً اسی اصول
کی بنیاد پر چچیرے خلیرے پھوپھیرے اور موہیرے بھائی بہنوں میں شادی
بیاہ کا رشتہ و پیوند ممنوع کر دیا ہے۔ میں نے جو اصول بیان کئے عورت
و مرد دونوں کے لئے یکساں ہیں یعنے جو باتیں لڑکیوں میں مطلوب ہیں قابل

دریافت ہیں کم و بیش لڑکوں میں بھی دریافت طلب و مطلوب ہیں۔"
فرخ۔ "میں لفظاً لفظاً تمھارے خیال سے متفق ہوں اب میرے خیالات کا
اظہار تحصیل حاصل ہے۔"
بوس۔ (مسکرا کر) "اگر تمام مطلوبہ صفتوں سے کاتب خط موصوف
ہو تو تم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ گویا منھ مانگی مراد گھر بیٹھے ملی۔"
احمد۔ (جلدی سے) "ہاں بھئی فرخ فوراً جواب لکھو خدا کرے تمھارے
خاطر خواہ جوڑ ملے بہت دنوں سے گانا بھی نہیں سنا ہے تمھاری شادی میں
جلسے تو دیکھنے میں آئیں گے۔ لکھنؤ کے بریوتس طائفے مقرر کئے جائیں گے
پھر تو مزے ہیں ہا ہا ہا!"
فرخ۔ "یہ کیسے معلوم کہ کاتب خط میں حسب دلخواہ باتیں موجود ہیں یا
نہیں۔ علاوہ اس کے میں ابھی شادی کرنے کو آمادہ بھی نہیں ہوں جب
کبھی میری شادی ہوئی بھی تو (احمد سے مخاطب ہو کر) آپ کی مراد گانا
سننے کی بر نہیں آئے گی اس سے تو آپ خاطر جمع رکھئے میں کیا پاگل ہوں
کہ ان لغویات میں اپنے باوا کے پیسے برباد کروں آپ کی فرمائش
کی ضرورت نہیں ہے خط کا جواب تو میں ضرور دوں گا۔"
اس اثنا میں خانساماں نے آن کر عرض کیا کہ ہنر تیار ہے فرخ مع اپنے
دوستوں کے ڈائیننگ[1] روم میں داخل ہوا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد
بوس اور احمد اپنے اپنے گھر کو گئے فرخ شرق رویہ برآمدہ میں تھوڑی دیر

---

[1] کھانے کا کمرہ۔

ٹھلتا رہا اور جب ٹ پیتا رہا جب ٹ تھوڑا باقی رہ گیا تھا کہ اسے پھینک کے اپنی خوابگاہ میں گیا کپڑے بدلکر شب خوابی لباس پہنے اور پلنگ پر جاکر لیٹ گیا تھوڑی دیر اوس خط کا خیال کرکے سو رہا۔ دوسرے دن کچھ ضروری کاموں میں ایسا پھنسا کہ خط کا جواب لکھنے کی اسے مطلق فرصت نہ ملی تیسرے دن صبح کو ہوا خوری سے واپس آنے کے بعد دفتر کے کمرہ میں جاکر جو پہلا کام اوس نے کیا وہ اسی خط کا جواب لکھنا تھا۔ جواب لکھکر دربان کو بلاکر وہ خط دے دیا کہ ڈاک میں ڈالدے۔"

چھٹا باب

آفتاب مشرقی مطلع سے نکلکر آسمان کی نیلگوں چادر چاک کرتا جلد جلد قدم اُٹھاتا آگے بڑھ رہا ہے دھوپ کی تیزی بھی اس وقت کسی کافر ادا کے حسن روز افزوں کی طرح لمحہ لمحہ ترقی ہو رہی ہے صبح کے سات بجا چاہتے ہیں افتخار النسا ناشتہ سے فارغ ہوکر اپنے کمرہ میں آرام کرسی پر ایک کھڑکی کے قریب ہاتھ میں ایک کتاب لئے بیٹھی ہے مگر نظر اس کی کتاب پر بھی نہیں ہے بلکہ کھڑکی کے سامنے کے پائیں باغ پر ہے اوس کا دل کہیں نظر کہیں خیال کہیں ہے ہوا کے جھونکے کسی تند مزاج معشوق کے خیالوں کی طرح جلد جلد آکر اس کے گیسوؤں کو اوڑا اوڑا کر اس کے رخ پر لے آتے ہیں اور اس کے سلسلہ خیال میں خلل اندازی کرکے اس کی طبیعت کو پراگندہ کر رہے ہیں آخر افتخار سے نہ رہا گیا اور اوس نے اوٹھکر

کھڑکی کے پٹ بند کر لئے اب پھر وہ اپنے بحر خیال کی نہ رکنے والی موجوں میں
مستغرق ہو گئی۔ دلی الجھنوں سے گھبرا کر دل ہی دل میں کہہ رہی ہے
ہائے میں پیدا کیوں ہوئی۔ یہ سولہا دن مجھ پر کس مصیبت سے گزرے ہیں
ایسا وقت خدا دشمن پر نہ ڈالے ۵ دن کٹا فریادوں میں اور رات زاری
میں کٹی، ہائے عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی۔ خصوصاً جب سے میں نے
فرخ کو خط بھیجا ہے اسے بھی آج (انگلیوں پر گن کر) بدھ آٹھ جمعرات
نو جمعہ دس ہفتہ گیارہ اتوار بارہ پیر تیرہ اللہ اکبر آج تیرھواں دن ہے
لکھنؤ تو چوتھے دن خط پہونچ جاتا ہے۔ یا الٰہی میرے خط کو کیا ہو گیا جو اب تک
نہ پہنچا ورنہ جواب کب کا آچکا ہوتا پہنچا کیوں نہ ہوگا ضرور پہنچا ہوگا معلوم
ہوتا ہے انھوں نے کچھ توجہ نہیں کی۔ نہ معلوم میری نسبت کیا کیا خیال
انھیں گزرا جو اس بے توجہی سے پیش آئے۔ سینہ سے دھوئیں اوٹھتے
ہیں اللہ رے گرمی نہ کیا آگ لگائے گی حرارت میرے دل کی۔ ایسا
تو کیا ہوگا کہ کسی لیڈی کا خط ملنے پر ایک یورپ کا تعلیم یافتہ جنٹلمین جواب
دینے سے گریز کرے۔ یہ تو بد تہذیب کج اخلاق جاہلوں کا کام ہے یہ بھی
ممکن ہے کہ محی الدین بی کے خاوند سے وہ خط کھو گیا ہو یا ڈاک میں ڈالنا
ہی بھول گیا ہو اور جب زیادہ دن ہو گئے تو اوس نے یہ خیال کیا ہو کہ
اگر اب یہ خط ڈالوں تو کہیں مکتوب الیہ کے خط سے دیر میں پہونچنے کا
حال نہ معلوم ہو جائے اور محی الدین بی مورد عتاب ہو۔ یہ سمجھ کر پھاڑ کر
پھینک دیا ہو۔ اگر پھاڑنے کے پہلے کہیں پڑھ لیا ہو تو بڑا غضب ہے

نہیں پہنچنے کا تو یہ جواب دے سکتا ہے کہ ہندوستان کے ڈاک والوں کا قصور ہے مگر ایسا کیا ہوگا۔ میں نے جب کبھی محی الدین لی سے پوچھا تو اُسنے قسمیں کھا کر کہا کہ میرے شوہر نے خط لگا دیا ہے پھر یہ دیر کیسی معلوم ہوتا ہے لکھنؤ کے ڈاکئے نے خط نہیں پہنچایا لیکن میں نے تو اس لئے خط بیرنگ بھیجا کہ محصول سرکار میں ادا کرنا پڑتا ہے ڈاکیا کاہلی کو کام میں نہ لائیگا کہیں اُنسے کھو گیا ہو تو اوس کا کیا علاج غریب نے اپنے پاس سے ایک آنہ دیدیا ہوگا الغیب عند اللہ نہ معلوم کیا بجوگ ہوا۔ مبادا وہ لکھنؤ میں نہ ہوں کہیں اور چلے گئے ہوں اُن کے آدمیوں نے خط رکھ لیا ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں جہاں وہ ہوں خط بھیجدیا گیا ہو شاید اسی لئے دیر ہوئی ہو سبب کچھ ہی ہو دیر تو بیحد ہوئی یہاں تو جان پر بن گئی۔ ایسی جان نکل جائے تو اچھا۔ جان بیچاری کا کیا قصور ہے۔ سارا فساد اس آفت مارے دل کا ہے جو میرے لئے بغلی گھونسا ہو گیا جس کی تڑپ نے میرا کلیجہ چھلنی کر ڈالا۔ کاشکے یہی پہلو سے نکل جائے نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسلی مگر دل نکلے ہجوم غم سے کیونکر؎ کچھ بھیڑ چھٹے تو راستہ ہو۔

دل سوا میرے پاس کہاں وہ تو کسی اور کا ہو گیا اوس کا پتہ بھی نہیں ملتا؎ فرقت میں اک صنم کی یہ تفرقہ پڑا ہے ؎ دل ہم کو ڈھونڈھتا ہے ہم دل کو ڈھونڈھتے ہیں۔ دنیا بھی کیا مقام ہے اب میں ہوں کہ اُنکی یاد میں میں نے زندگی تلخ کر ڈالی اور ان کو اوس کی پروا بھی نہ ہوگی؎ عشق میں جتنے سگے ہیں لالے پڑے ؎ ہائے کس بیدرد کے پالے پڑے

میری یہ ساری حرکتیں فضول و بیکار ہیں ۵ الفت کا عجب فقرہ ہے کہ ہوں وہ بھی بیقرار؛ دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی۔ یہ کیونکر معلوم ہو سکتا ہے ۵ میری آہوں کی واں خبر ہی نہیں؛ میرے نالوں میں کچھ اثر ہی نہیں۔ یہ تو سراسر میری زیادتی ہے ۵ گلا کسی کا یہ کیوں چپکے چپکے ہوتا ہے؛ وفا کا نام دل باوفا ڈبوتا ہے۔ ایک انجان شخص کیونکر ہمدرد و غمخوار ہو سکتا ہے۔ اگر اور دو دن بھی میری حالت یہی تو جینا وبال ہو جائے گا۔ انتظار کی کوئی حد بھی ہے۔ ایک تو ہجر یار نے مارا؛ دوسرے انتظار نے مارا؛ اوس تغافل شعار سے کہنا؛ گر صبا کوئے یار میں گزرے خط کا اب تک نہیں جواب آیا؛ دن بہت انتظار میں گزرے"

کسی کے آنے کی آہٹ پاکر افتخار ذرا سنبھل بیٹھی اور کتاب پر نظر دوڑانی شروع کی۔

عمدہ خانم" اوئی بیگم۔! یہ اچھی بلا تم نے میرے پیچھے لگا دی ہے تمھاری زبان سے اوس دن اتنا نکلنے کی دیر تھی کہ عمدہ خانم سبق و بدیا کریں گی بس جب سے حسین بی (محی الدین کی بیٹی) بری بلا کی طرح میرے پیچھے لپٹ گئی ہے اور وہ کی بھی لئے سایہ کی طرح میرے پیچھے پیچھے پڑی پھرتی ہے۔ اوٹھنا بیٹھنا دشوار ہو گیا ہے۔ شوق تو اس قیامت کا اور کند ذہن اس درجہ کہ پناہ بخدا اس کو پڑھانا ناک چنے چبانا ہے اس وقت بھی بمشکل اپنا پیچھا چھوڑا کر بھاگی ہوں"

افتخار۔ (کتاب سے نظر اوٹھا کر) یہ بھی ایک تو آپ کا کام ہے میں نے کہا تو

کوئی برائی کی۔ اگر تمھارا نہ جی چاہے تو نہ پڑھاؤ کوئی جبر تھوڑا ہی کرتا ہے"
عمدہ خانم۔ "اے ہے جبر کی نہ کہو اس کی بیوی نے ایسا ناک میں دم کر رکھا ہے
جہاں ذرا میں نے ٹالنا چاہا بس خوشامدوں اور قسموں کی وہ بھرمار کر دیتی
ہے کہ توبہ ہی بھلی پھر بھرا کوئی بس نہیں چلتا ڈر کے مارے کہنا ماننا ہی
پڑتا ہے"۔
افتخار۔ "محی الدین بی کا تمھیں ڈر کیا پڑا ہے"۔
عمدہ خانم۔ "صاحبزادی! میں کہتی ہوں نہ ابھی تمھارا بچپنا نہیں
گیا ہے۔ تم نے محی الدین بی کو مطلق نہیں پہچانا وہ ایک ہی بلا ہے
بے درماں ہے وہ عورت ہے کہ آسمان پھاڑ کے پیوند لگائے ہتیلی
پر سرسوں جمائے زمین و آسمان کے قلابے ملائے آٹھوں گانٹھ کمیت
ہے اس کی قسمیں اور منتیں نہ مانوں تو خبر کر نہ جانے سرکار یا بیگم صاحب
سے کیا لگا دے دلوں میں بر اس ڈالنا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل
ہے اللہ نے اس وقت تک تو آبرو سے گزار دی ہے آیندہ کا بھی وہی
مالک ہے مگر میں بھی اپنے نام کی ہوں۔ میں اوس سے ہوشیار رہتی ہوں
وہ ٹوال ٹوال تو میں بات بات ابھی چھٹا ساتواں دل ہے اوس نے
ایک وار مجھ پر کر ہی تو دیا مگر خالی گیا میں نے وہ کاٹ کی کہ اوسی کا جی جانتا
ہوگا میں تم سے کہنا ہی بھول گئی پھر کسی وقت کہونگی۔ جب سے اوسکی تینیا
کو پڑھا رہی ہوں تو ذرا سیدھی رہتی ہے۔ وہ کسی شریف کے ہاں بیٹھنے
کے لائق نہیں ہے تم نے خیال نہیں کیا چھوٹے میاں (افتخار کے چھوٹے بھائی

پر کیا ڈورسے ڈالتی ہے جہاں سلامتی سے وہ اندر اسے باغ باغ ہوجاتی ہے وہ تو نظر اوٹھاکر بھی نہیں دیکھنے خود ہے کہ وارد ارسکے پیچھے چھوٹے میاں کا پیچھا ہے حق تو یہ ہے کہ عجب تہرا ولڑکا ہے نہ دس بیٹیاں نہ ایک بیٹا میری آنکھوں میں ببول کے کانٹے اللہ رکھے تم سب بھائی بہن ایسے ہی ہوگے

افتخار ۔ (آہستہ اور متانت سے) "جو خاکہ محی الدین بی کا تم نے کھینچا ہے میرے خیال میں صحیح نہیں ہے یوں تو کسی کے دل کا حال کوئی دیکھنے نہیں گیا ہے میرے سامنے تو چھوٹے بھائی کا بڑا ادب کرتی ہے میں نے کبھی انکو گستاخانہ باتیں تک کرتے نہیں دیکھا"

عمدہ خانم ۔ "ہاں بیشک تمہارے سامنے اور بیگم صاحب کے سامنے بھی چھوٹے میاں سے بہت ادب سے پیش آتی ہے مگر جب تم نہ ہوتی ہو اُس وقت اوس کی ادائیں دیکھنے کے قابل ہیں بوٹی بوٹی پھڑکتی ہے اس کا تھرکنا بل کھانا مٹکنا چٹکنا مسکرانا کبھی قہقہے لگانا دیکھنے کے لایق ہوتا ہے میری تو وہ جان جلتی ہے کہ میرا بس چلے تو ایک سانٹ بھی ایسی نخرے باز قحبہ کو میں رہنے نہ دوں چھوٹے میاں نے خود دو ایک دفعہ اوسے ڈانٹا مگر وہ اپنی خصلت کہیں چھوڑ سکتی ہے"

افتخار ۔ "خیر ہوگا جو جیسا کرے گا ویسا بھگتے گا بقول شخصے ؎ از مکافات عمل غافل مشو۔ گندم از گندم بروید جو ز جو"

عمدہ خانم ۔ "یہ کہو تمہاری اُداسی کب جائیگی روز بروز مجھ کہنے والی کا

رنگ زرد ہوتا جاتا ہے چہرہ سُتتا جاتا ہے میں دیکھتی ہوں کھانا بھی بالکل چھوٹ گیا ہے کل ہی تو بیگم صاحب باتوں باتوں میں مجھ سے کہنے لگیں کہ لڑکی دبلی کیوں ہوتی جاتی ہے حکیم شفقت حسین کو بلوا کر نبض وغیرہ دکھانا چاہیئے۔"

افتخار "تمہیں تو وہم نے گھیرا ہے تمھیں اپنی نبض دکھاؤ شاید حکیم صاحب کوئی نسخہ لکھ دیں کہ تمہارا وہم جاتا رہے مگر وہم کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہ تھا نہ میرا چہرہ سُتا ہے نہ رنگ زرد ہوا ہے اچھی بھلی تھا می ہٹی کٹی ہوں۔ وہم کی دوا تو بیشک کسی حکیم کے پاس نہیں ہے مگر اپنی آنکھوں کا ضرور علاج کرواؤ۔"

عمدہ خانم "میں اپنی آنکھوں کا علاج تو پیچھے کروں گی تم اپنے دل کا علاج پہلے کرو۔ تاکہ تمہارے قابو میں ہو جائے تمہارے چھپانے سے کیا ہوتا ہے۔ یہاں تو تانت باجا راگ پہچانا۔ تمہارے کہنے کی ضرورت نہیں۔ بقول شخصے فقیر کی صورت سوال ہے۔ اب تو جی مکھول سکھ کر وتے ہیں کہ آئی سر پر۔ وہ مصیبت کہ بہت جس کا ہمیں کھٹکا تھا۔ میں حیران ہوں کہ اس زخم کا اندمال کیونکر ہو گا یہ رات دن کی کڑھن اچھی نہیں ہے یہ لگا یا روگ جوانی میں تم نے کیوں بیگم؟ ابھی تو کھیل تماشے کے تمہارے دن!"

افتخار "تم نے تو بک بک کر میرا سر پکا دیا میں کیا ایسی نادان ہوں جو..... اتنے میں محی الدین بی فدا قدم بڑھائے ادھر اودھر دیکھتی کچھ مسکراتی ہوئی آئی۔

محی الدین بی۔ "خانم صاحب آپ یہاں بیٹھے ہیں چھوٹے میاں آپ کو بلا رہے ہیں نا؟"

عمدہ خانم۔ "چل چخنے تجھے تو یہی رہتا ہے۔ چھوٹے میاں مجھے بلاتے ہوں گے مجھ سے ان کا کیا کام اڑا ہے۔"

محی الدین بی۔ "اوئی! آپ خفا کیوں ہوتے ہیں ہمیں کیا معلوم وہ کیا بات سے کیے واسطے بلاتے ہیں؟"

افتخار۔ "شاید کوئی کام ہو جا کر پوچھ کیوں نہیں لیتی ہو۔"

عمدہ خانم۔ "تم کیا جانو اس خیلا کو اس کی دلگی یہی ہے کئی بار مجھ کو دھوکے دے چکی ہے۔"

محی الدین بی۔ "بھلا جھوٹ بولنے سے میرے کو کیا ملیگا (افتخار سے مخاطب ہو کر) آپ سدا بہار سے بلا کر پوچھ لو اگر میں جھوٹ بولتی ہوں تو"

افتخار (عمدہ خانم سے) "کھڑی کھڑی جا کر دریافت کیوں نہیں کر لیتیں شاید کسی ضروری کام کے لئے بلایا ہو چھوٹے بھائی انتظار میں ہونگے"

عمدہ خانم۔ اوٹھکر چلی گئی۔

محی الدین بی "صاحبزادی آپ کی مزاج کیوں ہے منھ اُترا ہے۔"

افتخار۔ "اچھی تو ہوں۔ کیوں خیر تو ہے۔ خلاف معمول آج مزاج پرسی کیوں ہو رہی ہے میں دیکھتی ہوں آج تمھیں ہنسی بہت آرہی ہے کہیں گرا ہوا خزانہ تو نہیں مل گیا یا زعفران کا کھیت دیکھ آئی ہو۔"

محی الدین بی۔ (ذرا مسکرا کر اور بل کھا کر) "آپ خوش رہو تو میرے لئے

خزانہ ہی مِلے سر بکا ہے“

افتخار — (اپنے دل میں) ہوئی مدت اسیران محبت کو نہیں معلوم خوشی ہے نام کس شئے کا مسرت کس کو کہتے ہیں) اللہ کا شکر ہے کہ اُسنے مجھے ہر طرح خوش رکھا ہے۔“

محی الدین بی — (اپنی چولی میں سے ایک خط نکالکر) ”لو جہاں آپ تھوڑے خوش تھے اب بہت ہو جاؤ۔“

خط دیکھتے ہی افتخار کا دل کچھ تو حیرت و استعجاب سے کچھ سنبھال امید بہت زور سے دھڑکنے لگا جلدی سے خط لیکر پہلے لفافہ کی مہروں پر نظر ڈالی جس سے اس کا استعجاب اور بڑھا ساتھ ہی اس کے دل کی حرکت بھی بڑھی کیونکہ روانگی کا مقام لکھنؤ نہ تھا بلکہ کلکتہ تھا۔ افتخار نے جھٹ لفافہ چاک کر کے خط پڑھنا شروع کیا۔

خط

۱۱؎ ولنگٹن روڈ کلکتہ

۲۴ ڈسمبر ۱۸۹۴ء

جناب مستفسر حالات سلامت

آپ کا عنایت نامہ دور دراز کی سیر و سیاحت کرتا اور متعدد ڈاکخانوں کا معائنہ کرتا ہوا بالآخر مجھ تک پہنچا۔ مزاج پرسی کا تو معمولی لفظوں میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر آپ کے حسن ظن کا اور ان بے انتہا مہربانی بھرے جذبات کا

جو مجھ ناچیز اجنبی کی نسبت آپ نے ظاہر کئے ہیں شکریہ ادا کرنے کے لئے موزوں و مناسب الفاظ غور و خوض کرنے پر بھی مجھ کو نہیں ملتے اس لئے اس فرض کی ادائی میں قاصر ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھ سے اجنبی کو اس طرح پر مخاطب کرنے اور نہ رُکنے والے جذبات کا اظہار کرنے کی نسبت جن وسوسوں و ہم و دغدغوں اور انفعال کو ظاہر کر کے آپ نے معذرت خواہی کی ہے ان کی نسبت آپ کی تشفی و اطمینان کے لئے بہرا اس قدر لکھنا غالباً کافی ہوگا کہ آپ کے انفعال آمیز خیالات اور آپ کی الجھن بلحاظ حالات مخصوصہ بے شک حق بجانب ہیں اور میں ان کو خاص طرح کی مجبوریوں سے منسوب کرتا ہوں اور اس کا یقین دلاتا ہوں کہ ہرگز کسی قسم کی بدظنی آپ کے مخاطب کے دل میں پیدا نہیں ہوئی ہے اور آپ ہر طرح سے مطمئن رہیں اس قدر سمع خراشی کے بعد آمدم بر سر مطلب۔ بلحاظ تسلسل سوالات کے جوابات مطلوبہ ادا کئے جاتے ہیں۔

ف ۱۔ ۲۴ ماہ ڈسمبر ۱۸۶۵ء میری ولادت ہے اس اعتبار سے مجھے ترپنواں سال شروع ہوا ہے۔

ف ۲۔ والدہ مرحومہ کے انتقال کو عرصہ ہوا الحمد للہ والد زندہ ہیں۔

ف ۳۔ والدہ مرحومہ کا اسم گرامی گیتی آرا بیگم تھا خدا تا دیر سلامت رکھے میرے والد کا نام نامی نواب سید فریدوں جاہ مرزا ہے۔

ف ۴۔ میرے والد کو سرکار انگریزی سے ایک سو روپیہ ماہانہ کا وثیقہ ہے علاوہ اس کے وہ درجہ اول کے ڈپوٹی مجسٹریٹ و ڈپوٹی کلکٹر ہیں اسما

خدمت کی ماہوار آٹھ سو ہے۔ اندنوں اون کا مستقر خاص فیض آباد ہے اور مکان آبائی لکھنؤ کے محلہ وزیر گنج میں ہے۔ ہم نبشہ پوریوں کا خاندان لکھنؤ میں غیر معروف نہیں ہے۔

ف۔ مذہب مسلم۔ سُنی و شیعہ کی تفریق کو جو بعد رسالت مآب اُسوقت کے حالات کے لحاظ سے پیدا ہوئی تھی میں پسند نہیں کرتا ہم مسلمانوں کی تباہی کا باعث آپس کی فروعی تفریقیں ہوئیں جنھوں نے ہمکو اس حالت کو پہنچا دیا ہے۔

ف۔ میری شادی ابھی نہیں ہوئی ہے۔

ف۔ پیغام تو بہت آئے اور آرہے ہیں مگر نسبت کہیں مقرر نہیں ہوئی ہے۔

ف۔ شادی ایسی ہی خاندان میں ہونی چاہئے جہاں پیوند میں پیوند مل سکے۔ شرافت نسبی کے ساتھ عالی خاندانی کا بھی خیال ہے اور یہ صفات صرف امارت ظاہری پر بہر حال میں لایق ترجیح ہیں اس قسم کے رشتہ و پیوند میں مجرد امارت ظاہری کا خیال کرنا اور بقیہ صفات متذکرہ کو بخیال دولت نظر انداز کرنا میرے نزدیک کم ہمتی اور جہالت کی دلیل ہے وجاہت و حسن ظاہری بھی دلکش صفت ہے جسے ہر شخص پسند کرتا ہے یہانتک تو میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی اب میری بھی کچھہ فرمایش بجالائیے مستفسر کو لازم ہے کہ اپنے حالات سے مطلع کرے اور مندرجہ ذیل سوالات کے جواب ادا کرے۔

آپ کا اسم مبارک اور عمر کیا ہے آپ کے والد کا اسم گرامی کیا ہے اور

وہ حی الفاہم ہیں۔ اپنے سلسلہ جدی و مادری سے واقف کیجئے۔ وجہ معاش آپ کے والد کی کیا ہے۔ آپکی تعلیم کس طریقہ کی اور کس حد تک ہوئی۔ غالباً آپ کی شادی تو نہیں ہوئی ہے یہ بتلائیے کہ انتخاب و تقرر نسبت میں دخل و قدرت کسی حد تک آپ کو بھی ہے۔ کن صفات سے اُس شخص کو متصف ہونا چاہئے۔ جس کو خوش قسمتی سے آپ کے شوہر ہونے کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔ آپ اپنی تصویر مجھ کو بھیج سکتی ہیں۔ اس کا میں یقین دلاتا ہوں کہ اس کا افشا کسی طرح پر نہ کیا جائے گا بلکہ مدت العمر ایک راز سربستہ رہے گا۔

ازراہ کرم استفسارات بالا کے جوابات جلد اور بہت جلد دیجئے تاکہ میری بیچینی اور انتظار کا اضطرار جلد دور ہو۔

آپ کا خیر طلب جواب کا منتظر

فرخ

خط پڑھتے ہی کچھ عجب بشاشت روحانی افتخار کو محسوس ہوئی خون زوروں سے رگوں میں دوڑنے لگا اور وہ چہرہ جو لمحہ بھر قبل افسردہ و مشوش دکھائی دیرہا تھا اس پر تازگی و اطمینان کے آثار نمایاں ہوگئے سوکھے دہانوں میں جیسے پانی پڑا۔ اوس نے اس خط کو کئی بار کبھی غور سے کبھی جلد جلد پڑھا۔

محی الدین بی۔ (جواب تک وہیں کھڑی تھی) کیوں صاحبزادی خیر تو ہے نا۔ یہ اوسی خط کا جواب ہے نا جو میرے کو آپ ٹپہ میں ڈالنے کو

دیئے تھے"

افتخار۔ (ٹال کر) "نہیں یہ اوس کا جواب نہیں ہے یہ ایک اور خط ہے تم جاؤ اپنا کام کرو"

محی الدین بی تو چلی گئی افتخار نے پھر خط پڑھنا شروع کیا عمدہ خانم کو آتے دیکھکر خط کو کتاب میں جو اوپر رکھی تھی رکھ لیا اور عمدہ خانم سے پوچھا "کیوں خیر تو ہے چھوٹے بھائی نے تمھیں کیوں بلایا تھا"

عمدہ خانم۔ "اللہ رکھے تم لوگوں کی سلامتی میں خیر ہی خیر ہے میرے پاس کل قمیص کے جو تام رکھوائے تھے وہ لینے کے لئے مجھے بلوایا تھا۔ اس وقت تو میں دیکھتی ہوں میری آنکھوں میں خاک تمھارے چہرہ پر ہمیشہ کی سی شگفتگی جو کئی روز سے عنقا کی طرح غائب تھی ماشاء اللہ پھر آگئی ہے۔ کیا محی الدین بی کوئی مژدہ جانفزا سنا گئی"؟

افتخار (جس کی باچھیں بے ساختہ کھلی جاتی تھیں) "اب مجھے یقین ہو گیا تمھارا وہم مالیخولیا کی حد تک پہنچ گیا ہے کبھی تو کہتی ہو کہ میں آزردہ و کبیدہ دکھائی دیتی ہوں میرا چہرہ ستا گیا ہے میں دبلی ہو گئی ہوں میرے چہرے سے اوداسی ٹپکتی ہے اور اب یہ کہنا شروع ہو گیا کہ میں بشاش و شگفتہ معلوم ہوتی ہوں (ہنسکر) ابھی تم نے تو مجھے خاصہ گرگٹ بنا دیا کہ رہ رہکر رنگ بدلتی ہوں اصل جو پوچھو تو تمھارا ایک خیال بھی صحیح نہیں ہے نہ یہ نہ وہ جو کیفیت میری تھی وہی ہے آخر بدلنے کا سبب"

عمدہ خانم (بلائیں لیکر) خدا تمہیں ہمیشہ خوش و بشاش رکھے اس سے

بڑھکر مجھے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ میں تم کو ہمیشہ ہنستا ہوا دیکھوں
یہہ تو ضرور کہوں گی کہ اس وقت کوئی بات ایسی ہوئی ہے جس نے
تمھاری فکر دو سہ کی ہے انسان کا چہرہ اس کے دل کی کتاب کا دیباچہ
ہے جو کیفیت دل پر گزرتی ہے وہ چہرہ سے چھپائے نہیں چھپتی ؎
افتخار تھوڑی دیر تک عمدہ خانم سے ادھر اودھر کی باتیں کرتی
رہی اس کے بعد عمدہ خانم چلی گئی اور افتخار طرح طرح کے
خیالات کے دریا میں غوطہ زنی کرنے لگی اب یہہ فکر اُسی دامنگیر
ہوئی کہ فرخ کے حالات خاندانی اور فرخ کے اخلاق و اطوار
کی حقیقی کیفیت کسی طرح دریافت کرنی چاہیئے اس میں شک نہیں
نیشپور والوں کا خاندان لکھنؤ میں مشہور و معروف ہے مگر کسی
طریقہ اور کسی ذریعہ سے صحیح حالات ضروری متحقق کئے جائیں
اس اودھیڑبن میں تھوڑی دیر تک اپنا دماغ کھپایا ایکدفعہ
اُس کے دماغ میں ایک روشنی سی پھیل گئی اور اُس نے
اپنے دل میں کہا واہ ؎ آب در کوزہ و من تشنہ دہان میگردم
یار در خانہ و من گرد جہاں میگردم ۔
عمدہ خانم سے بہتر کون شخص ہوگا یہہ تو لکھنؤ ہی کی رہنے والی
ہے ممکن ہے کہ نیشہ پور والوں سے ذاتی واقفیت رکھتی ہو
ورنہ اس کے عزیز و اقارب لکھنؤ میں ہیں خصوصًا اس کے رشتے کا
کوئی بھانجا یا بھتیجا نصیرالدین حیدر نامی رکاب گنج میں ہے جس کے پاس

اکثر خط آتے جاتے ہیں وہ بہت آسانی سے نصیر الدین حیدر کو لکھکر فرخ کے حالات دریافت کر سکتی ہے مگر مشکل یہہ ہے کہ عمدہ خانم پر اصلی راز ظاہر کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اب اس حیص و بیص میں ہوئی کہ اگر عمدہ خانم سے حقیقت حال کا اظہار کرے تو وہ بیجد چھیڑے گی اور ستائیگی کیونکہ جو کچھہ اُس نے بھانپا تھا آخر کار سچ نکلا۔ دو چار روز افتخار اسی مخمصے میں رہی کہ کہے یا نہ کہے آخر اُس نے اس کا فیصلہ کیا کہ بغیر عمدہ خانم کو رازدار بنائے گذر نہیں ہے فرخ کے خط کو آنکر چوتھا روز تھا کہ عمدہ خانم حسب معمول افتخار کے پاس آنکر بیٹھی۔ افتخار نے دل مضبوط کر کے عمدہ خانم سے یہہ گفتگو شروع کی۔

افتخار۔ "میری اچھی عمدہ خانم میں تم سے ایک بات کہا چاہتی ہوں مگر شرط یہہ ہے کہ جب تک میں نہ کہوں اس کا ذکر کسی سے نہ کرو اور اس کو ایک امانت کی طرح اپنے دل میں رکھو اور اس کا وعدہ کرو کہ حتی الامکان تم میری مدد کرو گی"

عمدہ خانم۔ (ذرا چونک کر) "شوق سے کہو بھلا میں ایسی کمینی ہوں کہ تم کسی بات کو منع کرو اور میں اُس کو ظاہر کروں اور مدد بھلا میں تمھاری کیا کر سکتی ہوں اس پر بھی جو کچھہ میرے سے کئے ہو سکتا ہے تم سے ہرگز دریغ نہ کروں گی اس کا یقین رکھو کہ اگر میری جان بھی تم لوگوں کے کام آئے تو وہ بھی مجھہ کو عزیز نہ ہو گی۔

ہیں تو بال بال تم لوگوں کے احسان ہیں جکڑی ہوئی ہوں اگر میرے چمڑے کی جوتی بناؤ تو بھی حق سے ادا نہ ہوں گی لو کہہ ڈالو وہ کون سا ایسا راز ہے (ذرا مسکرا کر) ہیں سمجھی وہی ڈاکٹر والا معاملہ تو نہیں ہے جسکی تصویر تمنے اخبار میں دیکھی تھی"

افتخار۔ (متبسم ہو کر) دیکھو اس وقت ہنسی کی نہیں ہے اچھا اس کی قسم کھاؤ کہ مجھے چھیڑو گی تو نہیں"

عمدہ خانم۔ تمہیں بتاؤ جس کی قسم کہو کھاؤں تمہاری پیاری جان کی قسم میں نہیں چھیڑوں گی چھیڑنے اور تمسخر کا بھی محل ہوتا ہے میں کیا دیوانی ہوں کہ کام کی باتوں میں دل لگی کروں"

افتخار۔ لو کھلم کھلا ساری حقیقت کہتی ہوں۔ جب سے میں نے ڈاکٹر فرخ مرزا کی تصویر دیکھی ہے سچ سچ میرا دل بے قابو ہو گیا ہے اتنا کہنا تھا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ عمدہ خانم نے جھٹ گلے سے لگا کر تشفی و تسکین کے کلمے کہے اور کہا گھبراؤ نہیں پریشان نہ ہو۔ خدا ہر مشکل کا آسان کرنے والا ہے۔

بہر کاریکہ ہمت بستہ گرد د۔ اگر خارے بود گلدستہ گرد د۔

انسان کو چاہئے کہ استقلال اور ہمت سے کام لے بیشک یہہ معاملہ بہت کٹھن اور نازک ہے خاص کر کے جبکہ پتہ ٹھکانا بھی نہ معلوم ہو مگر دل نہ ہارو اللہ مسبب الاسباب ہے غیب سے ایسی شکلیں پیدا ہو جائیں گی اور ایسے اسباب مہیا ہوں گے کہ

سارا کام بن جائے گا اور تمھاری آرزو پوری ہو گی"
افتخار یہ جو ایک خاص حالت تاری ہو گئی تھی اس سے جب افاقہ ہوا تو اوس نے کہنا شروع کیا۔ پتہ تمھکا ناسب لگا لیا ہے بات یہہ ہے کہ ہیں نے ایک خط انھیں فرضی نام و پتہ سے لکھا تھا"

عمدہ خانم۔ (بات کاٹ کر تحیر کے ساتھ) کیا تم نے ڈاکٹر کو خط لکھ بھیجا تھا"

افتخار "خط لکھا تھا اور جواب بھی آیا"

عمدہ خانم۔ (جس کا تحیر و استعجاب لمحہ ترقی کر رہا تھا) بیگم تم نے تو غضب ہی کیا بھلا وہ ڈاکٹر اپنے جی میں کیا سمجھتے ہونگے خدا نہ کرے تمھاری طرف سے اگر انھیں بدگمانی پیدا ہو گئی تو سارا کام بھنڈول ہو جائے گا۔ تم چاہے کچھ ہی کہو میری آن کی بات یاد رکھو بُرا کیا یہ بڑا ہاں بچہ تو کہو لکھا کیا تھا"

افتخار "تم پریشان نہ ہو خدا نہ کرے میں نے کچھ فضول و بیہودہ باتیں نہیں لکھی تھیں میں نے جو خط بھیجا اس کا مسودہ میں نے نہیں رکھا مگر اُن کے پاس سے جو جواب آیا ہے وہ تمھیں سناتی ہوں اس سے تم کو میرے خط کے مضمون و طرز تحریر کا اندازہ ہو جائے گا لو سنو"

افتخار نے کتاب میں سے فرخ کا خط نکال کر شروع سے اخیر تک

پڑھکر سنایا عمدہ خانم نے وہ خط لیکے بڑے غور سے ایک ایک حرف پڑھا اور جو جو لفظ نہیں نکلے افتخار سے پڑھوائے اس کے بعد ہنسکر بولی۔

"مبارک! الحمد للہ ہر آنچہ خاطر میخواست آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید۔ جیسا تم چاہتی تھیں ویسا ہی جوڑا اللہ نے ملایا۔ تصویر دیکھتے ہی اندر سے میرا دل بول اوٹھا تھا کہ یہہ لڑکا ہو نہ ہو بیشک پوری نواب زادہ دل میں ہے اور وہی نکلا۔ بیشک ان کا کیا کہنا۔ ان کی ذات رات پوچھنے کو کہیں جانا نہیں علم بھی وہ حاصل کیا ہے بقول اخبار والے کے ہندوستان بھر میں یکتا ہے صورت شکل میں ماشاء اللہ مردوں کے لیئے خوبصورتی کی ضرورت بھی نہیں ہے بدشکل نہ ہو تو کافی ہے یہ تو نام خدا چاند کا ٹکڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم نے بڑی ہوشیاری سے خط لکھا تھا جب تو وہ لکھتے ہیں کہ میں ہرگز تم سے بدگمان نہیں ہوں یہی بات میرے دل میں کھٹکی تھی کہ خدا نہ کرے تم سے کہیں بدظن نہ ہو گئے ہوں۔ مگر نہیں ماشاء اللہ۔ تمھاری ذہانت کی تو میں ہمیشہ قایل ہوں اب یہہ بتاؤ کہ جو باتیں اونھوں نے دریافت کی ہیں وہ تو صحیح صحیح لکھنا ہونگی۔ پھر تو فرضی پردہ اوٹھ جائیگا۔ جواب دینا تو لازمی ہے مگر ذرا مجھے دکھا دینا ابھی لکھتی ہو نا؟

افتخار۔ (مسکراکر) تم بھی عجیب بوکھل ہو یا تو اس قدر احتیاط برتنے کا خیال تھا یا یہ جلدی کہ ابھی جواب بھی لکھدوں۔ نہ انکے خاندانی حالات کی تحقیق کی گئی نہ اون کے چال چلن کی کیفیت دریافت کی گئی۔ ممکن ہے جو کچھہ اونھوں نے لکھا ہے صحیح ہو اور ضرور صحیح ہے مگر ہر شخص کو حتی الامکان اطمینان کرلینا چاہئے (نیچی نظر کرکے اور ذرا جھیپ کر) خصوصاً ایسے معاملہ میں تو کچھ بھر کے ہر طرح کا اطمینان کرلینا چاہئے آگے قسمت۔ ہاں تم تو نیشہ پور والوں سے خوب واقف ہوگی جب ہی تو یہہ کہا کہ تصویر دیکھتے ہی تاڑ گئی کہ ڈاکٹر صاحب نیشہ پوری نواب زادوں میں ہیں "

عمدہ خانم۔ (ذرا شیخی کے لہجہ میں) ہُں تو ان کی سات پشت سے واقف ہوں یہہ معلوم نہیں یہہ کن کے بیٹے ہیں ہاں خط میں ابھی پڑھا تھا نا "

افتخار۔ (بے تحاشا ہنسکر) اس کی بھی ایک ہی کہی۔ باپ سے تو ناواقف اور پھر سات پشت سے واقف جب باپ ہی کا حال معلوم نہیں تو دادا پردادا کون تجھے کس طرح معلوم ہو سکتا ہے تم بھی عجیب معجون مرکب ہو "

عمدہ خانم۔ (کھسیانی ہنسی کے ساتھہ) اوئی! تم بھی غضب بال کی کھال کھینچتی ہو میرا مطلب یہ ہے کہ نواب شاہجہان میرزا بہادر

کون نہیں واقف انھیں کے پوتے پرپوتے یہ بھی ہوں گے"
افتخار۔"یہاں تماس کو دخل دینے سے کام نہیں نکلنے کا بلکہ تحقیق کی ضرورت ہے اس لئے میں تم سے دریافت کرنا چاہتی تھی یوں تو میں نے بھی لکھنؤ کی تاریخ قیصریہ میں نیشاپور والوں کے خاندان کا حال پڑھا ہے مگر ان لوگوں کا وسیع کنبہ ہے شاہجہاں مرزا کا نام مجھے یاد آتا ہے کہ دیکھا ہے اس کے ساتھ یہ بھی یاد ہے کہ وہ تین بھائی تھے غازی الدین حیدر کے زمانہ میں زندہ تھے نہیں معلوم ڈاکٹر صاحب کس سلسلہ میں ہیں علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب کی والدہ کا سلسلہ نسب بھی دریافت کرنا ہے"
عمدہ خانم۔"ہاں تمھارا خیال صحیح ہے۔ یہ تو تم نے کہا ہی نہیں مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتی ہو (ٹھنڈی سانس لیکر) میں اس لائق کب ہوں کہ دوسروں کی مدد کروں اپنی مدد تو آپ کر ہی نہیں سکتی بقول شخصے مولی اپنے پتوں آپ بھاری ہے۔ تمھارا صدقہ کھاتی ہوں تم لوگوں کے لئے دعائیں کیا کرتی ہوں سوا اس کے اور میں کس مرض کی دوا ہوں"
افتخار۔"جس قسم کی امداد تم سے مطلوب ہے رفتہ رفتہ تم سے کہوں گی سردست تو ان کے حالات کے متعلق تم سے پوچھنا تھا مگر اس بارہ میں تم اتنی ہی واقفیت رکھتی ہو جتنی مجھے ہے مگر تم ایک کام بآسانی کر سکتی ہو تمھارے بھانجے یا بھتیجے وہ کون ہیں

شاید نصیر الدین حیدر نام ہے جن کے ہاں سے تمھارے پاس
خط کبھی کبھی آیا کرتے ہیں ان کو لکھکر دریافت کرو جو باتیں
مجھے دریافت کرنی ہیں وہ اپنے طور پر معتبر ذرایع سے دریافت
کرکے تم کو لکھ بھیجیں"۔

عمدہ خانم۔ (مارے خوشی کے بیتاب ہوکر) "قربان جاؤں
ماشاء اللہ ماشاء اللہ کیا پتہ کی سوجھی ہے۔ تو پھر کہو کیا لکھوں"

افتخار۔ "یا میرے الہی! اس قدر جلدی نکرو ٹھہرو ذرا مجھے سوچنے
تو دو جب تک تم اپنا (ہنسکر) قلمدان وزارت تو لاؤ تم بھی انگریزی
لکھنے کے قلم و روشنائی سے لکھا نہیں جاتا۔ بہتر یہ ہوگا کہ میں
خود ہی مسودہ کرکے تم کو دوں تم اسے صاف کرکے بھیجدو" یہ
کہکر افتخار اپنے لکھنے کے میز کے قریب والی کرسی پر جا بیٹھی اور
ایک کاغذ پر مسودہ کیا اور اوس میں کل ضروری امور فرخ کے
خاندانی حالات کے متعلق اوس کے والد کے ذریعہ معاش اور
فرخ کے اخلاقی عادات و اطوار کی نسبت درج کئے اور یہ بھی
لکھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو مستند ذرایع سے تحقیقات کرکے امور
مستفسرہ کے جوابات بھیجے جائیں جبکہ افتخار مسودہ لکھنے میں مشغول
تھی عمدہ خانم اپنا دقیانوسی ٹوٹا ہوا لکڑی کا چھوٹا سا قلمدان
لیکر آئی جس میں دو تین ٹوٹی قلم پڑے ہوئے تھے مصطفائی
روشنائی کی صوف دار ایک پیتل کی دوات تھی اور ایک عینک

پینسل کی کمانیوں کی تھی جس کے کسی مقام پر سفید دھاگہ لپٹا تھا
اور دو تین آئینے کے پیسے قلمدان کے ایک کونہ میں تھے ۔
افتخار نے مسودہ عمدہ خانم کو سنایا جیسے سنتے ہی بھڑک گئی اور تعریفوں کے
پل باندھ دئیے پھر وہ مسودہ افتخار سے لیکر پہلے تو اوس نے
اوس کو کئی بار افتخار کی مدد سے پڑھا اوس کے بعد اولجھ اولجھ
کے صاف کیا جب صاف کر چکی تو افتخار کو دیا ۔

افتخار - تمہاری لمبی لمبی ٹانگ کے کیڑے مکوڑے جیسے تو
کبھی بآسانی نہیں پڑھے گئے تمہیں پڑھکر سنانے تجھے تو فکر اس کی
ہے تمہارا خط اچھی طرح نصیرالدین حیدر سے پڑھا بھی جاتا ہے
کہ نہیں کہیں کوئی مطلب نہ فوت ہو جائے ۔ تمہارا خط بقول شخصے
اس کہاوت کا مصداق ہے لکھیں عیسی پڑھیں خدا یا یوں
کہوں لکھیں ایسا پڑھیں خود آ ۔

عمدہ خانم - میں تو ایسا ہی لولہا لنگڑا لکھتی ہوں مگر نصیر میرے
خط کا عادی ہے چاہے کیسا ہی جلدی لکھوں ماشاءاللہ ایک ایک
حرف نکال لیتا ہے اس سے خاطر جمع رہو ۔

خط لفافہ میں بند کر کے نصیرالدین کا پتہ لکھکر ڈاکخانہ بھجوا دیا گیا ۔

ساتواں باب

شام کے چھ بجا چاہتے ہیں دن اور رات ایک دوسرے سے

بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کر رہے ہیں دن بھر کا تھکا ماندہ آفتاب
جہانتاب جلد جلد قدم بڑھاتا در و دیوار و کوہ و بیابان سے اپنی
روشنی سمیٹتا افق مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ سفیدی ناپید ہوتی
جاتی ہے اور سیاہی صفحہ دہر پر اپنا رنگ جمانے کی فکر میں ہے۔
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے درخت مستانہ وار جھوم جھوم کر
معبود حقیقی کی بندگی کے لئے سر جھکا رہے ہیں فرخ دوا خانہ سے
واپس آکر حسب معمول اپنی کوٹھی کے مشرقی رو بہ بر آمدہ میں
ایک ڈریسنگ گون[1] پہنے چہل قدمی کر رہا ہے فلک جفا پیشہ نے
بیٹھے بٹھائے ایک تندرست دماغ کو پراگندہ کر رکھا ہے جب
سے افتخار کا خط آیا ہے راحت و سکون دماغی کو فرخ نے خیرباد
کہہ دیا ہے۔ راتوں کو سکھ نیند سونا بھی خواب و خیال ہو گیا ہے
کبھی کچھ سوچتا رہتا ہے کبھی بالکل خالی الذہن ہو جایا کرتا ہے
چنانچہ اس وقت بھی آشفتہ دل فرخ ٹہلتا جاتا ہے اور سوچتا
جاتا ہے مختلف اقسام کے خیالات اس کے دماغ میں جو تیزی
کر رہے ہیں طرح طرح کے قیاسات کا لشکر اوس کے دماغ کو
رزمگاہ بنائے ہوئے ہے افتخار کی صورت و حالات کے
متعلق بھی فرخ کا خیال کبھی کچھ ہوتا ہے کبھی کچھ ہوتا ہے کبھی
اوس کے تصور میں افتخار ایک کم سن عالی خاندان تہا بہت

[1] قسم لبادہ۔

پاکیزہ و شستہ خیالات کی اُنکی وجہ کی تفہیم یافتہ معصوم صورت حسن کی دیوی بنکر آتی ہے کبھی انیاری تصویر ایک شوخ و شنگ طرار پری جمال گو ذرا سن عورت کی نظر آتی ہے کبھی ایک پختہ عمر کی صورت کی سن رسیدہ گو خوب تعلیم یافتہ ہو عورت ہندوستان کے قدیم زنانہ لباس میں اس کے روبرو ہوتی ہے کبھی ایک سوہنی صورت مغربی طریقہ کی تعلیم یافتہ نہایت خوش وضع ساری اور جیکٹ پہنے کسی عالیخاندان امیرزادی کا مرقع اس کو دکھائی دیتا ہے اور اپنی فریفتگی کا اظہار کرتا ہے جو فرخ کو ہزار جان سے اپنا گرویدہ کرتا ہے اس وقت بھی اُسکے پیش نظر اسی شمع کی تصویریں ہیں اور یہہ سوچ رہا ہے کہ جواب مطلوبہ کے ساتھ چند استفسارات بھیجکر بھی گیارہ بارہ روز ہو گئے استفسارات کا جواب ابتک نہ آیا خلاف توقع اس قدر تاخیر جو ہوئی اس کے اسباب کی نسبت گوناگوں قیاسات موجبہ ئی کر رہے ہیں کہ اسی اثنا میں انکے یار غار مسٹر بوس آگئے۔

بوس۔ معاف کرنا بھئی کل شام کو حسب وعدہ نہ آسکا پاس سے جو رقعہ بھیجا تھا اس میں معذرت خواہی کے ساتھ نہ آنے کا سبب بھی لکھ بھیجا تھا۔"

فرخ۔ یہ آنند موہن چٹرجی کون ہیں۔ چٹرجی جو عدالت خفیفہ کے وکیل تھے ہیں ان کے بھائی دائی ہیں"

بوس۔ "نہیں۔ ان کو اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ڈوکٹر
انند موہن چٹرجی ڈی سی۔ ایل بیر بھوم کے رہنے والے ہیں
وہاں کے زمینداروں میں ہیں ان کے باپ جسور میں سب جج
تھے۔ افسوس کہ تم کل شام کو ٹون ہال نہ آئے ڈوکٹر چٹرجی کا
لکچر سننے کے قابل تھا اور بلحاظ موضوع ڈوکٹر نے پوری داد
قابلیت دی انڈین پولیٹیکل ہسٹری (ہند کی سیاسی تاریخ)
گزشتہ وحال سے کس قدر باخبر ہیں اور قوت استقرائی و
استخراجی بھی نہایت صحیح و قوی ہے انڈیا کے مستقبل کی
جو اندازہ انھوں نے کیا ہے بہت ہی معقول و مدبرانہ اور بلحاظ
استدلالات صحیح بھی معلوم ہوتا ہے"
فرخ۔ "یہ تو بتاؤ لکچر کا موضوع کیا تھا تم نے اپنے رقعہ میں صرف
اتنا ہی لکھا تھا کہ ڈوکٹر چٹرجی آج شام کے ۵ بجے ٹون ہال میں
لکچر دینے والے ہیں اور میری شرکت لازمی ہے نہ صرف بخیال
اس کے کہ دعوت کو رد کرنا خلاف اخلاق ہے بلکہ بخیال اس کے
بھی کہ ایک عالم کے وسیع معلومات سے استفادہ حاصل کرنا
ایک نعمت ہے"
بوس۔ "لکچر کا موضوع نیو انڈیا اینڈ ہر اسپیریشنس (جدید ہند اور
اور اوس کی تمنائیں) تھا"
فرخ۔ "سر ہنری کوٹن چیف سکریٹری اوف بنگال نے جو کتاب

مسمی بہ نیو انڈیا لکھی ہے تم نے تو دیکھی ہوگی خوب لکھی ہے خصوصًا اس خیال سے کہ ایک انگریز نے لکھی ہے اور اس قدر ہمدردی ہمارے ملک و قوم کے ساتھ ظاہر کی ہے نہایت لایق تحسین ہے مگر تمھاری نظر ملں اور تمھارے بھاویں تو وہ کچھہ بھی نہوگا تم لوگ تو چاہتے ہو کہ مثل آوسٹریلیا اور کنیڈا کے انڈیا کو سلف گورنمنٹ دیدی جائے۔ تم لوگوں میں منحیث گروہ پولٹکس کا مذاق اس درجہ ہوگیا ہے کہ صرف شغف و انہماک ہی اس میں نہیں ہے بلکہ ایک خبط ہوگیا ہے"

بوس "جس طرح تم مسلمانوں کو سرکاری عہدہ داروں کی چاپلوسی کا روز افزوں مالیخولیا ایسا پیدا ہوگیا ہے کہ مسلمان پولٹکس کے نام سے کانوں پر ہاتھہ رکھتے ہیں یہہ تم جانتے ہو کہ وہی شخص زندہ رہہ سکتا ہے جس کو زندگی پیاری ہے اور اس لئے عوارض لاحقہ کے معالجہ کی فکر کرتا ہے بعینہ وہی نقشہ قوم کا ہے اسمیں شک نہیں کہ ہم ہندی بحیثیت قوم صحیح و توانا نہیں ہیں بلکہ دم توڑ رہے ہیں لیکن بعض عضو میں ذری جان باقی ہے اس لئے بقول شخصے جب تک سانس تب تک آس سمجھکر ہم ہاتھہ پاؤں کچھہ ہلاتے ہیں مگر افسوس اس کا ہے معاف کرنا تم مسلمانوں سے یہہ بھی نہیں دیکھا جاتا مدد کرنا تو درکنار۔ ہمارا گروہ کوئی باغی فرقہ نہیں ہے نہ سرکار انگریزی کا بدخواہ ہے ہم کو معلوم ہے جو اعلے

صفتیں اہل برطانیہ میں ہیں اور ہم کو اس کا بھی یقین ہے کہ بلحاظ حالات مخصوصہ انڈیا کو ضرورت ایسے ہی حکمراں کی ہے مگر ہم جو چیختے چلاتے ہیں اس سے مطلب صرف اسی قدر ہے کہ جائز حقوق ہم کو دئے جائیں دوسرے الفاظ میں استحقاق طلبی کے لئے ساری جد وجہد ہے اور وہ بھی کونسٹیٹیوشنل (باقاعدہ) طریقہ سے اگر ہمارے ساتھ مسلمان بھی شریک ہوجائیں تو اس سے ملک کو بہت فایدہ ہوگا اور ہمارا مقصد بہت جلد حاصل ہوجائے گا۔ تم بُرا نہ ماننا سرسید کی پولیسی اس باب میں بہت رخنہ انداز ہوئی اور ہو رہی ہے۔ نہ معلوم سرسید کی یہ کونسی ڈپلومیسی (مطلب براری) کا خیال ہے جو مسلمانوں کو پولٹیکس میں دخل دینے سے محترز رہنے کے لئے وہ اس قدر مصر ہیں۔"

فرخ۔ (ذرا تیور بدل کر) چاپلوسی کا لفظ تم واپس لو۔ اس سے ہم مسلمانوں کی شان میں بٹہ لگتا ہے ہرگز مسلمان چاپلوس نہیں ہیں جس قدر سلف رسپکٹ (خیال منزلت وذی) ہمارے فرقہ کو ہے ہند کے کسی گروہ میں ہونا ناممکن ہے جس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سنہ ۱۸۵۷ء تک جسے کل چھتیس سینتیس برس ہوتے ہیں برائے نام ہی سہی مگر ہم انڈیا کے حاکم تھے مثل مشہور ہے تیلین لشتہ تول تک جس طرح کھچڑی کی بو نہیں جاتی اوسی طرح پلاؤ کی خوشبو بھی نہیں جاتی۔ رسی جل گئی۔ مگر بل ابھی موجود ہے یہ تمھارا

یا جس کسی کا ایسا خیال ہو کہ مسلمان خوشامدی اور چاپلوس ہیں غلط ہے۔ جن معنوں میں لفظ ڈپلومسی مغربی دنیا میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ان معنوں کے ساتھ سرسید کے متعلق یہہ خیال کرنا کہ سید صاحب ڈپلومٹ یعنے ڈپلومسی برتنے والے ہیں میرے خیال میں ایک گناہ عظیم ہے۔ اس کی وجہہ سن لو سید صاحب نہایت راست باز صاف باطن صادق الیقین صادق القول سچے ہمدرد ملک و قوم اور لایق رہبر ہیں۔ رواجاً ڈپلومسی و پولیسی کے الفاظ کا مفہوم منافقانہ برتاو چالبازی اچھے یا برے طریقہ سے مطلب براری فتنہ پردازی وغیرہ وغیرہ ہے غرض راستی سے بہت دور۔ برعکس اس کے سرسید کا جو کچھہ خیال ہے خواہ وہ اپنی جگہہ پر غلط یا لایق اصلاح ہو حتی کہ مضر قوم بھی ہو مگر سرسید کی دانست میں حقاً مفید مطلب ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اُن کا یہہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے قدم میدان تعلیم میں ابھی بہت پیچھے ہیں اور جس حد تک بنگالی اور پارسی پہونچ گئے ہیں مسلمانوں کو وہاں تک پہونچنے کے لئے ابھی ایک زمانہ چاہئیے ایسی ناقص تعلیمی حالت میں ہمارے منچلے نوجوان پولٹیکس میں دخل دینے لگیں گے تو اس مشغلہ میں پڑکر بڑا فرض حصول تعلیم بکار رہ جائیگا اور بوجہہ جہالت کے اکثر غلطیاں کریں گے جو ممکن ہے قوم و ملک کے حق میں مضر ہوں اس لئے انکی

ساری کوشش اس وقت یہی ہے کہ مسلمان تعلیم حاصل کریں اور
لایق بنیں جب تعلیم یافتہ ہو جائیں گے تو بفضول [illegible] شہر ستہا ہے
کوتوالی پولٹیکس میں خود بخود حصہ لینے لگیں گے اور پھر کسی کے
روکے نہ رکیں گے اور ایک وقت ایسا آنے والا ہے چاہے اب
سے کچھ عرصہ ہو کہ ہندی مسلمان بھی پولٹیکس میں کافی حصہ لینگے
اس وقت بڑی ضرورت تحصیل تعلیم کی ہے جو مصلح ہر قسم کے خیال
کی ہے تہذیب و تمدن و شایستگی سب کچھ تعلیم کی بدولت ہے
جو قوم حقوق و فرایض کے اقسام کو نہ جانے پولٹیکس کے اصول کو
کیا سمجھ سکتی ہے"

یوسف واقعی میں تمھاری اس وقت کی تقریر نے میرے دل
پر بڑا اثر کیا اب مجھکو یقین ہو گیا کہ سرسید درحقیقت ایک
راست باز اور بڑے پایہ کے رہبر قوم ہیں اور انھوں نے
اپنی کوشش کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگایا ہے۔ علی گڑھ کالج کی
بنیاد اسی خیال سے ڈالی گئی ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے صرف
لڑکوں کی تربیت و تعلیم کا انتظام وہاں ہے لڑکیوں کی تعلیم کے
لئے بھی سرسید نے کچھ کیا یا نہیں۔ میرے خیال میں تاوقتیکہ
لڑکیوں کی تربیت و تعلیم کا انتظام و اہتمام نہ کیا جائے مجرد لڑکوں
کی تعلیم زیادہ فایدہ بخش و نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی آج جو لڑکیاں
ہیں چار دن کے بعد یہی مائیں ہوں گی اور مائیں جب تک

قابل و لایق نہ ہوں بچوں کی اٹھان جسے تربیت کہتے ہیں درست
نہیں کر سکتیں مائیں مثل جیلی کے سانچوں کے ہیں جس قسم کے
سانچہ میں جیلی جمائی جاتی ہے وہی نقشہ اس کا قایم ہوتا ہے بعینہ
وہی حالت بچوں کے حق میں ماؤں کی ہے ہاں خوب یاد آیا تمنے
مجھ سے پھر کوئی ذکر نہیں کیا تمھاری نادیدہ عاشق نے تمھارے استفسارات
کے جوابات بھیجے یا نہیں بیشک وہ لڑکی لایق ہے گو میں اردو اچھی
طرح سمجھ نہیں سکتا جس سے لطف زباندانی اوٹھاتا مگر اس کے
خط کے مضمون سے اس قدر تو میں ضرور سمجھا کہ کاتب خط سمجھدار
و صاحب سواد ہے "

فرخ - میں تم سے یہہ کہنے ہی کو تھا کہ نہ معلوم کیا افتاد پڑی جو میرے
خط کا جواب اب تک نہیں آیا لڑکیوں کی تعلیم کی نسبت جو تمھارا خیال ہے
میں اس سے حرف بحرف متفق ہوں - عورتوں کی حالت جب تک
درست نہ ہوگی قوم سدھرنے کی نہیں - ایک پہیے سے بھی کہیں
کوئی گاڑی چلی ہے - دیکھو تم کو اسی خیال کی تائید میں ایک رباعی
سناتا ہوں ؎ جب قوم کے دونوں ہوں زن و مرد اجزا ؛ کس طرح
کرے مرد ترقی تنہا - چلتی نہیں دو تین منٹ بھی وہ گھڑی ؛
بگڑا ہو ذرا ایک بھی جس کا پرزا - ایسا نہیں ہے کہ مسلمان لڑکیوں میں
مادہ یا اہلیت اکتساب تعلیم کی نہیں ہو اور ضرور ہے مگر غریبوں کو موقع
نہیں دیا جاتا غضب تو یہ ہے بہت سے حضرات تعلیم دینے کے مخالف ہیں

جبکہ مردوں کی یہ حالت ہے تو ہماری عورتوں کی جہالت کا پوچھنا ہی کیا ہے اسی واسطے سرسید اشاعت تعلیم کی جانب اس قدر منہمک و مستغرق ہیں کہ سیاسی یا معاشرتی امور کی اصلاح کی طرف مائل ہونا قومی نقصان کا باعث تصور کرتے ہیں میں نے جیسا ابھی کہا کہ جب اعلیٰ درجہ کی تعلیم کی اشاعت اچھی طرح ہو جائیگی جس کا لازمی نتیجہ اصلاح خیالات ہے تو مرد خود تعلیم نسواں کی ضرورت کو محسوس کرکے اوس کی اشاعت کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کرینگے"

بوس۔ "مگر ایک تنہا تمھارے خیال سے کیا ہوتا ہے تا وقتیکہ کافی تعداد تمھارے ہم خیال لوگوں کی نہ ہو کام نہیں نکل سکتا"

فرخ۔ "اب تو ہماری قومی حالت کچھ درست ہو رہی ہے گو رفتار بہت تیز نہیں ہے تاہم باعتبار پندرہ بیس سال پیشتر کے اب بدرجہا بہتر ہے بعض تو ہانکے پکارے اور بعض جنھیں اخلاقی ہمت کی کمی ہے دبی زبان سے تعلیم نسواں کی ضرورت کا اعتراف کرنے لگے ہیں"

بوس۔ "اشاعت تعلیم نسواں کی نسبت ایک اور سوال اور بہت ہی اہم سوال یہ ہے ہمنے مانا کہ تم یا تمھارے ہم خیال اور چند اصحاب ہی نہیں بلکہ کل مسلمانان ہند تعلیم نسواں کی خوبی و ضرورت کے قائل بھی ہوگئے تو تعلیم کی اشاعت کا کیا طریقہ ہوگا۔ اشاعت سے میری مراد یہ ہے کہ تعلیم خاص و عام میں پھیلے تو اس مقصد کے حاصل کرنے کا کیا اسلوب ہوگا میرے خیال میں پردہ کی رسم اشاعت تعلیم و تہذیب میں

بے طرح مانع ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے مسلمان پردہ کو ایک
رکن مذہب وجزایمان سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک معاشرتی رواج ہے یا
فرخ۔ (مسیر ایک ایسی حالت طاری ہوئی جس نے اوس کو ایسا چپ
کیا کہ لمحہ بھر کے لئے بت بن گیا پھر کچھہ یاس وکچھہ حسرت کے لہجہ میں)
میرے پیارے بوس! تمھارے اخیر جملہ کا کیا بتاؤں کہ کیا اثر میرے
دل پر ہوا۔ یہ بھی ہماری قومی نکبت ہے کہ ہمنے بعض معاشرتی امور
کو اس طرح سے مذہبی مسایل کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے کہ ایک دوسرے کا
جزلاینفک ہوگیا ہے جس کی وجہہ سے بہت سے ضروری اصلاح طلب
امور پس پشت رہے جاتے ہیں اسی طرح بعض بیہودہ اور فضول
رسمیں ایسی سخت پابندی کے ساتھہ رایج ہیں جن کا ادا کرنا فرایض
دینی کے ادا کرنے سے افضل تر سمجھا جاتا ہے خصوصًا شادی بیاہ کے
موقعوں میں ایسی بیہودہ اور لچر رسموں کی بھرمار ہوتی ہے۔ ان
رسموں کی پابندی سے صرف تضیع اوقات ہی نہیں ہوتی ہے بلکہ
مالی نقصان بھی ہوتا ہے بعض اوقات انہیں فضول رسوم ورواج
کی پابندی بہت سے خاندانوں کو مقروض بناکر تباہ وبرباد کردیتی
ہے یہ بیہودہ رسمیں گو ناقص معاشرت کے نتایج ہیں مگر اُن کو بھی
بعض جاہل عورتیں مذہبی ارکان کے اجزا سمجھکر اُن کی پابند ہیں اور
یہہ سب جہالت کا سبب ہے تمہارا یہ خیال کہ پردہ اشاعت تعلیم
کے لئے ہارج ہے واقعی بہت غور طلب امر ہے۔ شاید تم کو معلوم ہو

مسلمانوں میں دو قسم کا پردہ ہے ایک شرعی یعنی مذہبًا جس کی پابندی
لازمی ہے) دوسرا بلحاظ حالات مخصوصہ مقامی و رواجی۔ شرعی پردہ
کسی طرح مزاحم و حارج اشاعت تعلیم و تہذیب ہو نہیں سکتا کیونکہ اسلام
اشاعت تہذیب و شایستگی کا مدعی ہے اس لئے کوئی اصول اسلام کا
تہذیب کا سدراہ نہیں ہوسکتا۔ البتہ ہندوستان کا رواجی پردہ اشاعت
تعلیم کا مخل ہوسکتا ہے اسی بنیاد پر سرکاری رپورٹوں میں پردہ کو
تعلیم نسواں کا سدراہ بیان کیا جاتا ہے۔ نہ صرف سررشتہ تعلیم کے
سرکاری عہدہ داروں کا ایسا خیال ہے بلکہ اکثر صائب الرائے
اور سچے ہمدردان قوم مسلمان بھی دبی زبان سے اس کو تسلیم کرتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مانا کہ مسلم یونیورسٹی قایم کی گئی نصاب تعلیم
بھی اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے جاری کئے مگر ان کی اشاعت کا
کیا طریقہ ہوگا مسلمانوں کے پاس اس قدر دولت کہاں کہ ہر ہر
شہر و قصبہ میں زنانہ مدرسہ پردہ مروجہ کے اہتمام کے ساتھ قایم کیا جائے
دو چار مدرسوں سے ہندوستان جیسے وسیع ملک کی ضرورت نہیں
نکل سکتی جبکہ ہم تعداد میں مردانہ مدارس قایم نہیں کرسکتے تو زنانہ
درسگاہوں کا کافی طور سے قایم کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے
تھوڑی دیر کے لئے اس کو بھی تسلیم کرلیں کہ ہر ہر قریہ اور گانو میں
زنانہ مدرسے قایم ہوگئے اور پردہ مروجہ کا اہتمام بھی کیا گیا مگر کیا
صرف مدرسوں کی تعلیم سے ہماری لڑکیاں اور مہذب ممالک کی

لڑکیوں کا مقابلہ ہر طرح کی قابلیت و وسیع النظری میں کر سکیں گی اقتضائے زمانہ موجودہ کے موافق تربیت و تعلیم مدرسوں کی چہار دیواری کے اندر ناممکن ہے۔ مہذب ممالک کی عورتیں علاوہ درسی تعلیم کے مشاہدات عالم سے زیادہ فایدہ اوٹھاتی ہیں ریلوں اور جہازوں میں سفر کرتی ہیں پہاڑوں اور جنگلوں اور مختلف تفریح گاہوں کی سیر کرتی ہیں بڑے بڑے جلسوں میں شریک ہو کر قابل مقررین کی تقریروں سے مستفید ہوتی ہیں جن سے کہ مرد ہوتے ہیں مہذب و تعلیم یافتہ اقوام کے دوش بدوش چلنے کے لئے ہمکو بھی ویسی ہی تیز رفتاری سے قدم اوٹھانا چاہیے اور وہی روش اختیار کرنی چاہیے جو منزل مقصود تک پہنچائے ہمارا مذہب تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق یکساں ہیں اور حصول تعلیم میں مردوں اور عورتوں کو برابر حصہ دیا جائے۔ اور بعض آیات قرآنی سے پردہ کے متعلق صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور غیر مردوں پر اپنی زینت یعنے زیور اور اندر کے کپڑے ظاہر نکریں ساتر لباس پہنکر تمام دنیا کے کاروبار چلائیں مگر ہمارا عمل بالکل برعکس ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے تو ہر طرف مایوسی مایوسی نظر آتی ہے"

یوسف:- "جب ہندوستان کا رایج پردہ شرعی نہیں ہے اور صرف رواجی ہے تو اس میں کیوں نہیں ترمیم کی جاتی"

فرخ۔ میں نے ابھی تم سے کہا کیا کہ بہت سی رواجی چیزوں کی بھی بیحد سختی سے پابندی کی جاتی ہے ایران وٹرکی ومصر و دیگر تمام ممالک اسلام میں کہیں بھی اس وضع کا پردہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں جاری ہے۔ مثل ایران وعربستان کے یہاں پر عورتیں برقعہ ونقاب سے نکلنے لگیں تو علاوہ اس کے کہ حصول تعلیم میں سہولت پیدا ہو صحت وتندرستی کا دروازہ بھی کھل جائے۔ آئے دن جو ہماری عورتیں طرح طرح کے امراض و نسوانی شکایتوں کا شکار بنی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے بہت سے گھر اولاد کی نعمت سے محروم یا اولادیں ہوتی بھی ہیں تو نحیف و مریض قوائے جسمانی وروحانی کمزور یہ سب خرابیاں مفقود ہوجائیں نحیف الجثہ بچے کیا خاک دماغی محنت کرسکتے ہیں اور اون سے کیونکر کارنمایاں ہوسکیں گے بچپنے کا زمانہ جو اچھی تربیت سے فایدہ اوٹھانے کا ہوتا ہے بری اور نالایق صحبتوں میں گزرتا ہے ایسی حالت میں بچوں کا نالایق اوٹھنا حق بجانب ہے۔ جس قوم کو ان مصائب اور مشکلوں کا سامنا ہو کس طرح ترقی کرسکتی ہے"

بوس۔ اپنی قومی حالت کا جو مرثیہ تم نے پڑھا ایک سمجھدار اہل دل کو خون کے آنسو رولانے کے لئے کافی ہے۔ آخر اس کا کچھ علاج بھی ہے

فرخ۔ علاج اوس کا وہی جو سرسید نے تجویز کیا ہے مردوں میں تعلیم پھیلتے پھیلتے جب کافی تعداد صایب الرائے اشخاص کی ہوجائیگی

توخود ترقی کے ذرایع تلاش کرینگے رکاوٹوں کو دور کرنے کی فکر کرینگے
پندرہ بیس سال سے پیشتر لڑکوں کو انگریزی کی تعلیم دینی کفر سمجھا
جاتا تھا خدا خدا کر کے جہاں اس قدر فرق ہوا ہے کہ والدین
بچوں کو شوق انگریزی پڑھانے لگے ہیں وہاں خدا سے امید ہے
کہ آیندہ بھی توفیق نیک ہم کو عطا کرے گا تاکہ ہم اپنی بھلائی کی
تدبیریں نکالیں مگر ہاں اس کو زمانہ چاہیے حالت موجودہ میں تو
بالکل مایوسی مایوسی ہے۔"

بوس۔ (جیب سے گھڑی نکالکر اور دیکھکر) اُف ہو ساڑھے سات
ہو گئے۔ تمھاری باتوں میں وقت ایسا گزر گیا کہ مطلق یہ معلوم ہوا
یہ لو کہو اپنے گمنام عاشق کے ہاں سے خط آنے کا کچھ اور انتظار
کروگے میرے خیال میں تو ایک خط یاددہی کی غرض سے لکھنا چاہیے
تاکہ معلوم ہو کہ تم اوس کے خواہاں ہو لو اب رخصت ہوتا ہوں خدا
حافظ۔ کل مسز چودہری کے ہاں ٹینس پارٹی میں آوگے مسز چودہری
کہتی تھیں اونھوں نے تم کو بھی مدعو کیا ہے ٹھیک چار بجے وہاں
پہنچ جاؤ جاڑے کے دن چھوٹے ہوتے ہیں ذرا سویرے آجاؤ
تاکہ دوست تو کھیل سکو۔"

مسٹر بوس کے جانے کے بعد فرخ نے خانساماں کو بلاکر کہا کھانے کا
موز تیار کرو۔ یہ کہکر اوپر کے کمرہ میں جاکر ایک خط چند سطروں کا
لکھکر بیرا کو دیا کہ ڈاک میں ڈال دے اور خود کھانے کے کمرہ میں

داخل ہوا۔

آٹھواں باب

کاچھی گوڑہ کا وہ حصہ جہاں اس قصہ کی ہیروین کا مکان ہے کم آباد ہے جاڑوں کی راتیں چونکہ بڑی ہوتی ہیں اس لئے گو کہ ابھی رات کے نو بجے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ آدھی رات آگئی ہے گاڑی گھوڑوں کی آمد و رفت بالکل موقوف ہے قریب پاس کی دکانیں بھی بند ہو چکی ہیں چاروں طرف سناٹا چھا گیا ہے کبھی کبھی محلہ کے کتوں کے بھونکنے کی آواز سناٹے پن کے عالم میں رخنہ اندازی کرتی ہے افتخار رکھا لنے سے فارغ ہو کر اپنے پلنگ پر آن کر لیٹ گئی عمدہ خانم سر میں تیل لگاتی جاتی ہے اور باتیں کرتی جاتی ہے۔

عمدہ خانم :- بیگم تمہاری بعض باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں یا اس شوراشوری یا اس بے نمکی یا تو وہ کھلبلی تھی وہ تڑپ وہ للک کہ پناہ بخدا میں سچ کہتی ہوں تمہاری ترکیب دیکھکر میرا تو جی ڈر گیا تھا رہ رہکر یہی خیال آتا تھا کہ کہیں دشمنوں کو خفقان نہ ہو جائے معاذ اللہ پھر تو لینے کے دینے پڑ جاتے اب جبکہ ڈاکٹر کا پتہ بھی لگ گیا بیچارہ نے جواب بھی انسانیت کا دیا اور جس خط کی آنے کا انتظار تھا وہ بھی آچکا نصیر نے بڑی تحقیق کے بعد تمہارے سوالوں کا جواب دیا اسکو بھی (انگلیوں پر گن کر) ہفتہ ایک تو ارد د

پھر تین منگل آج چوتھا دن ہے ڈاکٹر کے خط کو آئے ہوئے بھی انیس
بیس دن تو ہوئے ہوں گے اوس بیچارہ نے جو باتیں پوچھی تھیں
تم نے اب تک اُن کا جواب نہیں بھیجا۔ آخر اس کا سبب ؟
افتخار۔ اللہ ہاں میں تم سے کہنا ہی بھول گئی کل ایک خط اور
ادن کے ہاں سے آیا اُس میں یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ عنایت اللہ
خاں صاحب جو لکھنو کے شرفا میں سے ہیں ان دنوں حیدرآباد میں
کسی عہدہ جلیلہ پر ممتاز ہیں ان سے بآسانی میرا حال دریافت
ہو سکتا ہے۔"
بہرہ خانم۔ واہ! وا! سبحان اللہ! کیا مزے سے کہا جاتا ہے
کہ ایک اور خط اُن کا آیا ہے۔ دیکھا آخر بیچارہ سے نہ رہا گیا تم نے
جو خط لکھا تھا نہ معلوم اوس میں کیا بلا کا جادو بھر دیا تھا کہ ڈاکٹر کو
ایسی تلا میلی پڑ گئی ہے اس پر سے تمہاری لطاہری بے رخی اور ستم
ڈھاتی ہو گی یہ تو بتاؤ اس خاموشی میں کونسی مصلحت ہے شاید
تمھیں ان کا اشتیاق بڑھانا منظور ہے۔ چال تو اچھی ہے"
افتخار۔ (تیور پر ذرا بل ڈال کر) تم کو اختیار ہے جو چاہو سمجھو۔
بے رخ سمجھو چالباز سمجھو۔ میں یہ سب کچھ نہیں جانتی۔ لکھنو سے
تمہارے خط کا جواب آئے بغیر کیونکر اُن کو جواب دیتی تمہارے بھتیجے کا
خط پرسوں ہی تو آیا ہے تمھیں کچھ یاد تو رہتا نہیں کہدیا کہ چار
روز ہوئے پرسوں سے میں اس سوچ میں ہوں کہ کیا لکھوں۔ اتفاق

ہیں تم سے پوچھنے والی تھی کہ کیا لکھوں۔ میرے منھ کی بات تھوڑی ہیں تھی کہ تم نے اُسکی بات جھونکنی شروع کردیں ؎

عمدہ خانم۔ خفا نہ ہو۔ چھا میں ہوئیں دور پار تمھارے دشمن چالباز ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ بیچارہ کو اپنا مشتاق بنا کر تڑپا دو ہیں اب جو کچھہ اونھوں نے دریافت کیا ہے جلدی سے لکھ بھیجو؟

افتخار۔ میں کب چاہتی ہوں کہ میری وجہ سے کوئی تڑپے یا لوٹے اور اس میں تڑپنے کی کونسی بات ہے دو چار روز ادھر کیا دو چار روز اودھر کیا بقول تمھارے جو کام کیا جائے سوچ سمجھکر کیا جائے یہ بتاؤ کہ اپنی حقیقت ابھی ظاہر کردوں یا اکھیں اور ذرا ازماؤ اور دو چار خط ندارد بے لکھکر ان کا رنگ ڈھنگ دیکھنے کے بعد اپنا اصلی نام و پتہ وغیرہ جو کچھہ اونھوں نے دریافت کیا ہے لکھوں؟

عمدہ خانم۔ واری گئی۔ دیار الفت کی راہوں سے میں تو بالکل لاعلم ہوں اس لئے اس کے راز و نیاز سے بھی ناواقف ہوں اور یہ جو تم کہتی ہو کہ اس میں تڑپنے کی کیا بات ہے ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھکر دیکھو انتظار کسی چیز کا ہو انسان کو مضطرب کردیتا ہے آیندہ اختیار بدست مختار میں نے اپنی سمجھ کے موافق الٹا پلٹا کہدیا؎

افتخار۔ یا میرے الہی یہ تو میں بھی جانتی ہوں اختیار بدست مختار مگر مشورہ جو کوئی کسی سے کرتا ہے تو اس کی کوئی غرض و غایت بھی تو

ہوتی ہے تم سے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی رائے بتاؤ کہ آیا ابھی صاف صاف اپنی حالت و نام وغیرہ لکھ بھیجوں یا دو چار خطوں کے آنے جانے کے بعد لکھوں تاکہ اُس وقت تک اون کی طبیعت و خیالات کا تھوڑا بہت اندازہ ہو جائے اگر ممکن ہوا تو نصیرالدین کے ذریعہ سے حافظ عنایت اللہ خاں صاحب سے اُن کے مزید حالات بھی معلوم ہو جائینگے حافظ صاحب سے اور پھوپا جان سے اخلاص و ارتباط بہت ہے"

عمدۃ خانم۔ "واللہ مانتی ہوں بات تو معقول ہے اچھا ایسا ہی کرو مگر سنو تو تمہیں نے ماشاء اللہ کوئی بات اوٹھا نہیں رکھی سارا کچا چٹھا ہے تو ڈاکٹر کے خاندان و آمدنی وغیرہ کا لکھ بھیجا ہے جب ہی تو اتنے دن لگے اب کس چیز کا اندازہ تم کروگی وہ بھی خطوں سے"

افتخار۔ "نصیرالدین نے بیشک تحقیق کے بعد حالات مستفسرہ کے جوابات دیئے ہیں مگر ان سے صرف دو باتوں کا اطمینان ہوا ایک تو اون کے حسب و نسب کا دوسرے آمدنی کا مگر صرف یہی دو باتیں دریافت طلب نہیں ہیں اور باتیں بھی دریافت طلب ہیں مثلاً چال چلن جیسے نیک چلنی یا بد چلنی کہتے ہیں مزاج کی کیفیت خوش مزاج ہیں یا مغلوب الطیش ہیں مذاق و عادات وغیرہ کی حالت ہم لوگوں میں پردہ کی رسم ایسی حائل ہے کہ فریقین مرد و عورت

دونوں جن سے نسبت قرار پاتی ہے اس بارہ میں بالکل عاجز و مجبور ہیں یورپ میں دوران کورٹ شپ اور زمانہ انگیجمنٹ میں ایک دوسرے کی یہ سب باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں گو بعض اوقات باوجودیکہ فریقین اس خصوص میں آزاد ہوتے ہیں اور کافی موقع ایک کو دوسرے کے جانچنے کا ملتا ہے اس پر بھی دھوکا کھا جاتے ہیں مگر کم ہمارے ہاں تو انسانوں کی شادی اس طرح پر کرتے ہیں جیسے گڈے گڑیا کی پہلے سے ایک کو دوسرے کے حالات سے مطلق آگہی نہیں ہوتی عموماً دونوں اجنبی ہوتے ہیں اور دونوں بے بس و بے لبس رہتے ہیں میرے معاملہ میں تو ایک اور آفت ہے کہ کوئی متوسط بھی نہیں اور نہ میں کسی ایسے شخص کو جانتی ہوں جو ان کے حالات سے کماحقہٗ واقفیت رکھتا ہو جس سے کچھ دریافت کروں صرف انشاء اللہ ایک حافظ صاحب پیدا ہو گئے ہیں مگر وہ سوائے ان کے خاندانی حالات کے اور کیا جانتے ہوں گے کیونکہ حافظ صاحب دو برس سے زیادہ حیدرآباد میں آن کر ہو گئے ڈاکٹر صاحب کی جو اب زبانہ ہو گا وہ حافظ صاحب کے لکھنؤ چھوڑ دینے کا پھر سوا خطوں کے کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ امور جو میں چاہتی ہوں معلوم کر سکوں۔"

عمدہ۔ خانم معاف کرنا وہ حصہ تمہاری تقریر کا جس میں انگریزی الفاظ استعمال کئے ہیں تم بھی عجب طرح کا تلفظ انگریزی الفاظ

ہوتا ہے زبان ہی پر نہیں چڑھتا بڑی مشکل سے میں نے یاد کیا ہے
تم نے کہا کہ یورپ میں کورٹ شپ اینگیجمنٹ کا کوئی زمانہ ہوتا ہے
اس کا کیا مطلب"

افشاں:- "(تم) ہوا لگا کہ جب ہی تمہاری انگلیاں یکایک رک گئیں
میں اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہیں تم اونگھنے تو نہیں لگیں جی
میں آیا کہ پلٹ کر تمہارے چہرہ کی طرف دیکھوں مگر باتوں کی رو
میں خیال نکل گیا اب معلوم ہوا وہ اونگھنا نہ تھا بلکہ وقفہ سکوت
لفظوں کو یاد کرنے کی کوشش کا تھا مگر کیا خوب یاد کیا ہے تلفظ
کی اصلاح فرما دی گئی مگر الٹے اس سے مجھ سے سنو صحیح
لفظ کورٹ شپ ہے جس کے لغوی معنی کسی عورت سے محبت
کرنا اور اصطلاحی معنی شادی کرنے کی نیت سے کسی عورت کے
ساتھ عشق پیدا کرنا - انگیجمنٹ کے بہت سے مختلف معنی ہیں مگر
جس محل پر میں نے استعمال کیا اس جگہ پر اس کے معنی نکاح کرنے کے
قصد سے مقرر شدہ نسبت کے"

محمودہ خانم:- "اب میں سمجھی اچھا تو ایسا ہی کرو۔ تم ماشاء اللہ سمجھدار
ہو میں تم کو کیا مشورہ دوں مگر اتنا کہوں گی جو کام کرو سوچ سمجھ کر کرو"

اس کے بعد محمودہ خانم سونے کو چلی گئیں افشاں نے بھی آرام کیا
صبح کو ناشتہ کرنے کے بعد افشاں نے ایک خط فرخ کو بہت بڑی
سا لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپکے دو خط مجھ کو ملے مگر چند اسباب

ایسے ہوئے کہ جواب دینے میں دیری ہوئی۔ امور مستفسرہ کے جواب
انشاء اللہ عنقریب دیے جائیں گے آپ مطمئن رہیں"

نواں باب

افتخار کے جس خط کا ذکر آٹھویں باب میں کیا گیا ہے اوس کو
پاکر فرح کا اضطراب بجوش کم ہونے کے اور بڑھا اب اون کو اسکی
فکر و انتظار ہے کہ کہیں جلدی سے اس کے استفسارات کا جواب
اوس کے بے نام عاشق کے پاس سے آجائے اور خاطر خواہ بھی ہو
تاکہ پیغام تو صاف لفظوں میں بھیجدے بقول شخصے الانتظار
اشد من الموت انتظار کی نحوست کی گھڑیاں نہایت تلخ
اور کھلنے والی ہوتی ہیں جس کا ایک ایک لمحہ ایک ایک برس معلوم
ہوتا ہے۔ ع عمر گر خوش گزرد زندگی نوح کم است ٭ ور بسختی گزرد
نیم نفس بسیار است۔ آٹھ دس دن اور رات گن گن کے کاٹے
مگر خط معہود کا کہیں پتہ نہیں۔ سنگ آمد سخت آمد آخر اس سے
نہ رہا گیا ایک اور خط لکھا جس میں درد دل کی کہانی لکھ بھیجی اور کچھ
جدید استفسارات لکھے تصویر اور دریافت طلب امور کے جواب
بواپسی ڈاک طلب کئے۔ افتخار نے تو اسکے جواب بہت جلد دیا
مگر نہ تو تصویر بھیجی اور نہ دریافت طلب امور کا جواب دیا [illegible]

مضمون صرف اس قدر تھا۔ آپ کا مہربانی نامہ آیا خیریت کی خبر فرحت
اثر نے میرے دل کو مسرور کیا۔ آپ ذرا ضبط سے کام لیں آپ نے جن
حافظ صاحب کا حوالہ دیا ہے اُن سے چند باتیں دریافت کرنی
ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ہفتہ عشرہ میں بشرطیکہ حافظ صاحب سے
اور میرے کسی عزیز سے ملنے کا موقع ملا جواب کامل دیا جائے گا۔ آپ
مطمئن رہیں افتخار کے خط کا ایک ہفتہ انتظار دیکھ کر فرخ نے
اس دفعہ ایک طول وطویل خط لکھا اور اشتیاق مضامین سے
خط کو بھر دیا مگر تہذیب وخودداری کا پہلو لئے ہوئے افتخار نے
بھی جواب تو دیا مگر اصل مطلب لطایف الحیل سے ٹال دیا۔ اب خطوں کا
سلسلہ جانبین سے جاری ہو گیا۔ فرخ کی بجنسہ یہ حالت ہے۔
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ فرخ کے ہر خط کا جواب جو
افتخار کے پاس سے آتا ہے تراوت وہ روح رواں تو ہوتا ہے
مگر مرض سب کو بڑھاتا جاتا ہے۔ افتخار کے خطوں میں علاوہ ادھر
اودھر کی گاتھوں کے اظہار الفت وشوق وصال نہایت متانت
وہوشیاری سے دریدہ ہوتا ہے مضامین کی شوخی زبان کی
سلاست وفصاحت اس پر سے بالعلی اشعار کی چاشنی فرخ کو پھڑکا پھڑکا
دیتی ہو اور تمام کشتہ جراحت یا شیدن کا کام کرتی ہے فرخ کو گو ایک
عرصہ دراز سے اردو انشاپردازی کی مشق نہیں رہی ہے مگر
جوش وتعلق دلی نے اب اسے اعلیٰ درجہ کا انشا نگار بنا دیا ہے

اس کا بھی ہر خط ایک کارنامہ ہوتا ہے۔ اسکے ہر خط میں کاپتش ہجر وشوق وصال کا اظہار نہایت متانت وخوبصورتی سے ہوتا ہے اپنے تصنیف کردہ اشعار ساون ہوری وغیرہ بھی لکھتا ہے اور ہر خط میں تصویر کی مانگ ہوتی ہے اور اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ اپنی اصلی حالت ظاہر کرو۔ افتخار ہر حیلہ کا جواب نہ کی بہتر کی دیتی ہے مگر مصلحتاً اصل مطلب کو ٹال جاتی ہے دونوں کے خطوں میں ظرافت وتداق وشوخی کا بھی برتاؤ ہونے لگا ہے القاب میں افتخار فرخ کو میرے پیارے ڈاکٹر لکھتی ہے اور فرخ افتخار کو میری پیاری مستفسر حال لکھتا ہے۔ فرخ کا دل بھی ہاتھ سے جاتا رہا ہوتا ہے والتصور رنے مصداق نواب غاص محل مرحومہ متخلص بعالم کے اس مشہور مطلع کے فرخ کی حالت بتاتی ہے۔

زلف پر پیچ میں دل ایسا گرفتار ہوا۔ چھوٹنا دشوار ہوا ہائے بیٹھے بٹھلا نیا عشق کا آزار ہوا۔ کیسا لاچار ہوا۔ اب نہ اس کا ڈسپنسری میں دل لگتا ہے نہ اپنے مکان میں دوستوں کی صحبت کاٹے کھاتی ہے تنہائی طپش دل بڑھاتی ہے بقول شاعر ؎ باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل ؛ اب کہاں لیجا کے بٹھیں ایسے دیوانہ کو ہم۔ اس کیفیت وحالت میں چار مہینے گزر گئے اس عرصہ مدت میں اس ناول کے اشخاص پر دو حادثے بھی گزرے فیض آباد میں فرخ کے والد نے بعارضہ وبا چند گھنٹوں کی علالت میں اس

جہان فانی سے ملک جاودانی کو سفر کیا اور افتخار کی بڑی بہاوج نے بعارضہ ہیضہ بیس ہفتہ عشرہ علیل رہکر حیدر آباد میں رحلت کی اپنے اپنے ہاں کے حادثہ کی اطلاع ایک نے دوسرے کو دے کر اور بھی ہمدرد ایک نے دوسرے کو بنایا خانگی انتظامات کی غرض سے فرخ کچھہ دنوں کے لئے لکھنؤ اور فیض آباد بھی جاکر ہو آیا مگر خطوں کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ باپ کے مرجانے سے فرخ اور بھی آزاد ہوگیا ہے لیکن آمدنی کا مستقل اور بڑا ذریعہ مفقود ہو جانے سے مشوش و متفکر رہنے لگا ہے۔ افتخار کو فرخ کی جانب سے بہر نوع اطمینان ہو گیا ہر طرح سے ٹھونک بجاکر دیکھا اپنی محبت میں اوس کو مستقل ارادہ میں مستحکم اپنے خیال و مذاق کے موافق پایا۔ اسی اثنا میں بحیثیت پریشانی کی حالت میں ایک خط لکھا جس کا سرنامہ یہہ لکھا ؎ ہوش رہا ستمگرا ماہ لقا توکون ہے ٭ صبر و قرار لیگیا ہیچ تو بتا توکون ہے۔ اور حسب معمول کوئی مذاقیہ مضمون اس دفعہ مطلق نہیں لکھا۔ مضمون خط یہ تھا اگر واقعی تم کو میری محبت ہے تو میری جان تمھیں عزیز ہوگی میں اپنی جان کی تم کو قسم دیتا ہوں کہ نقاب پُر اسرار اپنے پیارے چہرہ سے اوٹھاؤ اور اصلی حالت میں ظاہر ہو جاؤ پہیلیاں اور معمے بوجھنے کی حلاوت اب مجھ میں باقی نہیں رہی میرے غمدیدہ و محزون دل کو زیادہ نہ ستاؤ والد مرحوم کا سایہ سر سے اوٹھ جانیکی

وجہہ سے جو مصیبت کا پہاڑ مجھہ پر گرا ہے اوس نے میرے دل کو پاش پاش کر دیا ہے مجھے ایک سچے ہمدرد و ہمدم کی بیحد ضرورت ہے ورنہ میری صحت کی خیر نہیں ممکن ہے میری ہمیشہ ہمیشہ جان گئی بھی نہو۔ جہاں تک تاب برداشت تھی صبر و ضبط سے کام لیا میں تمھاری جان عزیز کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عجب الجھنوں میں مبتلا ہوں بعض وقت ایسا دم خفگی کرنے لگتا ہے کہ خود کشی کرنے کو آمادہ ہو جاتا ہوں مگر تمھارے ملنے کا خیال ہی ایک ایسا خیال ہے جو مزاحم ہوتا ہے ؎ مجھ سے ملنے کی اب کرو تجویز ÷ ورنہ دیدوں گا اپنی جان عزیز۔

ہاں خوب یاد آیا تم نے اپنے کسی خط میں اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ حیدر آباد اگر میں آجاؤں تو سب کام بآسانی طے ہو جائینگے یہ تباؤ تمھارے اعزہ میری پریکٹس میں کسی قسم کی اعانت کرسکتے ہیں۔ میں وہاں فروغ پانے کی توقع کرسکتا ہوں"۔ یہ خط جبکہ افتخار کو ملا وہ بیٹھی کسی کو خط لکھ رہی تھی اُسے چھوڑا اس خط کو تمام وکمال پڑھا اور آبدیدہ ہوئی کچھہ سوچی اس کے بعد ایک طویل خط فرخ کو لکھا اور محی الدین بی کو بلا کر کہا کہ اسے ڈاک میں تم خود جا کر ڈال آؤ۔

دسواں باب

ایک عرصہ دراز کے بعد میں اس قصہ کے ناظرین کو پھر کلکتہ کی ہوا کھلاتا ہوں۔ اپریل کا مہینا ہے گرمیاں زوروں پر ہیں شام کے چھہ بج چکے ہیں مگر اب تک ہوا گرم چل رہی ہے ہمارا عاشق مزاج فرخ بیلکنی[۱] پر آرام کرسی پر بیٹھا کچھہ سوچ رہا ہے ہاتھ میں اس کے ایک اخبار بھی ہے لیکن نظر اس کی اس وقت اخبار پر نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھتے پڑھتے اُکتا گیا ہے یا اخبار ختم کر چکا ہے اس لئے پڑھنا موقوف کر کے کچھہ سوچنے لگا۔

مدت مدید کے بعد اس وقت اُس کے چہرہ سے بشاشت ٹپک رہی ہے۔ قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شے جس کی دستیابی کے لئے وہ جان کھپا رہا تھا اس کے ہاتھ آگئی ہے اسی اثنا میں اوس کا یار غار غازی الدین احمد آیا اور بہت ہی گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ملے اور باتیں کرنے لگے۔

فرخ۔ معلوم ہوتا ہے تمھاری بڑی حیات ہے ابھی دل میں تم کو میں یاد ہی کر رہا تھا یہ تو بتاؤ تم غائب کہاں ہو گئے تھے۔ دس گیارہ روز سے سارا کلکتہ چھنوا ڈالا تمہارا کہیں پتہ نہ ملا۔ تمہارے

---

[۱] برساتی کی کھلی چھت۔

تا ابد (محرر[1]) سے صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ سیالدہ اسٹیشن سے صبح کی ٹرین میں تم کہیں گئے تھے۔ شاید آج چوتھا یا پانچواں دن ہے بہن سے بھی میں نے دریافت کیا تھا مگر ان لوگوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ جب سے مجھے بڑی وحشت تھی خدا کا شکر ہے تم مع الخیر واپس آ گئے یہ تو کہو گئے کہاں تھے یا یہ کوئی راز سربستہ ہے جس کا اظہار نامناسب سمجھتے ہو"

احمد۔ (مسکرا کر) ہاں ایسا ہی کچھ ہے اچھا یہ تو کہو آج تک میں نے کوئی بات تم سے پوشیدہ رکھی ہے یہ سمجھ لو جتنا اعتبار مجھی اپنا ہے اتنا تمھارا بھی ہے۔ غائب ہونے کا ماجرا سنو۔

ہفتہ پیوستہ کی رات کے نو بجے رائے بہادر کرسٹو چندر دت کا ارجنٹ ٹیلیگرام (ضروری تار) مجھکو ملا جس میں یہ لکھا تھا کہ فوراً روانہ ہو صبح ہوتے ہی بندہ درگاہ روانہ ہو گئے اس لئے مجھکو مہلت تم سے ملنے یا تم کو اطلاع دینے کی نہیں ملی اور گھر پر میں نے مصلحتاً کسی پر ظاہر نہیں کیا کہ کہاں جاتا ہوں اور یہاں گھر پر ملازموں کے سوا کوئی ہے بھی نہیں تم کو معلوم ہے کہ ہماری بیگم صاحبہ ان دنوں اپنے میکے میں ہیں اور یہ ایک ایسا امر ہے تاوقتیکہ کوئی مفید نتیجہ نہ نکلے اپنی کوشش کا حال یکبارظاہر کرنے سے فایدہ ہی کیا ہے۔ خدانہ کرے حسب دلخواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو سننے والے مضحکہ

[1] وکلا و بیرسٹروں کے محرر کو بہار و بنگالہ کی اصطلاح میں تا ابد کہتے ہیں۔

اوڑاتے ہیں البتہ جو ہمدرد ہیں رنجیدہ ہوتے ہیں مگر ہمدرد و وفاشعار
دوست نصیبوں سے کسی کو کوئی ملتا ہے بقول شاعر؎ رباض
دہر میں ڈھونڈھو تو کیا نہیں ملتا ÷ وہ گل کہ جس میں ہے بوئے
وفا نہیں ملتا۔ کسی کے منھ پر کچھہ تعریفاً کہنا عموماً خوشامد میں داخل
ہوتا ہے مگر اس وقت میرے دلی جذبات مجھے اس امر کے ظاہر
کرنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ میرے جتنے دوست ہیں تو بہ غلط کہا
دوست کہاں میسر ہوتا ہے جتنے ملاقاتی ہیں اُن میں سے تم کو میں نے
بہر نوع صادق الخیال و مخلص و ہمدرد پایا حاضر و غائب تمہارا
طرز عمل اپنے ملنے والوں کے ساتھہ یکساں و قابل اعتبار رہتا ہے اسی
لئے تم سے کوئی بات چھپاتا نہیں "

فرخ۔ "میری نسبت جو کچھہ تمہارا خیال ہے وہ تمہارے حسن ظن کا
نتیجہ ہے مگر میں تمہارا مفہوم مطلق نہیں سمجھا وہ کون سا امر ہے اور
کوشش کیسی اور یہ رائے بہادر دت کون صاحب ہیں جنھوں نے
تم کو بلایا تھا "

احمد "تم بھی عجب چیز ہو کس قدر جلد بھول جاتے ہو۔ ابھی دو ہفتے
بھی تو نہیں ہوئے میں نے تم سے کہا تھا کہ کاشی پور کے راجہ کے پاس
چیف ججی کی خدمت کے لئے جو تقرر طلب ہے درخواست بھیجی ہے
اسی کے متعلق رائے بہادر کرسٹو چندر دت نے جو راجہ صاحب کے
دیوان ہیں مجھکو تار دیکر بلوایا تھا۔

فرخ ۔ ٹھیک کہتے ہو اب یاد آیا تم نے مجھ سے کہا تھا مگر کرسٹو چندر دت کا نام اس وقت پہلی دفعہ سنا۔ یہ تو کہو نتیجہ کیا نکلا ؟

احمد ۔ کچھ بھی نہیں۔ رائے بہادر نے مجھے دیکھنا اور غالباً میرا امتحان لینا چاہتے تھے اسی لئے مجھے طلب کیا تھا اُن کی باتوں سے یہ تو پایا گیا کہ وہ مجھ سے ملکر خوش ہوئے انھوں نے کوشش کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ کاشی پور سے تو تم کو ذاتی واقفیت ہے۔ گزشتہ مہینے میں تم وہاں کسی مریض کی طلبی پر گئے تھے مگر ہاں کرسٹو چندر دت اسوقت دیوان نہیں تھے جائزہ لیکر انھیں صرف دو ہفتے ہوئے سرکار انگریزی کے وظیفہ یاب ڈپوٹی کلکٹر ہیں بظاہر آدمی تو معقول ہیں ۔

فرخ ۔ ہاں کاشی پور سے میں خوب واقف ہوں مہیش چندر رکرجی وہاں کے ایک بڑے زمیندار نے مجھے بلایا تھا۔ ہاں خوب یاد آیا ہز آونر لفٹننٹ گورنر کو جو تم نے درخواست دی تھی اس کا کیا حشر ہوا؟

احمد ۔ شاید میں تم سے ذکر کرنا بھول گیا میری درخواست اوسی زمانہ میں نامنظور ہوئی وہ اس بنا پر کہ از روئے قاعدہ ڈپوٹی کلکٹری کی خدمت کے لئے امیدوار کی عمر ۲۴ سال سے متجاوز نہیں ہونی چاہیئے اور رابدولت کو (مسکراکر) ماشاء اللہ چھبیسواں سال ہے اسی خیال سے میں نے منصفی کے لئے بھی کوشش نہیں کی البتہ سینیر پریکٹیسنگ بیرسٹروں کو اعلی عہدات مثلاً ہائیکورٹ کی ججی وغیرہ کے ملنے میں یہ قید مانع نہیں ہے بیچارے جونیر بیرسٹروں کو ہر طرف سے دقت کا سامنا

آخر مجبور ہو کر کاشی پور میں جو درجہ سوم کی دیسی ریاست ہے نوکری
کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ گو چھوٹی سی ریاست ہے مگر کلکتہ کا قرب اور
خوش آب و ہوا مقام ہونے کی وجہہ سے مجھے پسند ہے بشرطیکہ نوکری
مل جائے۔"

فرخ۔ "ہاں تو مجھے اسی میں کلام ہے چیف جج کا عہدہ ایک اعلیٰ
اور بیش قرار ماہوار کی خدمت ہے اسپر کسی کو مقرر کرنا دیوان کا
کام نہیں ہے ان کے اقتدار سے باہر ہے اگرچہ کوشش کرنے کا انہوں
نے وعدہ کیا ہے مگر مجرد اُن کی کوشش جہانتک مجھے وہاں کے
حالات کا علم ہے مجھے شک ہے کہ منزل مقصود تک پہنچائے اسکی
وجہہ یہ ہے کہ اس تقرر کا تعلق راست راجہ سے ہے اس لئے حواشی
کے لوگوں کا ہموار کرنا ضروری امر ہے اور ان حضرات کا ہموار کرنا
کارے دارد۔ تاوقتیکہ انھیں امید یا بیم نہ ہو صرف اس خیال
سے کہ تم قابل و اہل و مستحق کسی خدمت کے ہو وہ تمھارا کام کردیں
ایں خیال است و محال است و جنوں حقیقت یہ ہے کہ یہہ حضرات
عموماً معمولی طبقہ کے اشخاص ہیں اس پر سے جاہل محض پھر اُن کے
اخلاق کا کیا پوچھنا بقول شخصے ایک تو کریلا کڑوا اس پر چڑھا نیم
اور جہاندا ہو گیا۔ چاپلوسی یا سازشی چالوں کی بدولت موجودہ
مدارج اعلیٰ پر پہنچے ہیں۔ بلکہ جہانتک اُن کا بس چلے گا تمہارے
حق میں پس و پیش کریں گے۔ حتی الوسع متدین و قابلیت مآب و عالیخاندان

بنجیب الطرفین اشخاص کے قدم جمنے نہیں دیتے کیونکہ ان صفاتکا
آدمی دلالی و مکاری کے داؤ پیچ سے ناواقف ہوتا ہے اس لئے
مثل پانی کے اُن کے رنگ میں مل نہیں سکتا۔ اون سے امداد کی
توقع جب ہی ممکن ہے یا تو اُن کو اس کا یقین ہو جائے کہ اگر وہ
تمہاری مدد نکرینگے تو اون کا وجود خود معرض خطر میں آجائے گا
یا نفع کثیر اون کو حاصل ہوگا غرض وہی دو صورتیں امید یا بیم۔
ماسوا اس کے ایک اور شکل بھی تمہاری کامیابی کی ہو سکتی ہے
وہ یہہ کہ خود راجہ صاحب تک کوئی زبردست سفارش پہنچاؤ ورنہ
کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو + ایک ہو کہ ڈیڑھ ہو کہ یون ہو۔
تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی فرض کر لوں کہ تمہارا تقرر ہو بھی گیا مگر
بقول شاعر لوگ کہتے ہیں جاہ مشکل ہے پر غلط ہے نباہ مشکل ہے
یعنے تمہارا ٹکنا وہان دشوار ہو جائے گا وہاں کی حالت اور تمہارے
مزاج وخیال کی ترکیب سے میں خوب واقف ہوں تم سے بہتذل
لوگوں کی جو کل سکے بنئے آج کے سیٹھ بنے بیٹھے ہیں خوشامد ہونے
سے رہی تم کو اپنی منش وذی کے تحفظ کا اور اپنی عالی خاندانی کا
بڑا خیال ہے دوسرے یہہ کہ کھری طبیعت کے سیدھے سادھے
آدمی ہو نہ کسی سازشی پارٹی میں شریک ہونے کا اور نہ سازش
پیدا کرنے کا تم میں مادہ ہے اور نہ سر سہلا کر بھیجا کھانا آتا ہے اس لئے
تم وہاں کے لئے کسی طرح موزوں نہیں ہو گو راجہ صاحب اپنی

ذات سے بہت اچھے ہیں"

احمد۔ "ان باتوں کے سننے سے میرا جی چھوٹ گیا۔ یہ تو سچ کہتے ہو ان میں سے کوئی بات بھی مجھے حاصل نہیں ہے اور نہ مجھ سے یہ ہوسکے گا کہ کمر ببندم و بامر ذلک سلام کنم۔ مگر یہ تو سنو میں نے وہاں دو چار قدیم ملاقاتیوں کو بھی دیکھا جو انگلستان میں میرے معتقد تھے دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ بڑی بڑی خدمتوں پر ممتاز ہیں یا تو کیا یہ مغربی تعلیم یافتہ اشخاص بھی ایسی زشت حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہوں گے پھر ان کو نوکریاں کیونکر ملیں کیا سب ڈپٹی یا تحصیلدار کی یہی حالت ہے؟"

فرخ۔ "بلحاظ قانون قوت کشش الارض دریافت کردہ سر آئزک نیوٹن جس کا اصول یہ ہے کہ زیادہ تر قوی شے اپنے سے کمتر قوی چیز کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے یا یوں سمجھو ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد۔ یہ بیچارے بھی انہیں میں مل گئے ہوں گے اور جو نہ ملے ہوں گے ان کا نقصان نہ ہوگا اور ان کو نوکریاں جو مل گئیں اس کی کیفیت بھی مجھکو معلوم ہے بعض تو راجہ صاحب کے پاس زبردست سفارش لائے اور بعضوں کے چچا پھوپا خسر وغیرہ نے جو کسی نہ کسی طرح بڑی بڑی خدمتوں پہنچ چکے ہیں۔ اپنے گہرے اثرات سے کام لیا اور ان کو بر سر کار کیا تم ہیں نوکری کی ہوس اگر ایسی ہی غالب ہے اور سرکار انگریزی میں بوجہ زیادتی

عمر کے نوکری ملتی نہیں تو دیسی ریاستوں میں سے کسی بڑی ریاست میں شتابا لگاؤ مثلاً حیدر آباد دکن یا میسور یا بڑودہ یا گوالیار جہاں تنخواہیں بھی معقول ہیں اور بوجہہ حکمرانوں کی روشن خیالی کے یہ سب دقتیں بھی پیش نہیں آنے کی ماسوا اس کے۔ خاک از تودہ کلاں بردار کا اصول ملحوظ رکھکر کام کرو۔ سب دیسی ریاستوں کی ایسی حالت کیوں ہونے لگی البتہ بعضوں کی ہے ''

احمد۔ تمھاری قوت مشاہدہ کا اور مادۂ استخراجیہ کا میں قایل ہوں تم نے جو کچھ وہاں دیکھا اور سنا اوس سے جو نتیجہ نکالا ضرور صحیح ہوگا میں آج ہی درخواست کی واپسی کے لئے خط لکھوں گا بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان۔ میں ایسی نوکری سے درگزرا جس سے میرے اخلاق و اطوار میں فرق آئے یا میری خودداری میں بل آئے میری مالی حالت تم سے پوشیدہ نہیں۔ پریکٹس کے میدان میں خصوصاً کلکتہ جیسے شہر میں جہاں بلحاظ کثرت تعداد و قابلیت و تجربہ اصحاب وکالت پیشہ نہایت سخت تقابل ہے اُن کی پریکٹس کے تیز رفتار گھوڑوں کے آگے میرا دھیمی رفتار کا ناتجربہ کار ٹٹو چل نہیں سکتا اور دایرۂ ملازمت کا دروازہ سرکاری معینہ عمر سے میری عمر متجاوز ہونے کی وجہہ سے میرے لئے بند ہے دیسی ریاستوں کا جو نقشہ تم نے کھینچکر دکھایا اوس نے میرے ہوش دنگ کر دئے پھر کروں کیا خودکشی کر لوں تاکہ تجھ کو ہمیشہ کے ذق

وبق بق سے نجات ملے اور میرے گندے وجود سے دنیا پاک ہو۔ بقول شخصے خس کم جہاں پاک۔

فرخ۔ "تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ جی نہ ہارو۔ مشکلے نیست کہ آسان نشود + مرد باید کہ ہراسان نشود۔ ہمت بلند رکھو۔ بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد + اگر خارے بود گلدستہ گردد۔ میں نے ابھی تم سے کہا کہ سب دیسی ریاستوں کی ایسی کیفیت کیوں ہونے لگی جن بڑی بڑی دیسی ریاستوں کا نام لیا ہے اُن میں سے کسی ایک میں جاکر قسمت آزمائی کرو۔ خصوصاً حیدرآباد دکن کے فرمانروا کی میں نے بڑی تعریف سنی ہے کہ بہت روشن خیال کریم النفس اولوالعزم بلند حوصلہ رئیس ہیں وہاں جاکر کوشش کرو"۔

احمد۔ "اچھا تو اس کے متعلق ذرا غور کرنیکے بعد سلسلہ جنبانی کرونگا مگر یہ تو بتاؤ آج ایک عرصہ کے بعد ماشاء اللہ تم کو ذرا شگفتہ پاتا ہوں"۔

فرخ۔ "میں تم سے اپنی انبساط کا سبب خود ہی کہنے والا تھا کہ تم نے ٹوک دیا جس ستم ایجاد کا بے نام خط سن کر تم نے کہا تھا کہ کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں اور جس ستمگر نے ایک عرصہ تک برقعہ پراسرار اوڑھکر اپنی دلفریب طبیعتداری کے تیر لگا لگا کر مجھے گھایل کردیا تھا جس کی وجہ سے مجھے کسی کروٹ اور کسی پہلو قرار نہ تھا آخر اوس ستم پرور کا پتہ لگ گیا"۔

احمد۔ (مارے خوشی کے اوچھلکر) واللہ ہاتھ لانا اُستاد کیا کہنا۔

مانتا ہوں۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ کیونکر ڈھونڈ نکالا کیا محکمہ خفیہ پولیس سے امداد لی۔ معلوم ہوتا ہے اس دفعہ اپنی والدہ مرحوم کی وفات کے بعد تم جو لکھنؤ گئے تھے تو وہیں کوئی ترکیب تم نے لڑائی

فرخ۔ (متبسم ہوکر) جستجو شرط ہے ڈھونڈھے سے کیا نہیں ملتا مثل مشہور ہے جوئندہ یابندہ۔ نہ خفیہ نہ ظاہر کسی پولیس سے مدد نہیں لی خدا اوس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے میرے تجسس نے یہ عقدہ حل کیا ہاں یہ سمجھو کہ میری زبردست قوت ارادی یا قوت تصور کا یہہ نتیجہ ہے یا میری آہ بے تاثیر کا اثر ہے کہ ستم پرور ہے یہہ ورنگیاں،،

اسعد۔ جو کچھہ تم نے کہا اپنی جگہہ پر سب صحیح و درست ہے مگر دنیا عالم اسباب ہے ظاہری سبب کیا ہوا وہ تو کہو۔ خدا وہ دن لائے تو دیکھنا کہ بھابی صاحبہ کی میں کیسی خبر لیتا ہوں جیسا اونھوں نے تمھیں دق کر ڈالا تھا اس کا بدلا انشاءاللہ میں ہی نکالوں گا

فرخ۔ تم بھی عجب ذات شریف ہو کیوں بیچاری کو گالیاں دیکر مشغول الذمہ ہوتے ہو غیب کی باتیں عالم الغیب ہی جانتا ہے

مصرعہ۔ دگرگوں حال ہو جاتا ہے دم بھر میں زمانہ کا۔ جب تک کوئی بات وقوع میں نہ آلے اسے شدہ نہ سمجھنا چاہئے۔ خدا ہی کو معلوم ہے کونسی خدا کی بندی تمہاری بھابی ہونے والی ہے اچھا ابتدا ان کے ظاہر ہو جانے کی کیفیت سنو۔ میں عادتاً ہمیشہ صدق دل سے

اپنے خالق سے طالب امداد رہتا ہوں۔ شہنشاہ ہفت اقلیم کی بھی
مجھے پرواہ نہیں ہے جس کی مدد کے شہنشاہاں عالم حاجت مند
و محتاج ہیں یہ بندۂ درگاہ بھی اسی بارگاہ کا محتاج ہے میرا ہر کام
منجانب اللہ ہوتا ہے مصرعہ۔ وستے از غیب برون آید و کارے
بکند۔ یہاں تو یہ حساب ہے۔ پھر ایسے مسلک کا آدمی خفیہ سے
کیا استعانت چاہے گا اور کسی کلٹی سے کیا مدد لیگا کل امر
موقوف باوقات تھا جب تک مقسوم میں بیکلی سہنی تھی سہی جب وقت
مقررہ راحت کا جب آگیا تو خود اُن بیگم صاحب کو ہدایت منجانب اللہ
ہوئی۔ آج جو خط اون کا آیا ہے اوس میں ساری حقیقت کھول دی

احمد۔ (ذرا عجلت کیساتھ) کہاں ہے وہ خط دیکھوں۔

فرخ۔ خط تو دکھاتا ہوں مگر یہ یاد رہے کہ کسی کے سامنے کھولکر
اس کا تذکرہ نہ کرنا ممکن ہے کہ میں اونھیں سے شادی کروں
تم ہندوستان کے رسم و رواج سے واقف ہو قبل شادی کے اس
قسم کی مراسلت کرنے والی لڑکی کو لوگ بد اطوار خیال کرتے ہیں
اگر یہ بات مشہور ہو گئی تو میرے لئے بدنامی کا باعث ہوگی۔ یہ
کہکر فرخ نے بیرا کو بلا کر اوس سے اپنا قلمدان منگوایا اوس میں
سے ایک خط نکال کر غازی الدین کو دینے لگا غازی الدین احمد
نے کہا تمہیں باواز بلند پڑھو اون مہرپرور بیگم صاحبہ کی شان
خط کے تم عادی ہوگئے ہو تم باسانی پڑھ سکو گے میں اٹک اٹک کر

پڑھوں گا اس سے لطف جاتا رہے گا۔ چنانچہ فرخ نے باآواز بلند یہ خط پڑھا"

خط

کاچھی گوڑہ
حیدرآباد دکن
۱۲ اپریل
سنہ ۱۹۵ء

جستجو عنقا کی ہے ناوک لگا سکنے کو
ڈھونڈتے ہو بے نشانوں کا نشانہ کیلئے

اے میرے پیارے ڈاکٹر!

جس وقت آپ کا ۸۔ اپریل کا خط مجھکو ۱۱۔ اپریل کو تقریباً ایک بجے ملا میں دہلی اپنی ایک سہلی کو جو رشتہ میں میری بھتیجی بھی ہوتی ہے خط لکھ رہی تھی۔ چونکہ وہ متواتر کئی خط بھیج چکی ہے اور مجھ مجہول العلم نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا تھا اس لئے اخیر خط میں نثر یا د دینے والا اسرنامہ یہ تھا۔ یا دم نمی کنی و زیادم نمی روی ٭ عمرت دراز باد فراموش گار من۔ اور بے انتہا منفعل کر دینے والے پیارے پیارے شکایت آمیز طعنوں کے بعد یہ لکھا تھا کہ چھا تو ناسا کرد گستاخ۔ چونکہ اوس کے خط میں سچی محبت کا اظہار شکایت کے پیرایہ میں کیا گیا تھا اس لئے مجھے بھی اس کا جواب سوچ سمجھکر اسی ترکیب کا مگر پیرایہ بدل کر دینا پڑا میں نے جواب میں جو خط لکھا ہے اس کی ہیڈنگ میں یہ شعر لکھا ہے ۔ پھر ترے کوچہ میں جاتا ہے خیال ٭ دل گم گشتہ مگر یاد آیا۔ غرض اس خط کے لکھنے میں کھتی

ہوئی تھی کہ دفعتاً آپ کا نامہ آیا جسنے فی الفور بیچاری ۔۔۔ کا خط ناتمام چھوڑا کر اپنی طرف مشغول کر لیا ۔ ہئے ہئے اگر میں کہیں اسکو یہ لکھدوں کہ تم سے باتیں کرنے میں ڈاکٹر صاحب مخل ہوگئے تو پھر دیکھو کیسا لڑتی ہے چونکہ ہے طبیعت دار لڑائی بھی ایسی پیاری لڑے کہ دیکھنے اور سننے والے بھی بے اختیار کہہ اوٹھیں

لڑائی صلح آمیز آپڑی ہے ؛ ملا ہے دل تو آنکھ اون سے لڑی ہے

خیر اب اوس کے جواب کو تو تھوڑی دیر کے لئے بالائے طاق رکھتی ہوں اور آپ سے وویدو ہوتی ہوں ۔ پہلے میں اوس حافظ حقیقی کا شکر بہ تہ دل سے ادا کرتی ہوں جس نے اپنے بے انتہا فضل وکرم سے میرے منتظر کانوں کو آپ کی خیریت کی خوشخبری سے عین حالت انتظار میں مسرور و مشکور کیا اور امید کرتی ہوں کہ آیندہ بھی وہ مجھکو اسی طرح مطمئن رکھیگا ۔ بیشک یہ قول ؎

تو گفتی ہر آنکس کہ در رنج و تاب ؛ دعائے کند من کنم مستجاب

بہت صحیح ہے ۔ اب کے آپ کا خط میرے لئے خاصہ مرثیہ تھا ۔ آپکے حکم کی تعمیل تو میرے لئے واجب ہوچکی ہے اس لئے بلا توقف آپ کا ارشاد بجا لاتی ہوں اور اپنی اصلی حالت ظاہر کرتی ہوں آپ کی لٹیہ بھر جان کا نگہبان حقیقی اگرچہ خدا ہے مگر بظاہر اب آپکو بھی اس کی حفاظت اور رکھیا بہت ضروری ہے کیونکہ بقول آپکے جیسا ایک خط میں آپنے لکھا تھا کہ وہ کسی کی نذر ہوچکی ہے (خدا نخواستہ

کسی کی) اور یہیں سستا چھوٹا اس لئے اب آپ اس کے مالک نہیں ہیں صرف محافظ و امین ہیں اور از روئے قاعدہ مالک سے زیادہ امانت کا خیال ہوتا ہے پس آپ کا فرض منصبی ہے کہ اسکی حفاظت تدین کے ساتھ کریں اور جب آپ کے پیچھے حفاظت کا جنجال لگ گیا تو سستے کہاں چھوٹے وہ تو اور گھرے پھنسے۔

آپنے اپنے ایک خط میں مجھے جیلہ بیگم بہا نیا ہے بیچاری جس قدر کانٹوں میں گھسیٹی گئی وہ حضرت ہی کی عنایت کا نتیجہ ہے اُن غریب کے واسطے تو بالکل الیا ہی ہوا۔ خوبی بھی کبھی آفت جان ہوتی ہے صاحب نہ یوسف یہ ہوئے حسن سے بیداد بہت سے آپنے مجھے ایک خط میں غیرت یوسف کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے آپ کے حسن ظن کا شکریہ ادا کرتی ہوں مگر یہ کسی بری چال کے لئے زیبا ہے۔ نبوت عطا کرنے کا بھی شکریہ قبول ہو اوس کو اپنی آخری کامیابی (قیامت کی مبارک فال اور تسکین بخش یقین کوئی سمجھتی ہوں۔ کیا ساقی محشر کے سامنے تبھی اسی خیال کے ساتھ اپنے دادا (حضرت علی) کے ہاتھ سے آپ کو ثر سے یونہی سیراب کرواؤگے آپ کے ساتھ مراسلت قایم رکھنے کا زیادہ تر اگر کوئی خیال محرک ہوا ہے تو وہ آپ کا آل رسول ہونا ہے مجھ ننگ خاندان کی مختصر کیفیت یہ ہے میرا نام افتخار النساء ہے عرف ..... میری والدہ سلطان میرزا صاحب جن کو خاندان تیموریہ سے تعلق ہے

۱۹۰۸ء میں دلی سے وارد حیدرآباد ہوئے اور اپنے حقیقی بہنوئی نواب حفیظ الدین خاں صاحب کو بھی یہیں بلوالیا جب سے ہم سب یہیں رہ پڑے ہیں۔ خدا حضور پرنور نظام دکن خلد اللہ ملکہ کو سلامت رکھے کہ اونھوں نے اپنے وسیع دسترخوان سے میرے والد اور پھوپا جان کو بطور منصب فی کس ماہ ۵۰ ماہوار مقرر کر دی ہے سرکار انگریزی سے بھی ۵۰ ماہوار میرے والد کو ملتی ہے باقی خاندانی حالات وغیرہ حافظ عنایت اللہ خاں صاحب سے آپ دریافت کر سکتے ہیں اپنے منھ آپ میاں مٹھو کیا بنوں اُن کے سمجھ جانے کے لئے کافی پتہ دیدیا ہے آپ حافظ صاحب کو اس طرح لکھیں کہ میرے ایک دوست جو حیدرآباد کے امیرزادوں میں ہیں اور لندن میں میرے ہم سبق تھے اُن کو ہیں نے لکھا تھا کہ حیدرآباد میں کوئی شریف الخاندان تعلیم یافتہ لڑکی ہو تو میری نسبت ٹھہراؤ چنانچہ انھوں نے سلطان مرزا دہلوی کی لڑکی کے لئے لکھا ہے آپ اون سے واقف ہوں تو کل ضروری امور اون کے حسب نسب و ذریعہ معاش وغیرہ کی نسبت لکھ بھیجیں ان کے پاس سے جواب آنے کے بعد بہتر ہوگا کہ حیدرآباد آجائیں اور اونھیں کے ذریعہ سے میرے پھوپا جان کو پیغام بھیجیں یوں تو ابا جان سے بھی حافظ صاحب سے ملاقات ہے لیکن پھوپا جان سے بہت گہرا ربط ہے والد تو بالکل گوشہ نشین ہیں کبھی کبھار کسی سے مل لیتے ہیں۔ میری پیدائش ۱۸۹۸ء کی ہے۔ میری عمر کوئی چھ مہینے کی

ہوگی جب ہم سب حیدرآباد آئے۔ اب مجھے سترہواں سال ختم ہونیکو
ہے۔ میں بہت کم سنی میں اپنی خالہ جان کے پاس دلی بھیجدی گئی تھی
دلی کے مشن اسکول سے ۱۹۰۲ء میں فرسٹ ڈویژن میں میٹرکیولیشن
کا امتحان پاس کیا۔ ایک تمغہ بھی پنجاب یونیورسٹی سے مجھکو ملا انگریزی
وغیرہ کا درس اب بھی جاری ہے۔ گاہے ماہے ایک آدھ ٹوٹا پھوٹا
شعر بھی کہہ لیتی ہوں نگہت تخلص ہے۔ تصویر کے لئے تو آپنے تقاضوں کا
سلسلہ باندھ دیا ہے اپنی تصویر سردست بچند وجوہ بھیج نہیں سکتی۔
میرے والدین کا یہ احسان کیا کم ہے مجھکو اون کا بیحد مشکور ہونا چاہئے
کہ خلاف رسم ہندوستان اونھوں نے مجھکو اس قدر آزادی دے رکھی
ہے کہ بوقت انتخاب اپنی رائے بھی پیش کروں آپ کیا ہندوستانکی
عام حالت بھول گئے ہیں کہ دولہن کو دولہا اور دولہا کو دلہن کے مزاج
ومذاق ولیاقت تو درکنار نام سے بھی واقفیت نہیں ہوتی اس پر
بھی خوش خوش اُٹھو نا تہہ بیاہ لاتے ہیں اگر خدا نے مجھے اس بلا سے
نجات دی ہے تو کیا بالکل اس کی مصداق بنجاؤں مصرعہ
لگایا منہ تمہیں صابر ذرا تم پیار میں آئے بد۔ ماسوا اس کے حیدرآباد میں میرا
کوئی عزیز فوٹوگرافی کا جاننے والا نہیں ہے۔ میری خالہ زاد بہن کے
ایک بیٹے اس میں کچھ دخل رکھتے ہیں مگر بس کہاں وہ کہاں وہ تو
دلی میں ہیں۔ اجی ڈاکٹر صاحب تصویر لیکر کیا کروگے سوائے اس کے
اوس سے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ میں ہوں مشتاق سخن اور انہیں

گویائی نہیں - بیشمار حسینان عالم ہیں تو ہے نہیں بس ایک کہنی کہانی
آدمی ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ آپ سے اگر اچھی نہیں تو آپ سے بری
بھی نہیں ہوں لیکن اگر آپ اصرار ہی کرتے ہیں تو بہتر لیجیے ہم آپ کو ایک
ایسی تصویر دیتے ہیں جو ہر وقت آپ کے پاس رہے اور ہر حال میں جہاں
چاہیں ذری گردن جہکاتے ہی دیکھہ سکیں - آئینہ میں لگے ہے تصویر یار - جب ذرا گردن
جہکائی دیکھہ لی - اب ذرا آنکھیں بند کر لیجئے اور جو میں کہتی جاؤں بائیں جانب دلکی آئینہ
میں اسکو جگہہ دیتی جائیے دیکھیے وہ سامنے سترہ سالہ لڑکی بڑے انہماک و دلچسپی
کے ساتہہ بیٹھی کچھہ لکھہ رہی ہے اس وقت اوس کا لباس بالکل ایسا
ہی سیدھا سادھا ہے جیسے شریف بہو بیٹیوں کا گھر میں ہونا چاہئے
یعنے آسمانی رنگ کے اطلس کا تنگ پاجامہ اور پیازی رنگا ہوا ململ کی
لمبی آستینوں کا کرتہ پہنے اور اوسی رنگ کا باریک ململ کا چنا ہوا دوپٹہ
جس میں آسمانی رنگ کا ریشمی ربن (فیتہ) ٹکا ہے اوڑہے ہوئے ہے
سر کے بال ماتھے کے دونوں جانب اپنی خلقی پیچیدگی کی وجہہ سے
کسی قدر پریشان ہیں اور یہ پریشانی اوس حالت میں بھی قایم رہتی
ہے جبکہ تازہ سر گندہا ہوا ہوتا ہے اس وقت اوس کی ناک میں تو
کسی قسم کا زیور نہیں ہے البتہ کانوں میں طلائی ابرنگ ہیں جن میں
فیروزے جڑے ہیں ہاتھوں میں کرتوں کے کفوں کے آگے ایک طلائی
منقش بریسلٹ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے زیادہ زیور پہننے کا لڑکی کو
شوق نہیں ہے - یہ لڑکی میانہ قامت سے نکلکر کشیدہ قامت میں گنی جا سکتی

بدن چھریرا چہرہ کی قطعہ آفتابی ہے پیشانی نہ بہت بلند نہ تنگ بھویں
بالکل کمان نہیں تو کمان نما ضرور ہیں آنکھیں بڑی اور رسیلی ہیں
ناک بلند اور ستوان ہے۔ دہانہ اگر بالکل ننھا سا نہیں تو متوسط
حالت سے ضرور گھٹا ہوا ہے ہونٹ اوس پر موزون گردن صراحی دار
رنگت کے لحاظ سے اوس کے پھوپی زاد بھائی فلاقند کا ڈلا کہا کرتے
تھے مگر اب اس عمر کے کثرت کے ساتھ نکلنے والے مہاسوں نے رنگت
ذری کم کردی ہے۔ اس لڑکی کی مجموعی حالت بہت زیادہ دلفریب
و دلکش نہیں مگر خاندانی لحاظ سے اس کے چہرہ سے جبلی متانت اور
چھوٹی سچی شرافت ضرور ٹپکتی ہے لیجئے اب آنکھیں کھول دیجئے اور یہر
ذرا ادھر متوجہ ہوجائے۔ میرے نام میری عمر میری لیاقت میری
صورت سے تو جناب کو آگاہی ہوگئی اب تو آپ کے دل کا دغدغہ
و اضطراب دور ہوا یا اب بھی کوئی امر تشنہ رہگیا ہے۔ حیدرآباد
میں آپ کی پریکٹس کو فروغ ہوسکتا ہے یا نہیں اس کا جواب
میں کیا دوں اس کو آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں یہ تقدیری امر
ہے رہا یہ کہ میرے اعزہ اس بارہ میں آپ کی مدد کرینگے یا نہیں یہ
سوال ہی لاحاصل ہے جو کچھ ان کے امکان و قدرت میں ہے اس سے
تو وہ دریغ نہیں کرسکتے لیکن کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ میرے
عزیزوں میں گنتی کے ڈہائی آدمی یہاں ہیں اور وہ بھی کوئی بارسوخ
و بااثر نہیں۔ بہت باتیں کیں آپ اکتا گئے ہوں گے۔ خدا حافظ۔ خط

سابق کے پتہ سے لکھیے۔

آپ کی خیریت کی طالب

افتخار۔

غازی الدین احمد نے سارا خط غور سے سن لینے کے بعد کہا۔ "تو مبارک"

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر میخواست ؛ آخر آمد زپس پردہ تقدیر برون

جو جو غدشے تمہارے دل کو تھے وہ سب رفع ہو گئے۔

تمہاری خواہش کے موافق اللہ میاں نے غیب سے سامان کر دیا

اور ایسا پھڑکتا ہوا جوڑا ملایا ہے کہ شاید و باید یہ بھی اس لڑکی کی ذہانت

کی دلیل ہے جب اچھی طرح ٹھونک بجا کر اپنا اطمینان کر لیا تب اپنی

اصلی حالت کھولی طرز تحریر کس قدر نفیس زبان شستہ مضمون پاکیزہ

کس کس بات کی میں تعریف کروں مجھے تو بڑا لطف ملا جس خانہ سے

تم نے یہ خط نکالا اوس میں تو بہت سے خط ہیں ایک آدھ اور پڑھو

فرخ۔ "جانے بھی دو اور باتیں کرو میری وحشت بڑھتی ہے"

احمد "کیا خوب۔ اس کی بھی ایک ہی ہوئی یوں کہو کہ وحشت گھٹتی ہے

مثل مشہور ہے (ذکر العیش نصف العیش اب باتوں میں نہ اوڑاؤ تم نے

وعدہ کیا تھا کہ اس معاملہ کی صورت خاطر خواہ نکل آئے تو ایک جلسہ دونگا

یہ بتاؤ کہ جلسہ کب دیتے ہو"

فرخ۔ "تم کو تو جلسوں ہی کی پڑی رہتی ہے۔ بیشک میں نے وعدہ کیا

تھا مگر یہ تو خیال کرو جہاں تھوڑا بہت خوشی کا سامان پیدا ہوا والد مرحوم کی

وفات کی وجہ سے جس قدر رنج و تفکرات میں میں مبتلا ہوں اس کا
اندازہ ناممکن ہے یہ سانحہ نہ ہوا ہوتا تو ایک کیا کئی جلسے دنیا"
احمد۔"ہاں بھائی یہ تو ٹھیک کہتے ہو واقعی تمہاری حالت قابل تاسف
ہے۔ اچھا ایک آدھ اور خط تو سناؤ"
فرخ۔"تم نے تو زچ کر دیا لو سنو" یہ کہکر فرخ نے ایک خط نکالا اور اُسے
پڑھنا شروع کیا۔

خط

کاچھی گوڑہ حیدرآباد دکن
۸ ا مارچ ۱۸۹۵ء

میرے پیارے ڈاکٹر۔
آپ کا ۴ مارچ کا ظرافت نامہ ایک عجیب محویت و مزید انتظار
کی کیفیت میں کل پیر کو مجھکو ملا۔ آپ کا قاعدہ تو یہ ہے کہ خط کی آمد و رفت
اور جواب لکھنے کی مدت پر دو دن اور رکھ لیتے ہیں اور میں خیر سے
دو دن اور گھٹا کر پہلے ہی سے انتظار کرنا شروع کر دیتی ہوں اگرچہ ابھی
کہتی بھی ہوں یہ کیا دیوانگی اور بے صبری ہے ایسے حساب سے تو
اور تکلیف اوٹھانی پڑتی ہے مگر کچھہ خود بخود آنکھیں لگ جاتی ہیں
خیال نے اسی قاعدہ کے موافق ہیں۔ نے اتوار کے دن سے انتظار کرنا
شروع کیا دل نے کہا راہ دیکھو یا کچھہ کرو خط تو آج آتا نہیں کل آئے گا
اب کل کی سنئے صبح سے بارہ بجے تک تو انتظار رہا جب بارہ بج گئے تو

مایوس ہوکر دولائی اوڑھ (خلاف معمول) لیٹ گئی دولائی کے اندر نہ
پوچھئے کہ کیا ہو رہا تھا کبھی تو کوئی کان میں آکر کہہ دیتا تھا کہ ناحق اٹواٹی
کھٹواٹی لئے پڑی ہو خط کی جانب سے آج کبھی منھ دھو رکھو کبھی اللہ میاں کے
نام کی دو کوڑیاں مانی جاتی تھیں پھر کبھی تھی نہیں ایک پیسہ دوں گی
اللہ میاں اچھی بات نہیں ہے دیکھو آج تو خط ضرور آجائے غرض اسی
کشاکش و انتظار کی حالت میں سوا گھنٹہ گذرا کیونکہ ایک بج کر پندرہ منٹ
آئے تھے کہ سچ مچ آپ کا خط میرے ہاتھ میں آگیا اس دفعہ آپ کے خط
نے بھی مجھکو دو دفعہ رلایا ایک تو آپ کے اس شعر سے[1] دم نکلے تو ہم
غم سے کیونکر۔ کچھ بھی تیر چھٹے تو راستہ ہوا اور دل کی بھڑاس عیاری سے
دوسرے حضرت حافظ کا قابل تعلیہ شعر سن کر ایک سکوت کی حالت میں
یہ شعر ہے تو عشق مجازی سے حقیقی کو لیا راہ ہی اس بت کو جو دیکھا تو خدا
نظر آئی۔ جو پڑھا تو بے اختیار آنسو نکل پڑے اس کی وجہ تو دریافت کرنا
میں ہرگز نہ بتاؤں گی) درد دل کی نسبت جو آپ نے کہا ہیں اس سے
گھبرائی نہیں کیونکہ کوئی راحت ایسی نہیں جس کے پہلے تکلیف نہ ہو اور
وہی مبارک و قابل قدر بھی ہوتی ہے علاوہ ازیں یہ تو اب جان کے ساتھ
لگا ہوا ہے مصرعہ درد میرا ایسا ہے کہ مر جائے تو جائے دل اگر ہے تو
درد بھی ضرور ہے[1] اوٹھا ہی کون سکتا تھا گران بار محبت کو۔

---

[1] خدا نکرے تمہارے کانوں پر انگلیاں رکھ لیں کیونکہ میں اپنی زندگی میں یہ سننا نہیں چاہتی

بنایا ہے فقط اسواسطے ہی ایک انساں کو ؎ درد دل کے واسطے پیدا کیا
انسان کو ٭ ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں ٭ فدا ٹھہرئے ایک
شعر اور سناتی ہوں ۔ نہیں معلوم کیا راز محبت اس میں رکھا ہے ؎
ہوا پامال دل دیکھا جہاں سرو خراماں کو ۔ درد محبت کی دلیل ہے ۔ ؎
محبت کے لئے پیدا ہوا دل ٭ محبت گر نہ ہوتی دل نہ ہوتا ۔ بھلا نقش
کالحجر بھی کہیں مٹائے مٹتا ہے مگر اس وقت جو میں نے گھبرا کر لکھدیا
تھا اس سے مراد کچھ اور تھی جس کا اظہار اگر خدا کو منظور ہوا تو کبھی
کردوں گی ۔ آپ نے جو یہ شعر لکھا تھا ۔ اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں ۔ کچھ عجب طرح کی چٹکی میرے دل
میں لیکر نیا سامان آنکھوں کے آگے مہیا کردیا ۔ غالب کا یہ شعر مرقع عالم کے
اس سین کی سرخی ہے جس میں عصمت مآب دوشیزہ وفادار حسینہ کا
شرمندہ شکل اختر سے دفعتہً ملکر فی المعنی اس کی شادی کر لینے اور وعدہ خلافی
کا رو رو کر گلا کرنا اور لڑنا دکھایا گیا ہے ۔ فی الحقیقت حسینہ ہی کا دل تھا
جو اختر جیسے میو فام مرد کی صورت دیکھی مجھے تو واللہ نفرت ہو گئی لاحول ولا
قوۃ مردوا ہو کر ڈوبا ایسا بھی بیچارہ کیا شرم کی کلھیا تھا جو شرم ہی شرم
میں جھٹ دلہن بھی بیاہ لائے اور پھر مزا یہ کہ حسینہ کی محبت کا بھی نام
خدا دم بھرتے ہیں معقول ! ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری ۔ اس
ناول کا تو نہ مجھے پلوٹ پسند آیا اور نہ طرز بیان مگر ہاں نتیجہ اچھا نکالا ہے
یعنی مارے باندھے کی شادیوں سے ایسے خراب نتیجے نکلتے ہیں اور عورتوں

اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینی چاہیئے اور آفت کا پرکالہ عورتوں سے جو آسمان پھاڑ یں اور تھگلی لگائیں بچنا چاہیئے مخصوص بھولی بھالی لڑکیوں کو خدا دام تزویر سے بچائے ما بدولت کی قدرشناس سرکار سے بہت قیمتی انعام ملتے ہیں، جی بجا بہت درست ذرا عنایت کرکے اتنا اور بتا دیجئے وہ کون سی مشکل خدمت ہے جسکے بجا لانے سے آپ کی قدرشناس سرکار سے ہمیں انعام ملنے کی توقع ہے۔ اگر خدمت کی نوعیت بتانے میں کوئی عذر ہو تو نہ بتائیے میں قسمت آزمائی کروں گی مگر انعام کس قسم کا ہوگا وہ تو کہیئے تاکہ خدمت کرنے کو دل بڑھے مگر یہہ یاد رہے جو انعام منتخب کیا جائے وہ میری حالت کے مناسب و موزوں ہو ورنہ عطائے تو بلقائے تو کا مصداق بنا کر الٹا منھ پر ماروں گی"

بہت اچھا یہاں ناک کی سیدھ نکال کر مطلب نکال لو اور بات بنا لو مگر آگے کہاں جاتے ہو کیوں نہ کہیئے گا کیا ذرا سے انچھر میں آپ کے منھ سے تعریف کروا کر اپنے دعوے (اپنے منھ آپ ہی دہن ماکن‌ها) کا ثبوت قایم کر لیا۔ مگر نہیں نہیں خفیف نہ ہوئے آپ کی خفت بسر و چشم آنکھوں پر۔ خیر یہہ بھی آپ نے نہیں میں نے ہی لکھا اب آنکھیں نیچی کر لیجئے اتنا شرمندہ نہ ہوئیے میں اس سے پہلے تصور کی قوت سے بیزار ہوتی تھی اور سمجھی ہوئی تھی کہ یہہ صرف اہل تصوف ہی کے کام کی چیز ہے کیونکہ اس سے اصلی نقشہ کھینچکر پورا انہماک پیدا ہو جاتا ہے مگر اب معلوم ہوا کہ اعتمال کے ساتھہ یہہ قوت ہر حالت میں اچھی ہے اگر

منظور ایڈ دی ہے تو آپ کو میری اس قوت سے شاید کچھ مدد ملے مگر
آپ نے بھی خوب خیالی پلاؤ پکایا اور ہوائی قلعے تعمیر کئے۔

اجی میری کچھ نہ پوچھو میں تو تمام دنیا میں اوڑی اوڑی پھرتی ہوں
کبھی ابنائے باسفورس کے کنارے قسطنطنیہ کے قہوہ خانوں اور وہاں کے
قدرتی مناظر کی بہار لوٹتی ہوں کبھی جاپان کی ہونہار ترقی دیکھتی ہوں
کبھی جزیرۂ ہوائی میں جا دھمکتی ہوں کبھی بحرۂ ہند کے جزیروں کی سیر
کرتی ہوئی سویز میں سے کہیں کی کہیں جا پہونچتی ہوں غرض مغربی و مشرقی
ساری نئی اور پرانی دنیا کو گھڑی بھر میں اپنے تصور میں چھان ڈالتی
ہوں مگر مطلب کو لئے ہوئے جس طرح میں نے شاخ نبات کے لئے آپکو
تنگ کر ڈالا تھا آپنے بھی اسی طرح چوری کر کے سرزوری اختیار کی ہے
میرا ناک میں دم کر دیا ہے کبھی دھمکاتے ہو ڈراتے ہو کبھی چمکار کر منت
سے پوچھتے ہو مطلب تو یہہ ہے کسی طرح میں وہ چوریاں بتا دوں میں
بھی اپنے نام کی ہوں میں تو ہرگز نہیں بتانے کی چاہے آپ کچھ ہی سمجھئے
مگر صرف شاخ نبات کا گلہ اُتارنے کو خفیہ چوری کا مطلب اتنا ہی کہتی
ہوں محفل میں کس کو آپنے دل میں چرا لیا - اتنوں میں کون چور ہے
آپ خود پہچان جائیے اب بھی تجاہل باقی رہگیا ہو تو یوں سنو میرا
دل گم گیا اس بزم میں اے ہمنشیں دیکھو ذرا ادہر دیکھو ادہر دیکھو ابھی تو تھا یہیں پہلو میں دیکھو
انہیں کے پاس ہے جو چپکے چپکے مسکراتے ہیں ہاں انہیں کے ہاتھ دیکھو جیب دیکھو آستیں دیکھو
مگر خاطر جمع رکھو میرا مال کوئی بے ذکوۃ کا تو ہے نہیں جو چپکے سے ہضم ہو جائے

میں بوڑھی دیکھ کر الیتی ہوں عنقریب میں اپنے بال کو مع چوٹیوں دہر گھسیٹتی ہوں۔ آپ کے سر کی قسم آپ کا یہہ جملہ "ایسا الزام دونگا الخ" پڑھکر اتنا بھی تو سوچ نہیں ہوا جتنی اُٹھ دیر سفیدی۔ البتہ گھبرائی تھی تو آپ کی پریشانی کا خیال کرکے جس کی وجہہ سے اوسی وقت آپ کو جواب لکھا حالانکہ مزاج کسی قدر کسلمند تھا۔ وہاں کے انتظام کے خلاف زبردستی آپ کو اپنے ساتھہ رکھونگا۔ انشاءاللہ مصرعہ "رہیگا فرق پر دامن کسی کا" اس سے بڑھکر میرے لئے کیا کامیابی ہوسکے گی کہ جنت بھی ملے اور خاندان اہلبیت میں سے ایک شخص کی خدمتگزاری کا بھی فخر حاصل ہو وہ بھی انکی زبردستی سے۔ ال احمد پہ فدا ہوں یہہ دعا ہے میری۔ ؎

سایۂ قامت حسنین ہو جنت میں نصیب
نہیں خواہش کہ ملے سایۂ طوبی خالی

مجھسے سیانہ پن کا ثبوت پیش کرنا ہوگا" پناہ بخدا!
میں توبہ کرکے اور گنہگار ہوگئی۔ اچھا صاحب وہ وقت بھی اللہ لائیگا۔ ایک ادنی سا ثبوت تو ابھی لیجئے۔ میں نے جو نصیحت پر عمل کیا آپ کے جھونترہی کی تاثیر تھی۔ یہ بھی آپ کے سیانہ پن کی دلیل ہے اب بکواس اپنی ختم کرتی ہوں۔

راقم

ایک مستفسر حالات

احمد ”واللہ غضب کی طبیعتدار اور قابل لڑکی ہے حالانکہ عمر ابھی سترہ یا اٹھارہ ہی سال کی ہے مگر وسعت معلومات و پختگی خیالات بلا کی ہے تمہارے جس خط کے جواب میں یہ خط آیا ہے کاش کہ اسکا مسودہ بھی اس وقت موجود ہوتا تو لطف دوبالا ہو جاتا کیونکہ بہت سے فقرے تمہارے خط کے جو منقول کئے ہیں وہ ادھورے اور صرف کنایتہً و اشارۃً مسطور ہو یا جن سے تمہارے اوس وقت کے خیالات و مافی الضمیر کو پوری طور پر سمجھنا تم دونوں کے سوا کسی دوسرے کے لئے بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے ؎

میان عاشق و معشوق رمزلیست ؛ کراماً کاتبین را ہم خبر نیست۔

تاہم جس قدر میں سمجھ سکا بہت محظوظ ہوا۔ علمی قابلیت بھی اچھی حاصل کی ہے۔ اس پر سے قیامت خیز طبیعت داری سونے پر سہاگہ ہے نہیں معلوم صورت کیسی ہے۔ خدا کرے حسین ہو کیونکہ تم حسن پرست آدمی ہو“

فرخ ”تمہاری تو وہی کیفیت ہے ساری رامائن پڑھ گئے پر نہ معلوم ہوا سیتا کس کی جورو پورا حلیہ تو غریب نے لکھدیا ہے جس سے ناک نقشہ قد و قامت رنگ و روپ سب کی حالت معلوم ہوتی ہے بیشک صورت دار بھی ہے“

احمد ”مگر رنگ کے متعلق تو کچھہ بھی نہیں لکھا ہے“

فرخ ”واہ ! اخط ہاتھہ میں لیکر) دیکھو میں دو مقام سناتا ہوں میرے بھولی زرا دیکھائی قلاقند کا ڈلا کہا کرتے تھے اب اس عمر کی کثرت

کے ساتھ نکلنے والے وہاسیوں نے رنگت ذری کم کردی ہے اس سے
کیا رنگ کا حال نہیں کھلتا مگر وہاسوں نے رنگ ذرا کم بھی کردیا ہو تاہم
گھٹنے پر بھی سبزہ رنگ تو ضرور ہوگا قلاقند کس قدر سفید ہوتا ہے۔

احمد ۔ "قلاقند کیا چیز ہے"

فرخ ۔ "تم بھی عجب بھولے ہو تمھیں قلاقند نہیں معلوم کیا تمہارے
صوبہ بہار میں بنتا نہیں ہے ایک قسم کی مٹھائی ہے۔ بڑی برفی اب تو
تمہارا اطمینان ہو گیا۔ میرے خیال میں سبزہ رنگ سے بھی کھلا ہوا رنگ
ہوگا۔ بڑی چیز تناسب اعضا ہے اور نقشہ کی یعنی ناک آنکھہ بھوں
دہانہ رخسار وغیرہ کی مناسبت ہے۔ گورا رنگ جیسا اپنی جگہہ پر اچھا
ہے اسی طرح سبزہ۔ گندمی۔ گھونا۔ چنپئی۔ سانولا خصوصًا سانولا
اور چنپئی رنگ نہایت پائیدار اور ملیح ہوتا ہے بشرطیکہ ہاتھہ پاؤں
سڈول ہوں نقشہ کھڑا ہوا ور اوس میں بانکپن اور نمک ہو پھر کیا
کہنا بقول میر حسن مرحوم۔ سانولے رنگ سی بھا گو حسن کیا ہمیں تمہارا جاتا ہے
ایسے دھندلکے بیچ مسافر مفت میں مارا جاتا ہے۔ سانولے پن کیلئے
دھندلکے کا لفظ کیا خوب مستعمل ہوا ہے۔ گورے رنگ کو دن سے سیاہ کو
شب سے تشبیہ دیتے ہیں اس لحاظ سے سانولے رنگ کو جھٹپٹے
وقت سے تشبیہ دی ہے جبکہ دن ختم ہونے کو ہوتا ہے اور رات کی
اندھیری شروع ہوتی ہے واقعی وہ ایسا وقت ہے کہ مسافر راہ بھٹکتا
ہے۔ چنپئی رنگ بھی پیارا رنگ ہے میر مونس صاحب مرحوم میر حسن

مرحوم کیسے بوتے نے چنپئی رنگ کی تعریف میں یہ شعر لکھا ہے ؎
اُس پری رو کا عجب حال ہوا پی کے شراب، چنپئی گال دمکنے لگے کندن ہو کر۔
سبزہ رنگ بھی گھائل کرنے کو کم نہیں ہے چنانچہ ایک شاعر صاحب لکھتے
ہیں ؎ سبزہ رنگش بخط سبز مرا کرد اسیر،
دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم،
گورا رنگ اچھا ہوتا ہے مگر پائیدار نہیں ہوتا البتہ اوس میں یہ بُری صفت
ہے کہ بُرا نقشہ بھی کھپ جاتا ہے اکثر یوریشنوں کا نقشہ درست نہیں ہوتا
مگر سرخ و سپید رنگ کی وجہ سے اس قدر بد معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ
سیاہ رنگ کریہہ ہوتا ہے مگر بعض عیاش طبع اصحاب اوسے بھی پسند
کرتے ہیں۔
احمد۔ "تمھارے ہاتھ کوئی مضمون آجانا شرط ہے وہ بال کی کھال کھینچتے
ہو کہ پناہ بخدا رنگ کی خوب دھجیاں اوڑائیں اور باتیں کروہی کہا ہے
تمھاری عاشق صفت معشوق نے تم کو حیدرآباد بلایا ہے اس بارہ میں
تمھارا کیا خیال ہے"
فرخ۔ "سچ پوچھو تو میرے لئے جیسا کلکتہ ویسا حیدرآباد۔ جب انسان
نے اپنا دیس چھوڑا تو کوئی پردیس ہو پردیس ہے البتہ کسی مقام کی غربت الوطنی
بوجوہ خاص کسی دوسرے مقام غربت پر لائق ترجیح ہو۔ میں نے اس
مسئلہ پر بہت غور کیا آخر یہی فیصلہ کیا کہ حیدرآباد جانا قرین مصلحت
ہے کیونکہ اس سے بیشتر بھی کئی دفعہ اس بارہ میں کنایتہً اونھوں نے کہا تھا

کہ اون کی بتلائی ہوئی حالت کی تصدیق و تحقیق پہلے حافظ صاحب کے ذریعہ سے کرلوں اس کے بعد جاؤں مگر میرے خیال میں بے سود و باعث طوالت ہوگا مجھکو یقین ہے وہ لڑکی جھوٹی نہیں ہے جو کچھہ لکھا ہے صحیح لکھا ہے اور جس قدر اوس نے لکھا ہے اس سے تحقیق طلب امور کے متعلق میری تشفی ہو گئی ایسی حالت میں حافظ صاحب کو زحمت دینا تحصیل حاصل ہے۔

احمد۔ "حیدر آباد جو جاؤ گے تو کیا نسبت مقرر کرکے واپس چلے آؤ گے یا وہیں رہکر پریکٹس کرنے کا قصد ہے"

فرخ۔ "تمھارا کیا خیال ہے نسبت مقرر کرکے چلا آؤں یا وہیں رہکر پریکٹس کروں"

احمد۔ "وہاں رہنے کی تو میں ہرگز صلاح نہ دوں گا یہاں میں اکیلا ہو جاؤں گا۔ تمھارے سوا میرا کوئی ہمدرد یہاں نہیں ہے۔ پھر مجھے بھی کلکتہ چھوڑنا پڑے گا"

فرخ۔ میری نسبت جو کچھہ تمہارا خیال ہے اُس کو میں تمہارے حسن ظن سے منسوب کرتا ہوں اور اوس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔ اگر درحقیقت تمھارا ایسا ہی خیال ہے تو ایک رائے تمہیں دیتا ہوں بشرطیکہ میرے مشورہ کو خود غرضانہ نہ سمجھو وہ یہ ہے کہ ابھی تم سے میں نے کہا ہے اگر نوکری کرنی ہے تو بڑی دیسی ریاستوں کو ٹٹولو منجملہ جن کے حیدر آباد کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے اور بچند وجوہ اس کو دوسری

دیسی ریاستوں پر ترجیح ہے۔ میں بھی چلتا ہوں تم بھی اللہ کا نام لیکر
اوٹھ کھڑے ہو پہلے پریکٹس شروع کرو رہ سہکر ملازمت کا بھی کوئی
اسلوب نکل ہی آئیگا میرے خیال میں بفضل ایزدی تمہاری پریکٹس
چل نکلیگی گو وہاں بھی تم ایک اجنبی ہوگے مگر وہ فضل خدا سے اسلامی
ریاست ہے وہاں کے باشندوں کو تمہارے ساتھ کچھہ تو ہمدردی
ضرور ہوگی دوسرے یہہ کہ کلکتہ کی طرح وہاں کا بار اسقدر پُر نہوگا اور
نہ ایسے کہنہ مشق و قابلیت مآب اشخاص کا سامنا ہوگا مجھے تو اس کا
ذاتی علم نہیں ہے اور نہ اس بابہ میں میری رائے کوئی چیز ہے ہمنے
تمہیں لوگوں سے سنا ہے کہ مقابلہ مدراس والہ آباد و بمبئی کے کلکتہ کے
بیرسٹر و وکلا زیادہ تر قابل ہیں اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں اس لحاظ
سے حیدرآباد جو ہند میں چوتھا شہر مانا جاتا ہے وہاں کا بار بھی چوتھے
درجہ کا ہوگا۔ اس باب شک نہیں کہ تمہارا انگلش لٹریچر بہت اچھا ہے
اور باعتبار زبان دانی تمہاری تحریر و تقریر دونوں عمدہ ہے مگر میرا
نہ ماننا فی البدیہہ انگریزی میں تقریر کرنے میں ذرا ہچکچاتے ہو برعکس
اس کے اردو میں تقریر کرنے میں مطلق نہیں رکتے ہو اور ہمنے یہ
سنا ہے کہ حیدرآباد میں وکلا اردو ہی میں تقریر کرتے ہیں۔ پھر نوبازی تمہارے
ہاتھہ ہے بعض اوقات سنجیال مصائب سفر سقر ہے مگر ساتھہ ہی یہ بھی ہے
السفر وسیلۃ الظفر حرکت سے برکت اللہ دیتا ہے۔"
احمد "تمہاری اسوقت کی گفتگو نے میرا دل ایسا بڑھایا کہ بیرہوں تو ابھی

اُڑ جاؤں تم نے جو کچھ کہا بہت ٹھیک کہا ضرور میری وکالت کو وہاں فروغ ہوگا۔ انشاءاللہ ضرور جاؤں گا اور بیچ کھیت جاؤں گا بلکہ ڈنکے کی چوٹ جاؤں گا۔ حال ہی میں میرے والد کے ایک بڑے دوست ایک وکیل پٹنہ کے حیدرآباد کسی اعلی عدالتی خدمت پر مقرر ہو کر گئے ہیں۔ میں اون کو لکھتا ہوں والد کی رائے اس بارہ میں بیکار ہے۔

فرخ۔ "میں سمجھا تمھاری غرض حسین بخش خان سے ہے گزشتہ مہینے میں اون کا تقرر ہوا۔ کلکتہ ہائیکورٹ نے اون کا انتخاب کیا تھا۔ تم اون کو ضرور لکھو بلکہ ممکن ہو تو انھیں کے ہاں ابتداءً قیام بھی کرو جس کا اثر پبلک پر بہت اچھا ہوگا مقدمات کا رجوعہ بہت جلد ہونے لگے گا"

احمد۔ "تمھارا قصد وہاں جانے کا کب تک ہے اور کہاں فرود ہونیکا ارادہ ہے"؟

فرخ۔ "میں اسی خدا کا منتظر تھا جو آج آیا۔ اس دفعہ جو میں لکھنؤ گیا تھا تو حسن اتفاق سے میرے والد مرحوم کے دوست حافظ عنایت اللہ خاں لطف بھی بتقریب رخصت اپنے وطن لکھنؤ آئے ہوئے تھے میں نے اون سے اس بارہ میں گفتگو کی نسبت کا تذکرہ تو قصداً نہیں کیا۔ مگر ایک معقول عنوان سے گفتگو کی۔ اون سے صاف لفظوں میں کہا کہ والد کے انتقال کی وجہ سے آمدنی بہت کم ہوگئی ہے اور پریکٹس کو کلکتہ میں فروغ پانیکے لئے عرصہ دراز کی ضرورت ہے اس لئے میرا قصد حیدرآباد آنکر قسمت آزمائی کا ہے آپ میری کچھ مدد کرینگے یعنے وہاں امرا اور عہدہ داروں سے ملانے

اور مجھ سے اون کا علاج جاری کروانے میں اونہوں نے میرے خیال کو
پسند کیا اور بہت دلاسا اور تشفی دیکر کہا کہ اس بارہ میں پورا اطمینان
رکھو اس لئے پہلے انفیبن کے ہاں جاکر ٹھیروں گا اگر رنگ جم گیا تو میں
بھی جم جاؤں گا ورنہ نسبت مقرر کرکے بیرنگ واپس آجاؤں گا۔ نکاح کا
تو نام لینا سر دست گناہ ہے میری آمدنی کی حالت تم کو معلوم ہے۔ گاڑی
گھوڑا ٹوکوک کمپنی کے حوالہ کر دوں گا۔ وہ نیلام کرکے بعد وضع کمیشن باقی
روپے حیدرآباد روانہ کر دیں گے اور ڈسپنسری کے اسباب بھی بند رہیگا
متر اینڈ کمپنی کے حوالہ کر دیتا ہوں میرے جانیکے بعد بذریعہ نیلام اسباب
فروخت کرکے رقم مجھکو بھیجدینگے۔

انونٹری (فہرست) نقل ہی کروا دیتا ہوں۔

احمد۔ "دن تاریخ بھی کوئی مقرر کی ہے؟"

فرخ۔ "انشاء اللہ آئندہ چہارشنبے روز ۹ بجے کی صبح کی ٹرین میں قصد
روانہ ہونے کا ہے۔

احمد۔ میں بھی تیار ہی ہوں تمھارے جانے کے ہفتہ عشرہ کے بعد میں
بھی آتا ہوں۔ حسین بخش خان کو خط آج ہی لکھتا ہوں۔"

گیارھواں باب

جہاں سیف آباد بیرون بلدۂ حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے محلوں میں بوجہ صفائی ستھرائی بہر چھیپےپن کے اور بلحاظ خوش منظر و خوش آب وہوا و پر رونق ہونیکے شہرت عامہ رکھتا ہے دوسرے لفظوں میں اوس کو فرحت آباد کہیں تو بجا ہے وہاں عنایت منزل کو بھی بہ سبب رفعت و شان و وسعت مکانیت و بخیال خوش وضعی اور اندرونی سجاوٹ کی طرحداری اور بیرونی صحن کی چمن بندی و آراستگی کے امتیاز خاص حاصل ہے اس لئے بالفاظ دیگر فرحت منزل کہنا روا ہے یوں تو حیدرآباد جیسے غدار و پر شان شہر میں (خدا درست مطلق حیدرآباد کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور سر پر آرائے کشور دکن کا ہمیشہ بول بالا رکھے جس کے زیر حمایت و سایۂ عاطفت میں ہر ذی روح شادان و فرحاں نظر آتا ہے اور فرمان روا کی بیدار مغزی و معدلت گستری و نصفت پسندی کے سبب ڈیڑھ کروڑ بندگان خدا چین و امن کے ساتھ بیفکری کی زندگی بسر کر رہے ہیں مالک حقیقی حیدرآباد کو اور اوس کے مالک مجازی کو ہمیشہ چشم زخم سے محفوظ رکھے! آمین !! ثم آمین !!!) حویلیاں کوٹھیاں بنگلے مینشنز خوبصورت و عالیشان سر بفلک عمارتیں ایک سے ایک بڑھکر عرض و طول میں ہیں جو قدیم و جدید فن تعمیر کے بہترین نمونے ہیں مگر سیف آباد بھر میں بعض خصوصیتوں کی وجہ سے عنایت منزل اپنی نظیر آپ ہے یہ

کوٹھی اور اوس کی آراستگی حافظ عنایت اللہ خاں کی اولوالعزمی و عالی حوصلگی و نفاست مذاق و بلند خیالی کی بین دلیل ہے ساتھ ہی ان اوصاف کے حافظ صاحب مہمان نوازی بھی پرلے درجے کے ہیں جب دیکھو دو چار مہمان دور دراز مقامات سے آئے ہوئے حافظ صاحب کے وسیع دستر خوان سے بہینوں مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ آئے دن اقسام کی دعوتیں بھی ہوتی رہتی ہیں کبھی اٹ ہوم ہے کبھی ٹی پارٹی کبھی گارڈن پارٹی کبھی ڈنر کبھی بریکفسٹ کبھی لنچ کبھی میوزیکل ایوننگس غرض کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ آج بھی عنایت منزل کا ڈائننگ ہال مہمانوں سے گرم ہے۔ بوجہ ایک یا اقتدار و اعلیٰ عہدہ دار ہونے کے ممالک محروسہ میں حافظ صاحب کا طوطی بولتا ہے تمام دھاک بیٹھی ہے چاروں طرف ہوا بندھی ہے اس لیے بڑے بڑے جلیل القدر امرا اور عالی مرتبہ عہدہ داروں کا جمگھٹا ہے اس میں یورپین حضرات بھی ہیں اور ہندی بھی ہیں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب ڈزرٹ یعنے میووں پر مہمانوں نے حملے شروع کئے تو حافظ صاحب نے کھڑے ہوکر باواز بلند کہا حضرات اپنے اپنے ٹمبلرس (گیلاس) زرا گرم مشروبات سے پر کریں کسی نے سوڈے سے کسی نے لیمنیڈ کسی نے جنجر بعض یورپینوں نے دختر رز سے گیلاسوں کو لبریز کیا۔ حافظ صاحب نے مودبانہ طریقہ سے مختصر و پر تعظیم الفاظ میں اعلیحضرت حضور پرنور بندگانعالی و شہزادگان بلند اقبال و والا منزلت کے جام صحت و سلامتی کے پینے کی تحریک کی سب مہمانوں نے نہایت جوش و خروش و مسرت کے ساتھ عقیدتمندانہ

ہوں یا اور علوم کی ہوں حاصل کرنا دال بھات کا نوالہ نہیں ہے کہ ملایا اور نگل گئے بلکہ لوہے کے چنے چابنے ہیں کیونکہ لندن یونیورسٹی کے امتحانات بلحاظ نفس تعلیم و نفسی سوالات مشکل ترین ہیں ایسے مشکل ترین امتحانوں میں کامیابی اور وہ بھی اس کم عمری میں یہ فرخ میرزا ہی کا حصہ تھا (جیز لقد صدق) جس طرح سے ان امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے میں اُن کی فطرتی ذکاوت و جودت نے اون کی مدد کی ہے اسی طرح عملی تجربہ حاصل کرنے میں بھی اون کی طبعی رسائی ذہن کام آئی ہے۔ ان کو طبابت شروع کئے ہوئے ابھی کامل ایک سال بھی نہیں ہوا ہے لیکن اس قدر کم مدت میں انہوں نے اس قدر تجربہ حاصل کر لیا ہے کہ معمولی ذہانت کے آدمی کو دس برس میں بھی حاصل ہونا مشکل تھا۔ فرخ میرزا صاحب کو حیدرآباد تشریف لا کر آج ساتواں روز ہے۔ اس قلیل عرصہ میں وہ کبھی کبھی آپ کو ملنے ایک نو میرے نواسہ کا معالجہ انھوں نے کل ہی کیا اور حیرتناک کامیابی کیساتھ کل تیسرے پہر کو یک بیک بچہ کا مزاج بگڑ گیا بیٹھے بیٹھے غش کر گیا۔ اتفاق سے فیملی ڈوکٹر بھی موجود تھے انھوں نے یہاں کے ایک نامی گرامی ڈوکٹر کو میری اجازت لیکر فوراً طلب کیا اور دونوں کے مشورہ سے نسخہ مرتب ہوا جس کی دو تین خوراکیں دی گئیں مگر جب غش سے افاقہ نہیں ہوا تو میں بہت وحشت زدہ ہو گیا اور ڈوکٹر فرخ میرزا سے میں نے کہا کہ آپ مرض کو اگر سمجھ گئے ہوں تو کوئی نسخہ لکھئے انھوں نے فوراً ایک نسخہ لکھا جو بچہ کو دیا گیا آپ حضرات یقین کریں کہ پہلے ہی خوراک میں

دوا پلانے کے دس بارہ منٹ کے بعد بچہ نے آنکھیں کھولدیں گھنٹہ
بھر کے بعد ایک اور خوراک دی گئی دوسری خوراک پی کر آدھا گھنٹہ
بھی نہیں ہوا ہوگا کہ بچہ ماشاء اللہ اوٹھ کھڑا ہوا آج چوتھا روز ہے کہ میرے
مکرم دوست نواب مدبر الدولہ بہادر کی صاحبزادی کا علاج بھی ڈاکٹر صاحب
نے شروع کیا حسن اتفاق سے نواب صاحب اس وقت شریک جلسہ
بھی ہیں وہ میرے کلام کی تصدیق کرینگے کہ اس چار روز میں اس قدر
نمایاں فایدہ نظر آرہا ہے کہ خود نواب صاحب کو حیرت ہے کیونکہ نواب صاحب
کی صاحبزادی صاحبہ کی علالت کا سلسلہ عرصہ دراز سے قایم ہے اور
امراض بہت پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں بمبئی و مدراس بھی مریضہ کو بھیجا کر
معالجہ کروایا گیا بعوض افاقہ کے روز بروز مرض بڑھتا ہی گیا الحمد للہ
ڈاکٹر فرخ میرزا کے چار روز کے علاج سے اس قدر فایدہ دکھتا ہے کہ
بہت جلد صحت کامل ہونے کی امید بندھی ہے ان دونوں مثالوں
سے ظاہر ہے کہ کس قدر جلد امراض کی تشخیص صحیح طور سے کی گئی۔
بیشبہ طبابت میں بڑی چیز تشخیص ہے اور ایک عرصہ دراز کے تجربہ کے
بعد یہ بات طبیب کو حاصل ہوتی ہے مگر میرے نوجوان دوست کی
غیر معمولی ذکاوت کا یہ نتیجہ ہے جو ابھی سے اس درجہ حذاقت اونکو
حاصل ہوئی مجھے امید کامل ہے کہ انشاء اللہ تعالی تھوڑے عرصہ کے
بعد دور دور مقامات میں اون کا مثل نہیں ملے گا یہی وجہ تھی
کہ میں نے باصرار اون سے کلکتہ چھوڑوایا اور حیدرآباد میں مطب

کھولنے اور طبابت کرنے پر ان کو مجبور کیا تاکہ اس اسلامی ریاست کو
ایک گوہر نایاب مسلمان ڈاکٹر سے فائدہ پہونچے۔ ان کے والد مرحوم
خدا ان پر رحمت کرے نواب فریدون مرزا بہادر میرے بچپنے کے دوست
تھے اس لئے مجھے ان سے ایک خاص الفت و دلچسپی ہے۔ ان کی بہبودی
و ترقی کو میں عین اپنی ترقی سمجھتا ہوں اور سمجھوں گا۔ میں آپ حضرات سے
بھی امید رکھتا ہوں کہ آپ حضرات بھی ان کی اعانت و امداد میں
ہرگز دریغ نہ فرمائیں گے۔ چونکہ سردست میرے مکان میں کئی مہمان فروکش
ہیں مہمانوں کے لئے جو کمرے مخصوص ہیں عنایت ایزدی سے وہ سب بھرے ہوئے
ہیں اس لئے میں نے ان کو بحیثیت اپنے مہمان کے نظام کلب میں
ٹھہرا رکھا ہے۔ یہ عنقریب کوئی بنگلہ کرایہ سے لینگے۔ یہ امر ابھی زیر غور ہے
کہ کس محلہ میں جہاں کی صحت بھی درست ہو اور اندرون بلدہ کی آبادی
سے دور بھی نہ ہو ان کی سکونت اور ڈسپنسری کے لئے کوئی مکان
لیا جائے بہرحال یہ سب تو ہوتا ہی رہے گا اس وقت میں دلی مسرت
کے ساتھ ملتجی ہوں کہ آپ حضرات میرے نوجوان ہونہار قابل قدر ڈاکٹر
کا جام صحت نوش فرمائیں۔"

جملہ حاضرین نے اپنے اپنے گلاس اپنے منھ سے لگائے اس کے بعد
ڈاکٹر فرخ مرزا نے کھڑے ہوکر جملہ حاضرین کا خصوصاً حافظ صاحب کا
مختصر و مناسب الفاظ میں شکریہ ادا کیا اس کے بعد جملہ حاضرین ڈائننگ
ہال میں سے ڈرائنگ ہال میں داخل ہوئے جہاں ایک بین کار اور

اور ایک سرود دیا اور دو گوے حاضرین کی تفریح طبع کے لئے بیٹھے
موجود تھے۔ تھوڑی دیر گانے بجانے کی صحبت رہی۔ اُن گویوں نے
خوب خوب اپنے کرتب دکھا کر مہمانوں کو محظوظ کیا۔ بارہ بجے کے قریب
صحبت برخاست ہوئی۔

بارھواں باب

فرخ مرزا نے یوں تو کلکتہ سے روانہ ہونے کے وقت ہی اپنی روانگی
کی اطلاع افتخار کو دے دی تھی حیدرآباد پہنچکر جو پہلا کام فرخ نے کیا
وہ یہہ تھا کہ حیدرآباد میں بخیر پہنچنے کی اطلاع بذریعہ لوکل پوسٹ کارڈ (ڈاک
مقامی) افتخار کو دی جس کے جواب میں افتخار نے مسرت دلی کا اظہار
کیا اور یہہ رائے دی کہ ہفتہ عشرہ گذر جانے کے بعد حافظ عنایت اللہ خاں
کے توسط سے نواب حفیظ الدین خاں سے فرخ تعارف پیدا کرے
اور اون کے ذریعہ سے افتخار کے والد سلطان مرزا سے ملے اور پھر
چند روز کی آمد و رفت کے بعد نسبت کی تحریک کرے چنانچہ فرخ نے
افتخار کے مشورہ کے موافق عمل کیا اور تخمیناً پچیس چھبیس روز میں یہہ
کُل مراتب و مراحل نہایت آسانی و خوبصورتی سے طے کئے عقد نکاح
کا ہونا آیندہ مہینے کی گیارہویں کو قرار پایا تھا۔ اس قرارداد کے جو تھے روز

افتخار نے اپنے ایک خط میں یہہ لکھا کہ اوس کے بڑے بھائی کی نسبت یکایک دلی میں ٹھہری ہے اس لئے ہفتہ عشرہ میں سارے خاندان کا دلی جانا لازمی ہے اور اپنی شادی کی نسبت یہہ تحریر کیا کہ دلی سے واپسی کے بعد ہوگی کیونکہ اس کے بڑے بھائی کی شادی کی تیاری سے کسیکو مہلت نہیں ہے کہ اوس کی شادی کی تیاری میں کوئی مصروف ہو۔ ساتھہ ہی اس کے بہت سے کلمے تشفی دہ و اطمینان بخش لکھکر اپنی وفاداری و صادق القولی کا اظہار کیا افتخار کے اس خط نے فرخ کو بیحد پریشان و مضطرب کر دیا۔ نواب حفیظ الدین خاں نے بھی فرخ سے ملکر عقد کے ملتوی ہونے اور اوس کے اسباب کے متعلق گفتگو کی اور فرخ کو اس کا اطمینان دلایا کہ دلی سے واپسی کے بعد فوراً عقد ہو جائے گا۔ گو نواب حفیظ الدین خاں نے اور خود افتخار نے بھی فرخ کو بہت کچھہ اطمینان دلایا لیکن فرخ کی پریشانی اور اضطراب کی انتہا نہیں تھی فرخ جب سے حیدرآباد آیا ہے حافظ عنایت اللہ خاں کی عنایت و شفقت اس غریب الوطن پر بے غایت ہے۔ عمائدین و اعلیٰ عہدہ داروں سے اپنے ہمراہ لیجا کر اوس کو ملاتے ہیں اور ہر شخص کے سامنے اوسکی تعریف و توصیف کرتے ہیں اور اوس کی امداد کا وعدہ لیتے ہیں تاکہ فرخ کی پریکٹس بہت جلد فروغ پائے اور وہ حیدرآباد کے قیام سے اکتا نہ جائے۔ نظام کلب میں دو ہفتے قیام کرنیکے بعد متوسط درجہ کا ایک بنگلہ لب سڑک محلہ کنٹہ گوشہ محل میں ماہانہ سترہ روپیہ کرایہ کا فرخ نے

لے لیا ہے۔ جس کو شیخ آدم اینڈ کمپنی سوداگران سکندرآباد کے کارخانہ کے فرنیچر (اسباب خانہ داری) سے آراستہ بھی کیا ہے مگر اب تک ڈسپنسری نہیں کھولی بعض آدمیوں کی رائے ہے کہ محلہ افضل گنج میں ڈسپنسری کھولی جائے بعضوں کی صلاح ہے کہ مکان سکونت کے ایک حصہ میں ڈسپنسری بھی رہے تاکہ سردست دو مکانوں کے کرایہ اور مصارف سے بچے۔ کچھ تو حافظ صاحب کی خاطر سے اور کچھ فرخ کی خود طرز عمل اور ملنساری کی وجہ سے اس قلیل مدت میں اکثر عمائدین شہر فرخ کے گرویدہ ہو گئے ہیں اور ابتک لوگوں کے ہاں اس کی دعوتیں ہوتی ہیں ان دعوتوں کی وجہ سے علاوہ لطف صحبت کے تبادلۂ خیالات بھی ہوتا ہے جو ایک بڑا ذریعہ فرخ کی دلبستگی و دلچسپی کا ہو گیا ہے ورنہ ایک اجنبی مقام میں جن افکار و خیالات میں وہ گرفتار و مستغرق ہے اوس کا دم گھٹنے لگتا اور اوس کی زندگی دشوار ہو جاتی ۔

تیرھواں باب

آئیے ناظرین میں آپ کو کاچھی گوڑہ کی پھر سیر کراتا ہوں۔ احاطۂ کیسا خوشنما خانہ باغ ہے صفائی ستھرائی نے اور بھی اوس کو دلکش بنا دیا گویا سونے پر سہاگہ دیوانخانہ تو مختصر سا ہے مگر زنانہ مکان اچھا خاصہ وسیع ہے اس میں آرائش کا سامان تو بہت کم نظر آتا ہے لیکن ضروری

اور آسائش کے اسباب نہایت خوش سلیقگی اور قرینے سے سجائے گئے ہیں۔ ناظرین آپ کو یاد ہو نہ ہو پہلے ہی باب میں یہہ مکان میں آپ کو دکھا چکا ہوں مگر اوسوقت شاید گہری نظر سے آپنے نہ دیکھا ہو اس لئے اس دفعہ ذرا غور سے دیدے پھاڑ کر دیکھئے۔ کچھہ معلوم ہوا اس وقت آپ کہاں ہیں یہہ وہی حیات شریف خانساماں کا مکان ہے جسمیں اس ناول کی ہیروین رہتی ہے۔ خوش قسمتی سے اسوقت کوئی سامنے نظر بھی نہیں آرہا ہے۔ آگے بڑھکر ذرا اندر کا حال تو چل کر دیکھئے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ ذرا قدم دبائے ہوئے آئیے ایسا نہ ہو کوئی آہٹ پا جائے۔ پھر تو۔ یا بدستے دیگرے دست بدستے دیگرے کا حساب ہو جائے گا۔ یہہ انتظار کی نشست کا کمرہ معلوم ہوتا ہے ایلیجئے وہ خود موجود بھی ہے پشت کھڑکی کی جانب کئے کرسی پر بیٹھی آہستہ آہستہ کچھہ باتیں کر رہی ہے۔ کرسی سے لگی فرش پر جو عورت بیٹھی ہے وہ عمدہ خانم اوس کی مصاحب ہے۔ بس یہیں ٹھہر جائیے یہاں سے دونوں کی باتیں بخوبی سنائی دیتی ہیں۔

عمدہ خانم۔ واقعی بیں جس قدر نہ تم پریشان ہو کم ہے اب اس سفر میں دو مہینے سے کیا کم لگیں گے۔ مگر ڈھارس رکھو جس خدا نے یہاں تک سامان غیب سے مہیا کیا ہے ڈاکٹر صاحب سلامتی سے حیدرآباد چلے آئے اور خدا کا شکر ہے نسبت بھی مقرر ہو چکی ہے یہہ دو مہینے خدا نے چاہا تو باتوں میں نکل جائیں گے مجھے حیرت تو اسپر

آتی ہے کہ ادہر ڈاکٹر صاحب کا آنا اور ادہر بڑے میاں کی نسبت کا
لگ جانا اور پھر بیٹی والوں کا اسقدر شدید تقاضا کہ آیندہ مہینے میں
عقد بھی ہو جائے خدا کی شان ہی شان نظر آتی ہے "

افتخار : حقیقت حال یہ ہے کہ جب سے بھائی جان نے انتقال
کیا ہے بڑے بھائی کو بڑی وحشت رہتی ہے ضابط بہت ہیں کچھ
کہہ سکتے نہیں مگر دل ہی دل میں گھلا کرتے ہیں اباجان سے اونکی
یہہ حالت دیکھی نہیں جاتی اس لئے قیصر زمانی خالہ کو کئی خط لکھے
اور اون کو جتلایا کہ اگر اپنے بھانجے کی جان کی خیر چاہتی ہو تو جلد کوئی
معقول نسبت ٹھہراؤ قیصر زمانی خالہ نے یہہ نسبت ٹھہرائی ہے مگر لڑکی
کا سن زیادہ ہو گیا ہے اس لئے لڑکی کے والدین چاہتے ہیں کہ جلد عقد
ہو جائے مہینا شعبان کا مبارک ہے اب بڑے بھائی کی صلاح سے
ہم سب کو دلی جانا ضرور ہے تاکہ دلہن والوں کی خواہش کے موافق
اگلے مہینے میں شادی ہو جائے شاید کہیں کو عقد ہونے والا ہے
عرصہ ماہ کا زمانہ بھی مبارک ہوتا ہے سنتے ہیں نسبت بہت اچھی ہے
خاندان اون کا ہمارا ایک ہے اس لئے حسب نسب کی تحقیق کی
ضرورت نہیں ہے لڑکی پڑھی لکھی گن ڈھنگ کی ہی سگھڑ ہے
کھانے کو بھی اللہ نے چار پیسے دے رکھے ہیں مالی حالت اونکی ہم سے
کہیں اچھی ہے ایسی نسبت قسمتوں سے ملتی ہے مگر میرا افتخار [illegible]
ڈاکٹر صاحب کے حیدرآباد آنے کی خبر جب مجھکو ملی تو کیا [illegible]

خوشی مجھکو ہوئی تھی ادھر میری نسبت مقرر ہوئی ادھر دلی سے خط آیا
اور ابا جان نے میری شادی ملتوی کر کے بھائی جان کی شادی کی
تیاری اور سفر کی تیاری کا حکم دے دیا بس میری حالت اس شعر کے
مصداق ہو گئی ہے۔ سعید شکر نے نہ کی تاثیر +
کیسی پھر لو اولٹ گئی تقدیر۔ یا یوں کہوں کہ ؎
یہی تھا خیال ہمیں دمبدم کہ بہار دیکھیں گے اب کے ہم +
جو چھٹے اسیر قفس سے ہم تو سنا کہ خزاں کے دن آ گئے +

عمدہ خانم "تم گھبراتی کیوں ہو میرے خیال میں دو مہینے سے ہرگز زیادہ
عرصہ دلی میں نہ لگے گا۔ یہاں آتے ہی پنجتن پاک کے صدقہ میں تمہاری
شادی ہو جائے گی"

افتخار "تمہارے لئے یہ کہدینا کہ گھبراتی کیوں ہو بہت آسان ہے مگر
جس پر گذرتی ہے وہی جانتا ہے ؎ مور پر دانہ بھلا مرغ سحر کیا جانے
غیر کے دل کی لگی کوئی بشر کیا جانے + تمہیں کیا معلوم کہ میرے دماغ
میں کیا کیا واہمے گزرتے ہیں دلی جانے کے بعد کیا کیا افتادیں پیش
آتی ہیں اس کو خدا ہی جانے۔ اول تو انسان کی زندگی کا کیا بھروسا ہے
بقول شاعر ؎ کیا ٹھکانا ہے زندگانی کا + آدمی بلبلا ہے پانی کا۔
دوسرے یہ کہ انسان حوادث کا پُتلا ہے۔ حوادث کی تبدیلی سے اسکے
دماغ و خیالات حتیٰ کہ مذاق متاثر ہوتا ہے اور نئے حوادث کے لحاظ
سے کاربند ہوتا ہے بعض اوقات مذہب تک بدل دیتا ہے جس چیز کو

بیحد عزیز رکھتا ہے اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔ انھیں ڈاکٹر صاحب کو
مثالاً میں پیش کرتی ہوں جن کو اس وقت میری چاہت کا خلجان ہے
کہ کالے کوسوں صرف میرا خیال انھیں کھینچ لایا ایک عرصہ تک اگر یہ
مجھکو نہ دیکھیں اور میری کیفیت نہ سنیں اور کوئی پریزاد معشوق انکو
مل جائے اور وہ اپنی محبت جتانے لگے پھر کیا خیال کہ کبھی بھولے سے
بھی اتفاقاً اون کو یاد آئے از این قبیل بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اسوقت
میرے دماغ میں جوش زن ہیں۔ نہیں معلوم میں ناشاد و نامراد ہی
دنیا سے جانے والی ہوں جو عین وقت پر یہ ڈھیل پڑ گئی (ذرا مسکرا کر)
مجھے خوشی اس کی ہے کہ دنیا سے جاؤں گی بھی تو اس طرح جاؤنگی ؎
چشم گریان سینہ بریان شعلہ بر جان میروم ٭ میروم زین شہر اما خوش بیابان میروم
مگر اتنی نصیحت میری یاد رکھنا ؎ پھلے پھولے چمن میں دفن کر دینا مجھے خانم
کہ ہوں ماری ہوی ایک نوجوان گبرو کے جوبن کی ٭ سچ پوچھو تو
میرا مرنا مرنے میں داخل نہیں ہے کیونکہ ؎
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ٭ ثبت است در جریدۂ عالم دوام ما

عمدہ خانم:۔ معاذ اللہ! صاحبزادی یہ کیا واہیات خیالات
تمہارے دماغ میں سمائے ہیں خدا کے لئے اون کو دور کرو بدشگونی
کی باتیں زبان سے نہ نکالو۔ فرض فال بد کا ورد۔ سال بد۔ چار دن تک
اور تکلیف کے ہیں وہ بھی ہنسی خوشی سے گذر جائیں گے۔ جناب باری
پھر دائمی راحت عطا کرے گا (آنکھوں میں آنسو بھر لا کر) تمہاری باتوں سے

میرے دل کو پاش پاش کر دیا دشمنوں کے کان بہرے خدا مجھ بندی کو وہ دن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہ دکھائے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گا"

افتخار — تم نے اس حباب آسا زندگی کو سمجھا کیا ہے صرف سانس کی آمد و شد کا کھیل ہے وہ ہچکیوں میں انسان کا سارا کام تمام ہوتا ہے ایسی بے ثبات زندگی کو نادانوں نے خدا جانے کیا سمجھ لیا ہی سب شور و شغف اہل جہاں کا کیا ہی عمر دو روزہ کو نافہموں نے سمجھا کیا ہی — تم سچ جانو کہ میں اپنی زندگی کو نہایت کم حقیقت چیز سمجھتی ہوں اور سفر آخرت کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہوں کیونکہ ابھی ابھی جیسا لہلہاتے چمن میں پھولوں اور پتوں سے لدے ہوئے درختوں کے نیچے کھلکھلا کر ہنس رہے تھے جن کی ڈالیوں پر مرغان خوش الحان چہکار رہے تھے کسی جانب پپیہے پی کہاں پی کہاں کا شور مچا کر عاشق مزاجوں کے شیشۂ دل چور کئے دیتے تھے کسی درخت کی شاخ پر کوئلیں کو کو کر رہی تھیں کسی جانب پانی کی چادر بہتا چھوٹ رہی تھیں مور جھوم جھوم کر ناچتے اور چلاتے تھے ایک طرف دلفریب معشوقوں کا جھرمٹ تھا کوئی ماہ وش جھولے ڈالکر ملار گا رہی تھی یہ سب چشم زدن میں اجڑ کر خاک کا پیوند ہوگئی ؎ جہاں گل تھے ایک خار بھی واں نہیں ہے ✝ اُجاڑے خزاں نے چمن کیسے کیسے - ایک عبرتناک قطعہ تمہیں سناتی ہوں ؎

چمن کے تخت پر یکمن شہ گل کا تجمل تھا ✝ ہزاروں بلبلوں کی چہچہے کا شور تھا غل تھا -

خزاں کی فصل جو آئی تو بولا باغباں رو رو: کہاں بیوں ڈھونڈنے جاؤں یہاں غنچہ یہاں
گل تھا۔ وہ تاجداران گردن کش جو خدائی کا دعویٰ کرتے تھے جنکے
ایک اشارہ پر ہزاروں سر گردنوں سے اوڑ جاتے تھے آج کہاں ہیں
قاقم و سنجاب پہننے والے بڑے بڑے ایوانوں اور قصروں میں رہنے
والے جرار فوجیں رکھنے والے کیا ہوئے بقول شوق ؎
اونچے اونچے مکاں تھے جنکے: آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
و بقول حضرت سعدی ؎ بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند
کز ہستیش بروئے زمیں ایک نشاں نماند۔ وہ نازنینان پری
جمال جنھیں نزاکت زمین پر قدم نہیں رکھنے دیتی تھی جن کے بستروں پر
گل افشانی ہوتی تھی عطر حنا اور سہاگ کے عطر سے تکئے بسائے جاتے
تھے وہ بھی اس وقت تودہ خاک کے نیچے فرش زمین پر سو رہے ہیں
اللہ اکبر اصل یہ ہے کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال
والاکرام پھر ایسی زندگی کا کیا بھروسا اور اس سے ڈرنا کیوں اسی
لئے بزرگوں کا قول ہے۔ کار امروز را بفردا مگذار۔ نہیں معلوم دلی
سے کب آنا ہوتا ہے اور خدا جانے کیا کیا باتیں اوس وقت تک
پیش آتی ہیں۔ دگرگوں حال ہوجاتا ہے دم بھر میں زمانہ کا مجھے یقین
ہے میں حسرت بھری دنیا سے جاؤں گی۔ ؎
شجر خشک تو ہر سال ہرے ہوتے ہیں: جاکے یہ عمر جوانی تو نہیں آتی ہے
ابقول ذوق (ٹھنڈی سانس بھر کر)

ہائے رتی حسرت و بدار مری ہائے کو بھی نہ لکھنے ہیں ہائے دو شیمی سے کنایت والے
ہیں اپنی کیفیت کا اظہار لفظوں میں نہیں کر سکتی اگر گویم مشکل وگرنہ
گویم مشکل ؎ مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد۔
درد ہوتا ہے میرے سینہ میں بیٹھا بیٹھا ہجر کے پھوڑہ میں قیامت کی ٹپک ہوتی ہے
آسمانوں کو نہ کر دے تہ و بالا یہ کہیں۔ آہ عاشق جو رواں ہوئے فلک ہوتی ہے
پھونکا رہے دم میں نہ یہ آگ میرا جسم تمام۔ اب تپ غم کی میرے دل میں بھڑک ہوتی ہے
میری اچھی عمدہ خانم بس یہ دعا کرو کہ میرا خاتمہ بخیر ہو۔ میں تو نہیں سمجھتی
کہ اس جہان میں میری کوئی آرزو نکلیگی اور یہ بیل منڈھے چڑھیگی۔
بقول امانت ؎ ایک ہمیں ہیں کہ گرفتار محبت ہیں سدا
عشق کے نام کو بیٹھے ہوئے کرتے ہیں دنا
عمدہ خانم۔ تمہیں میری جان کی قسم للہ ایسی باتیں زبان پر نہ
لاؤ خدا تمہارے سب ارمان نکالیگا تم جگ جگ جیو پھولو پھلو تمہارے
دشمن کے دشمن بھی ناشاد نہیں رہیں گے تم مجھ سے بہتر سمجھتی ہو جو کام
دیر سے ہوتا ہے اچھا ہوتا ہے۔ دیر آید درست آید۔ بس وقت کا
انتظار ہے تمہاری آرزوؤں کے نکلنے کا زمانہ قریب آن پہونچا۔
ذرا دل کو قابو میں رکھو۔
افتخار۔ (ایک آہ سرد بھر کر) کیا کہوں شبنم دل میں میرے کیا رکھا ہے
ہائے ارمانوں کا خون اس میں بھرا رکھا ہے بھلا میرے ارمان نکلینگے

مریض لا دوا ہوں مرض بھی ہے لا دوا اپنا۔ سراپا درد ہوں لیکن نہ چارہ ہے نہ درماں ہے
میری حالت بعینہ اس شعر کی سی ہے ؎ غم بہ نالہ کشیدن نمی شود آخر۔
شبم زنجیر دمیدن نمی شود آخر۔ انسان بالکل عاجز و بے بس ہے
جو کچھ مقسوم خدا نے وہی مقسوم میں ہے۔ ایک اور دقت میں پھنسی
ہوں ڈاکٹر صاحب بار بار میری تصویر مانگتے ہیں۔ میں نے اب تک
اپنی تصویر کھنچوائی نہیں بھیجوں تو کیا کھچوں اور نہ اپنی صورت تصویر
اتروانے کے قابل سمجھتی ہوں اس لئے حیلے حوالے کرکے ٹال رہی ہوں
انھوں نے مارے تقاضوں کے مجھے الو کر دیا اور ادھ موا کر ڈالا ہے"

عمدہ خانم "مسز ہنری سے کیوں نہیں تصویر اتروائی ہو اُن کو
تو اس میں اچھا خاصہ دخل ہے اون کے پاس تصویر کشی کا سامان موجود
ہے۔ کئی دفعہ اپنے ہاتھوں کی اتاری ہوئی تصویریں مجھی تھیں لاکر
دکھائی تھیں"

افتخار "میں نے ابھی نہیں کہا کہ میں اپنے تئیں اس لائق کب
سمجھتی ہوں تم تو ڈاکٹر صاحب کو دیکھ چکی ہو بھلا اون کی صورت کے
مقابلہ میں میری صورت کیا چیز ہے مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ میری صورت
دیکھکر کہیں اون کا خیال جو میری صورت کی نسبت ہے بدل
نہ جائے"

عمدہ خانم "ہاں میں نے ڈاکٹر صاحب کو اچھی طرح دیکھا ایک
میں نے کیا سارے گھر بھر نے دیکھا جس نے دیکھا پسند کیا نام خدا!

عجب صورت ہے کہ میں نے دیکھا نہیں زمانہ میں ؛
اس متانت کا اس وجاہت کا۔ مگر واری جاؤں میری آنکھوں میں
خاک تم کیا بُری ہو جو تمہاری تصویر اون کو پسند نہ آئے گی کہ
خدا بچائے قیامت کے ہیں تمہارے دن ؛ یہ پیاری پیاری جوانی یہ پیارے پیارے دن
اس اثنا میں محی الدین بی آئی اور اوس نے کہا کہ امیر دولہن صاحب
آپ سے ملنے آئی ہیں چلیئے بیگم صاحب یاد فرماتی ہیں۔ افتخار یہہ
سنکر فوراً اوٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔

چودھواں باب

ستمبر کے مہینے کی ستائیسویں تاریخ ہے بارش کا موسم ختم ہونیوالا ہے
حیدرآباد میں اس دفعہ جس طرح جاڑے غضب کے پڑے گرمیاں
بھی ستم کی ہوئیں اور بارش بھی قیامت ڈھانے والی ہوئی۔
برسات کا یہہ اخیر زمانہ ہے مگر اپنا نام کر رہا ہے۔ اسوقت شام کے
پانچ بجے ہیں کئی روز کی لگاتار جھڑیوں کے بعد ذرا مینھ تھما ہے
لیکن گھٹا گھنگھور چھائی ہے پُھار پڑ رہی ہے اسی وجہہ سے
کئی روز سے فرخ نہ کہیں جا سکا نہ اوس کے ملنے والوں میں
سے کوئی آسکا۔ فرخ پھاٹک کے سامنے کے برآمدہ میں ایک قیصر

پہنے ہوئے آرام کرسی پر بیٹھا کوئی کتاب دیکھہ رہا ہے ایک گاڑی
پھاٹک کے اندر داخل ہوتے دکھائی دی فرخ اس خیال سے کہ
اوس کے نئے ملنے والوں میں سے کوئی آرہا ہے جلدی لپکا ہوا
اندر گیا تاکہ ڈرسنگ گون (قسم لبادا) پہنکر آئے چنانچہ دو تین منٹ
میں ڈرسنگ گون پہنکر واپس آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ اوس کی
آرام کرسی پر جو اس کے اندر جانے کی وجہہ سے خالی ہوگئی تھی
مسٹر نمازی الدین احمد ٹانگیں پھیلائے بیٹھے کچھہ گنگنا رہے ہیں
جس کو دیکھتے ہی فرخ باغ باغ ہوگیا جیسے خشک دھانوں میں
پانی پڑ گیا۔ دونوں آپس میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ
ایک دوسرے کے گلے ملے پھر باتیں شروع ہوئیں۔

فرخ۔ "یہ تو کہو تمہارا حیدرآباد کیونکر آنا ہوا اور کب آئے"!

احمد۔ "تمہارے اس تجاہل عارفانہ کے قربان۔ کیا بھولے بنتے
ہو۔ جیسے کچھہ جانتے ہی نہیں ہو وہی پوچھتے ہو کہ کسنے ستایا؟
کہیں کیا کہ کس کے ستائے ہوئے ہیں۔
میرا حیدرآباد وارد ہونا جناب ہی کے وعظ و پند کا نتیجہ ہے
بقول شخصے۔ اے صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ تمہارے مشورہ
اور ترغیب دینے سے تو میں حیدرآباد آیا اور تمہیں پوچھتے ہو
کہ میرا حیدرآباد کیونکر آنا ہوا۔ بڑا سبب تو یہ ہے کہ تم نے کلکتہ چھوڑا
اور حیدرآباد آ دھمکے میں نے بھی کلکتہ کو خدا حافظ کہا اور اب

تمہارے دم قدم کے ساتھ ہوں جہاں تم وہاں میں بلکہ تو قصد
تھا کہ تمہارے ساتھ اوسی ٹرین میں آؤں جس میں تم آئے اسی
خیال سے تمہاری روانگی کے دو دن پیشتر ہی کلکتہ کو خیرباد کہا تا کہ
ایک دن اپنے وطن مالوف نگرنہسہ شریف میں قیام کرکے دوسرے
دن وہاں سے چلوں اور بیگم پور اسٹیشن سے تمہارے ساتھ ہو جاؤں
پھر تو راستہ بھی اس قدر نہ کھلتا اور بڑے لطف سے یہ طویل
سفر ختم ہوتا تو یہ کیا لمبا راستہ ہے ٹرین میں بیٹھے بیٹھے ناطقہ بند ہو گیا
دم ناک میں آگیا۔
نگرنہسہ پہونچکر عجیب عذاب میں مبتلا ہو گیا وہ رگڑے جھگڑے رہے
کہ پناہ بخدا عزیزوں میں کوئی بھی اس کا روادار نہ تھا کہ میں حیدرآباد
میں پریکٹس کروں خصوصاً میری بیگم صاحبہ تو بالکل ہاتھ سے اکھڑی
ہوئی تھیں نہ منائے منتی نہ سمجھائے سمجھتی تھیں رونے دھونے
سے انھیں فرصت نہیں میری سنتا کون دو شب و روز تو ایک بغیر
آب و دانہ کے خدا کی بندی نے گزار دئیے سارا گھر سمجھا رہا تھا
مگر وہ جاہلانہ مزاج پایا ہے کہ توبہ ہی بھلی ہزار خرابی میں نے جب
بہت سی قسمیں کھاکر وعدہ کیا کہ ایک مہینے میں آن کر لیجاؤں گا
تو وہ چپ ہوئیں اور میرا پیچھا چھوٹا ورنہ وہ تو ساتھ آنے پر تلی
بیٹھی تھیں جب ان سے خدا خدا کرکے نجات ملی تو والدہ کا مزاج
ناساز ہو گیا سترہ اٹھارہ روز ان کی تیمارداری میں کٹے اس لئے میں

اس قدر عرصہ ہوا - آج صبح کی ٹرین میں حیدر آباد پہونچا تمہاری رائے کے موافق والد کے دوست کے ہاں پٹنہ کے وکیل حسین بخش خاں جو یہاں ایک اعلی عدالتی عہدے پر مامور ہیں مقیم ہو گیا ہوں - بمبئی سے کئی خط والد نے اُن کو لکھے - اونہوں نے بھی بہت خلیقانہ و ہمدردانہ جواب دئے اون کی ہدایت کے موافق میں نے ایک تار بھی بوقت روانگی اُن کو دے دیا تھا - اسٹیشن پر میرے لینے کے لئے خود بھی آئے اور یہاں کے چند عہدہ داروں کو بھی اپنے ہمراہ لائے تھے - یہہ جوڑی اور گاڑی جس پر آنجناب تشریف فرما ہیں تشریف لائے ہیں انہیں کی ہے - خان صاحب صبح سے اس قدر خاطر و تواضع میں مصروف ہیں کہ بیان سے باہر میرے خیال میں حد متواضع و بااخلاق ہیں "

فرخ - "خان صاحب کو سوا آج کے پہلے بھی تم نے کبھی دیکھا تھا "

احمد - "نہیں - دیکھا تو کبھی نہیں تھا البتہ والد سے اون کا نام و ذکر اکثر سنا کرتا تھا کیونکہ میرے یہاں کے مقدمات وہی کرتے تھے "

فرخ - "پھر یہہ چند گھنٹوں کی ملاقات و شناسائی میں تم نے خان صاحب کو بااخلاق کیونکر یان لیا "

احمد - "اس لئے کہ جس وقت سے میں نے اُن کے مکان میں قدم رکھا ہے میرے ہر قدم پر آنکھیں بچھا رہے ہیں "

فرخ۔ "تمہارا یہی مطلب ہے نہ چونکہ اونھوں نے تمہاری آؤبھگت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اس لئے تم خانصاحب کو با اخلاق سمجھتے ہو تم پر کیا موقوف ہے میں دیکھتا ہوں لفظ اخلاق کے مفہوم کے متعلق علی العموم غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اگر کوئی شخص دوسرونکو بہت جھک کر خمیدہ ہو کر فرشی سلام کرے اور دست بستہ ہو کر مزاج پرسی کرکے بجا و درست کہتا رہے اور ہر ادنی و اعلی کے اوٹھنے بیٹھنے پر خود بھی اوٹھے بیٹھے یا اپنے مہمان کی خاطر و تواضع کرے خواہ کیسا ہی بدچلن کیوں نہ ہو عام طور سے ایسا شخص بڑا با اخلاق و خلق مجسم سمجھا جاتا ہے اس میں کلام نہیں کہ یہہ باتیں بھی اخلاق کے سطحی اجزا میں داخل ہیں۔ مگر محض ایسی طرز عمل کے انسان پر اطلاق با اخلاق کا نہیں ہو سکتا ہے اخلاق کے اصلی مفہوم میں تم کو بتلاتا ہوں۔ اخلاق حقیقی تہذیب کا جزو لاینفک ہے۔ جب کسی شخص یا قوم میں تہذیب آتی ہے تو اخلاق کا آنا لازمی امر ہے۔ اخلاق کے دو حصے ہیں ایک تو وہ جس کو مذہب سے تعلق ہے دوسرا وہ جس کو معاشرت سے تعلق ہے۔

مذہبی حصہ اخلاق سے مراد نماز و روزہ و حج وغیرہ یعنے اصول دین کی پابندی۔ معاشرتی حصہ اخلاق کا دایرہ بہت وسیع ہے جھوٹ سے پرہیز کرنا دوسروں کے حقوق تلف نہ کرنا کسیکی غیبت نہ کرنا نکتہ چینی و عیب جوئی سے پرہیز کرنا خود ستائی و خود بینی و خود پسندی سے بچنا

ہر طرح کے ایثار نفسی سے کام لینا۔ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ اور ہمسایہ والوں کے ساتھ حسن سلوک رکھنا حق کے تحفظ کے لئے جان و مال کی قربانی دینا اور خطرات کا مقابلہ کرنا انسان کو با اخلاق بناتا ہے۔ با اخلاق ہونیکے لئے سب سے بڑا جوہر خود کو پہچاننا ہے۔ انگلستان کے مشہور شاعر پوپ کا قول ہے اے ضعیف انسان پہلے اپنے تئیں پہچان اُس کے بعد خداشناسی کا نام لے ہمارے ہاں کے اہل تصوف حضرات کا بھی یہی مسلک ہے اسلئے انسان کو لازم ہے کہ پہلے اپنے ہی عیوب و نقایص اور کمزوریونکا ادراک و احساس پیدا کرے اور خود پسندی سے جو بیحد خطرناک مادہ ہے اور بوجہ خلقی مادہ ہونیکے تھوڑا بہت ہر انسان میں موجود ہے بچے۔ اگر انسان اپنی طبعی کمزوریوں پر نظر غایر ڈالیگا تو خود پسندی جو خلقی مادہ ہے خود بخود کم ہوتے ہوتے غایب ہو جائیگا۔ خود پسندی سے بڑھکر انسان کا کوئی دشمن نہیں ہے یہ نفس امارہ سے پیدا ہوتا ہے اسکے زہریلے اثر کے بے گنتی بندگان خدا شکار ہوتے ہیں علی الخصوص ہند کے اکثر اُمرا زادے جنکو دس پانچ خود غرض پلید خلقت کے مصاحبین ہر وقت گھیرے رہتے ہیں بات بات میں جھوٹی تعریفونکا پل باندھتے رہتے ہیں۔ اُمرا زادوں کے ہر فعل کو چاہے کیسا ہی لغو و مہمل کیوں نہو لائق تحسین و آفرین بتا بتا کر یہ امر نقش کالحجر کر دیتے ہیں کہ جو حرکت اُنسے سرزد ہوتی ہے وہ معقولیت سے مملو ہوتی ہے جب مادہ خود پسندی کا زہر اپنا کام کر جاتا ہے تو خود پسند شخص کے دماغ میں ہیچ

من دیگرے نیست کا مالیخولیا پیدا ہوجاتا ہے اور فرعونیت اسدرجہ بڑھ جاتی ہے کہ خودپسند شخص بہ نخوت وپندار میں ڈوبکراپنی مٹی تو پلید کرتا ہی ہے دوسرون کے لئے بھی اُسکے حرکات وافعال باعث منفرت ودلشکنی ہوتے ہیں۔ خودپسند شخص کو اگر کوئی شخص ازراہ ہمدردی نیک ومعقول صلاح دے تو اُسپروہ ہرگز عمل نہیں کرتا بلکہ نیک صلاح دینیوالیکو اپنا بدخواہ ودشمن سمجھتا ہے اور اپنی بیہودہ رائے کو دنیا بھر کی رائے سے افضل سمجھتا ہے۔ مسلمانون کی قومی تباہی کے جہان اور اسباب ہیں یہ بھی ایک سبب ہے۔ خدا مسلمانوں کو توفیق نیک دے کہ خودپسندی ترک کریں۔ عموماً جیسے جیسے دولت وثروت وقدرت بڑھتی جاتی ہے مادہ خودپسندی بھی ترقی کرتا ہے ہاں اگر تربیت وتعلیم وصحبت اچھی ہو تو یہ مرض خود کم ہوجاتا ہے۔ علاوہ ازیں صاحب اخلاق ہونیکے لئے یہ شرط بھی لازمی ہے کہ انسان اپنے ساتھ عدل کرے یعنے جتنا بھر وہ درحقیقت ہے اتنا ہی اپنے تئین ظاہر کرے جھوٹی شیخیان نہ بگھارے اور زیٹ کی نہ لے مثلاً کسی کام مین دو ہزار صرف کئے ہیں تو دس ہزار نہ بتلائے جاہل ہے تو ایسی باتیں اور ترکیبیں نکرے کہ جس سے پایا جائے کہ صاحب علم ہے یا ایک معمولی خاندان کا رکن ہے تو اپنی عالیخاندانی نہ جتائے یا بخیل ہے تو اظہار سخاوت نکرے یا خود ایک مصرعہ بھی موزون نہیں کرسکتا ہے تو دوسرون سے اشعار کھلواکر اپنا تخلص ڈالکر نہ پڑھے افسوس اسکا ہے کہ اس قسم کے عیوب ہم مسلمانون میں زیادہ تر پائے

جاتے ہیں۔ بااخلاق شخص ہمیشہ نفس کش ہوتا ہے خود غرضی اسکو چھو نہیں جاتی ہے اور اسکا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے نفاق نام کو نہیں ہوتا افسوس اسکا ہے کہ مسلمانوں میں عموماً خودغرضی اور نفاق باہمی کا مادہ بکثرت پایا جاتا ہے یہ ایسے عوارض ہیں جو ہمیں بحیثیت قوم پنپنے نہیں دیتے۔ کہاں تک تمثیلیں دوں مختصر یہ کہ اخلاق چاہتا ہے کہ صاحب اخلاق اپنی عظیم و لاتعد ذمہ داریوں کا احساس کرے غرض بااخلاق ہونا آسان امر نہیں ہے اور دو چار گھنٹوں کی ملاقات سے کسی شخص کی اصلی حالت ظاہر نہیں ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ تمھارے میزبان خانصاحب میں بھی یہ صفتیں ہوں اور وہ بھی بااخلاق شخص ہوں مگر تمھارا فیصلہ محض تمھاری خاطر و تواضع کرنیکی بنیاد پر بہت قبل از وقت ہے"

احمد۔ "تمھاری گرفت اونٹ کی پکڑ سے کم نہیں ہے۔ اسطرح پنجے جھاڑ کے پیچھے پڑ جاتے ہو کہ خدا ہی تمسے پیچھا چھوڑائے منطق کے دُہرے اوڑا دیتے ہو تم تو ہر چیز کی بال کی کھال کھینچتے ہو میں نے تو خانصاحب بیچارہ کو جیسا پایا ویسا کہا۔ میرے حسابوں بااخلاق کے جو معنی ہیں وہی سے لئے"

فرخ۔ "مگر اب اپنے حسابوں کو آپ بدل ڈالئے اور اخلاق کے جو معنی میں نے ابھی بتلائے ہیں انکو ذہن نشین کیجئے تاکہ آیندہ کسی کو سوچ سمجھکر بااخلاق کا لقب دیجئے۔ خیر یہ تو سب ہوا یہ تو کہو میرے مکان کا پتہ تمکو کیونکر معلوم ہوا"

احمد۔ "یہ بھی کوئی مشکل بات تھی میں نے خانصاحب سے تمھاری کیفیت دریافت کی میرا بڑا جی خوش ہوا جبکہ تمھارے ذکر پر انھوں نے تمھاری تعریفوں کا پل

باندھ دیا معلوم ہوتا ہے تمنے اپنی ذکاوت وقابلیت کا سکہ اُنپر بھی جما دیا ہے جب ہی تو وہ تمھاری خداداد لیاقت وذہانت کے بڑے معرف ہیں۔ بہرحال انہوں نے حافظ عنایت اللہ خاں کو رقعہ لکھکر تمھارا پتا دریافت کیا جس کے جواب میں حافظ جی نے اپنا ایک چپراسی بھیجدیا جو اسوقت میرے ہمراہ میرا ہمزاد بنا ہوا ہے۔ تمھاری باتوں میں اصل مطلب تو میرا فوت ہی ہوا جاتا ہے جس دُھن میں تم یہاں تک آئے اُسکا کیا حشر ہوا اپنی معشوق ستم شعار سے بھی ہم آغوش ہوئے کلیجہ سے لگا کر دل ٹھنڈا کیا"

فرخ۔ "کیوں گنہگار ہوتے ہو تمنے اچھا اندازہ میری معشوق کا کیا۔ ایک عفت مآب دوشیزہ کی نسبت اس قسم کا خیال فاسد کرنا جو بہتان بازی کی حد تک پہنچتا ہے ہرگز لازم نہیں ہے۔ بغیر عقد نکاح کے اس منزل تک پہنچنا کیونکر ممکن ہے۔ الحمد للہ بڑا مرحلہ قرارداد نسبت کا طے ہو چکا ہے مگر ساتھ ہی ایک قیامت برپا ہو گئی ہے کیا بتاؤں عجب ضیق میں جان ہے"

احمد۔ "تم بھی عجیب آدمی ہو مینے دل لگی سے تمھارے چھیڑنے کو ہم آغوشی وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے۔ مگر یہ تو بتاؤ وہ قیامت کونسی برپا ہو گئی ہے"

فرخ۔ "یہ سب میری گردش تقدیر کا پھیر ہے۔ بحر زمیں کہ رسیدیم آسمان پیدا۔ جس کی تلاش میں ادھر جسکے لئے حیدرآباد آیا وہ خود حیدرآباد سے جا رہا ہے ان کے بھائی کی شادی رچانے کے لئے سارا خاندان دلّی جانیکے لئے پا برکاب ہے۔

قسمت تو دیکھیے کہ کہاں ٹوٹی ہی کمند ٭ دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہگیا
یا تو میری شادی ہفتہ عشرہ میں ہونیوالی تھی یا یکدفعہ سامان ہی دوسرا ہوگیا
دلّی سے کوئی خط آیا اور یہ حشر برپا ہوگیا"

احمد۔ (ذرا چونک کر) "یہ تو عجیب خبر تمنے سنائی۔ تو پھر یہ کیوں نہیں کرتے
اُن لوگوں سے کہو کہ پہلے تمھارا عقد نکاح کر دیں اُسکے بعد دلّی جائیں"

فرخ۔ "یہ کیونکر ممکن ہے کہ دو چار روز میں ساری تیاریاں ہو جائیں علاوہ زین
بہن کا بھائی کی شادی میں شریک ہونا لازم ہے دو روز کی بیاہی دولہن کا
دلّی جانا پھر پھر آجانا بھی ضروری امر ہو جائیگا اسمیں بڑے بکھیڑے ہیں اور
اسپر وہ آمادہ بھی نہیں ہیں"

احمد۔ "کیا وہ لوگ امروز فردا میں جانے والے ہیں"

فرخ۔ "ہاں۔ ابتو دو چار روز ہی روانگی کو رہگئے ہیں"

احمد۔ "خیر تو جہاں اسقدر کاہشیں اور صعوبتیں تمنے برداشت کیں تھوڑی
اور سہی میں تو سمجھتا ہوں بہت جلد وہ لوگ واپس آجائینگے"

فرخ۔ "اسکا علم تو خدا ہی کو ہے انسان چاہتا کچھ ہے ہوتا کچھ ہے اگر انکا
ارادہ بھی جلد واپسی کا ہو تو بغیر مرضی معبود ناممکن ہے کہ وہ اپنے ارادہ کو
عمل میں لائیں۔ کلکتہ کی لگی لگائی جمی جمائی پریکٹس پر خاک ڈالکر یہاں آیا
جس مقصد کے لئے آیا وہ معرض التوا میں پڑ گیا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ
واپس چلا جاؤں یا یہیں رہجاؤں بظاہر تو نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن
نہیں معلوم اور کبتک انتظار کی کڑیاں جھیلنی اور گھڑیاں گنی پڑتی ہیں

اوچھلتا ہے کلیجہ ڈوبتا ہے دل خدا حافظ ✦ سمندر پر تلاطم ہے جھیلنا شب ہجراں کا

احمد:۔ پریشان نہو۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ تاخیر کے اسباب منجانب اللہ ہوئے ہیں اسمیں کوئی مصلحت ہوگی قطعہ نظر اسکے یہ تو تم اچھی طرح جانتے ہو ہر ایک کام کے لئے خاص وقت مقرر کیا گیا ہے کُلُّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِھَا۔ بس اب وقت مقررہ کا انتظار ہے۔ سه

تا در نرسد وعدہ ہر کار کہ ہست ✦ سودے نہ دہد یاری ہر یار کہ ہست

میرے خیال میں ابتو تمہارا یہیں رہنا مناسب ہے۔ جب تمنے اپنا وطن لکھنؤ چھوڑا تمہارے لئے کلکتہ جیسا ویسا حیدرآباد وہ بھی پردیس یہ بھی پردیس"

فرخ:۔ یہ سب دلکو سمجھانے کی باتیں ہیں مگر انسان ہر حال میں مجبور ہے جہاں اسقدر انتظار کیا تھوڑا اور سہی بقول شخصے جہاں مردہ پر سو من مٹی وہاں ایک من اور سہی۔ اللہ کا نام لیکر یہیں پریکٹس شروع کرتا ہوں جسقدر مقدر میں ہے جہاں رہونگا ملیگا"

احمد:۔ اسوقت کا کیا پیارا موسم ہے اور کیا سہانا سماں ہے یہ تو کہو وسکی یا برانڈی کچھ تھوڑی بہت ہے"

فرخ:۔ تمکو تو معلوم ہے اس بارہ میں میں زاہد خشک ہوں اور ہمیشہ اکثر ہوں اس ظالم کی بد مضرتوں سے واقف ہوں پھر ایسی مضرت بخش چیز کا گذر میرے ہاں کیونکر ہو سکتا ہے"

احمد:۔ جی ہاں یہ تو معلوم ہے کہ اس مادہ میں تم ہمیشہ کے منحوس ہو بات

یہ سب ہے کہ میکشی کا مزا تو کیا جانے + ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں۔
ورنہ ساری مضرت وضرت بھول جاتے مگر تمھارے ہاں رہتی تو تھی۔"

فرخ ۔ "کلکتہ کی بات اور تھی تم لوگونکی خاطر سے مجھے رکھنا پڑتی تھی۔
یہاں مجھے اسکی ضرورت نہیں کہ خواہ مخواہ منگا کر رکھوں اور وہ بھی کسکے لئے
جن لوگون سے مجھسے ملنے کا اتفاق ہوا ہے ابھی انسے اسقدر بے تکلفی نہیں
ہوئی ہے کہ جس سے ظاہر ہو کہ اس مخرب اخلاق کا ذکا کوئی عادی بھی ہے
یا نہیں کہو تو تمھارے لئے منگاؤں۔"

احمد ۔ "خاص میرے لئے منگوانیکی ضرورت نہیں مگر کیا افسوس ہو ایسے
موسم میں انسان محروم رہے بقول غالب ہے

غالب چھٹی شراب پہ اب بھی کبھی کبھی + پیتا ہوں روز ابر و شب ماہتاب میں

جسنے چھوڑ دی تھی اسکا تو یہ قول تھا یہاں تو بندۂ درگاہ نے چھوڑی نہیں ہی

ایسے ہی موسم میں لطف میکشی ہے دوستو + ننھی ننھی بوندیاں ہیں ہلکا ہلکا ابر ہے
علاوہ اسکے کی فرشتون کی راہ ابر نے بند + جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج۔

تم اسکو مخرب اخلاق کہتے ہو اور ایک بڑے حکیم کا خیال اسکی نسبت یہ ہے۔

چیست دانی بادہ گلگوں مصفا جوہرے + عشق را پروردگارے حسن را پیغمبرے

اسیواسطے حافظ شیرازی فرماتے ہیں ہے

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت + کنار آب رکن آباد و گلگشت مصلے را۔

فرخ ۔ "میں نہ ان خیالات کا پابند نہ انسے متفق ہوں منقولاً ہی نہیں بلکہ
معقولاً بھی اس سے بدتر کوئی چیز نہیں ۔ ام الخبائث جب ہی تو اسکا نام ہے۔

اور شارع علیہ السّلام نے بھی اسے حرام بے سبب نہیں کیا ہے"
احمد "تمنے بھی کہاں کا حرام حلال نکالا ہے ۔

غذاے روح وہد بادہ رحیق الحق + کہ رنگ بوش زند بوی گل را دق
حلال گشتہ بفتوائے عقل بر دانا + حرام گشتہ بفتواے شرع بر احمق

حقیقت حال یہ ہے ۔

مے کہ بدنام کنند اہل خرد را غلط است + بلکہ مے میشود از صحبت نادان بدنام

فرخ ۔ "تمنے تو اس خانہ خراب کی تعریف میں دریا بہا دئے مجھ سے بھی چند بند ایک مسدس کے اس کی مذمت میں سنو"

زہر قاتل کا پیالہ ہے نہیں جام شراب + خودکشی و مفلسی ضعف ہی انجام شراب
کوئی چھٹتا ہی نہیں جس سے وہ ہی جام شراب + سخت ناقابل برداشت ہیں آلام شراب
پیکے ہو جاتے ہیں مجنوں جو ہنگام شراب
عقل رکھتا ہی تو لینا نہ کبھی نام شراب

دام دیکے کہ خریدے جو کوئی خود آزار + ہے سمجھ بوجھ یہ اس شخص کے افسوس ہزار
نور سمجھے ہیں جسے وہ تو حقیقت میں ہے نار + آتش مے سے نہیں بچتا ہی قلب میخوار
شعلہ نار جہنم ہے نہیں جام شراب
عقل رکھتا ہی تو لینا نہ کبھی نام شراب

دشمن عقل ہے مے دشمن جاں دشمن مال + دوستی دشمن جانی سے تو ہونی ہی محال
قابل رنج و تاسف ہے جو میخوار کا حال + چاہیئے اسکے مضرت کا ہر اک آن خیال
خیر بتا ہی نہیں دیکھا کوئی انجام شراب
عقل رکھتا ہی تو لینا نہ کبھی نام شراب

احمد۔ (گھڑی دیکھکر) اُف ہو ساڑھے سات ہو گئے آٹھ بجے خانصاحب کے کہانیکا وقت ہے اب مجھے جانا چاہئیے اس کی نسبت تم سے پھر کبھی بحث کرینگے ؎

ابتو جاتے ہیں لو خدا حافظ
پھر ملینگے اگر خُدا لایا

(۱۵)

پندرھواں باب

فرخ و غازی الدین احمد کی جس ملاقات کا تذکرہ پچھلے باب میں کیا گیا ہے
اُس ملاقات سے کے پانچویں دن افتخار النسا اپنے والدین اور بھائیوں کے
ساتھ دلی روانہ ہوئی۔ چلتے وقت ایک خط محی الدین بی کی معرفت فرخ کو
بھیجا تھا جس میں بعد اظہار اشتیاق ملاقات اپنی مجبوریوں اور معذوریوں
کے اسباب لکھکر اپنی وفاداری و ثابت قدمی کا یقین دلایا اور اطمینان
بخش و تسکین دہ کلمے نہایت پُرزور الفاظ میں فرخ کی تسلی و تشفی کے
لئے لکھے۔ الفاظ کیسے ہی پُرزور ہوں لیکن پُرزور جذبات کے لئے
پُرتاثیر بہت کم ہوتے ہیں خصوصاً جبکہ کوئی بلا نصیب اپنے محبوب سے بچھڑ جائے
جدائی آتش تیز است میسوزد دل جان را   خدا ہرگز نصیب کس نہ سازد داغ ہجران را
جب دل میں تڑپ ہوتی ہے تو سوا دارو ئے وصال کے کوئی دوا کارگر
نہیں ہوتی ؎

دل کا کوئی حامی دم بسمل نہیں ہوتا ✦ کمبخت کلیجہ بھی تو شامل نہیں ہوتا

جس دن انتخار کے دلی روانہ ہونیکی خبر فرخ کو ملی بیٹھے بیٹھے یکدفعہ فرخ کو
غش آگیا۔ غش سے جب افاقہ ہوا تو زور سے تپ چڑھ آئی اور اس قدر
اس کا مزاج بگڑا کہ حافظ عنایت اللہ خاں جو فرخ کی علالت کی خبر
سنتے ہی فوراً آگئے تھے بہت مشوش و پریشان ہو گئے حیدرآباد کے
چند نامی گرامی ڈاکٹروں کو طلب کر کے بمشورہ علاج شروع کروایا اور
غازی الدین احمد کو فرخ کی علالت کی اطلاع دی۔ وہ بھی افتاں خیزاں
فرخ کے مکان پر آیا اور اپنی پریکٹس کے خیال کو بالائے طاق رکھکر
شب و روز فرخ کے پاس بیٹھکر تیمارداری میں مصروف ہو گیا۔ ڈاکٹروں
نے اس علالت کا سبب کوئی تکلیف یا صدمہ قلبی و دماغی قرار دیا
جس کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے غش آگیا اور حرارت اسدرجہ بڑھی کہ ٹمپریچر
ایکسو پانچ ڈگری ہو گیا۔ تیسرے دن بخار میں ذرا سی خفت ہوئی مگر اکیس
دن تک تپ نے مفارقت نہیں کی اس طویل ارض مدت میں تپ گھٹتی
بڑھتی رہی۔ بخار آنیکے نویں دن ڈاکٹروں نے ٹائیفائیڈ فیور
(تپ محرقہ) تشخیص کیا عالم شباب میں خدا نکرے ایسی تپ کا سامنا
ہو جس سے مریض کی حالت خطرناک ہو جاتی ہے اس قسم کی تپ کی تشخیص
بھی آسان ہے اور دوائیں بھی مقررہ ہیں جنھیں ہر ایک ڈاکٹر جانتا ہے
لیکن بڑی چیز اس میں تیمارداری ہے۔ ڈاکٹروں نے چاہا تھا کہ دو پیشہ ور
نرسیں مقرر کر لی جائیں مگر غازی الدین احمد نے نہ مانا اور خود نرسنگ
(تیمارداری) نہایت ہمدردی اور ہوشیاری سے کرتا رہا۔ یہ سچی ہمدردی

اور اس قدر علم وفہم نرسوں میں کہاں۔ غازی الدین ہر روز ڈاکٹروں سے
ہدایات ضبط قلم کر لیا کرتا اور ایک تختہ شبانہ روز کی کیفیت کا مرتب کرتا۔
تھرمامیٹر دن بھر میں تین چار بار لگا کر ٹمپریچر معلوم کر کے اسکا اندراج بتعین
اوقات و درجہ بخار تختہ میں کرتا بدفعات جو دوائیں اور غذائیں دیجاتی
تھیں انکو بھی تختہ میں درج کر کے ڈاکٹروں کو دیکھاتا اور جو کوئی امر دریافت
طلب سمجھتا اسکا ایک نوٹ خانہ کیفیت میں کر لیتا اور ڈاکٹروں سے
دریافت کرتا ان کی نسبت حسب ہدایت معالجین عمل کرتا القصہ نہایت ہمدردی
اور ہوشیاری سے غازی الدین نے تیمارداری کی جس میں وہ اس درجہ
منہمک ہو گیا تھا کہ اپنے وجود کو فراموش کر گیا تھا نہ وقت پر کھانا کھاتا
نہ راتو نکو پوری نیند سوتا نہاتا اور کپڑے بدلنا تک اسکے لئے دو بھر ہو گیا تھا
دوستی کا ادعا و اظہار بہت آسان ہے لیکن حق دوستی ادا کرنا بہت
مشکل امر ہے یہ ایک بڑا دشوار امتحان ہے جس میں دوست صادق ہی
کامیابی حاصل کر سکتا ہے اور اس زمانہ ناہنجار میں دوست صادق کا
وجود عنقا صفت ہے مگر غازی الدین احمد اپنی شرافت نصبی و طبعی کا پورا
ثبوت اس مرحلہ میں دیکر اس امتحان میں کامیاب رہا۔ اس میں کلام
نہیں کہ حافظ عنایت اللہ خاں بھی فرخ کی صحت یابی کی تدابیر کی جانب
ہمہ تن مصروف رہے دن بھر میں دو مرتبہ جو ڈاکٹروں کے آنے کے
اوقات تھے وہ بھی آتے رہے۔ چونکہ فرخ خود بھی ڈاکٹر تھا اور ایک
مسافرانہ حیثیت رکھتا تھا بلحاظ آداب پیشہ و بخیال اخلاق ڈاکٹروں نے

مطلق نہیں بہیں لی مگر دوائین اور کیمیکل وائٹیفشل فوڈس (طبی طریقہ سے ترکیب وادہ اغذیہ) وغیرہ میں جو روپے صرف ہوئے اسکا بار تنہا حافظ عنایت اللہ خاں نے اوٹھایا گو بعد حصول صحت فرخ نے بہت اصرار کیا کہ اُس بار کو اپنے اوپر منتقل کر کے حافظ صاحب کو اس سے سبکدوش کر دے لیکن حافظ صاحب کی علو ہمتی اسکی مقتضی نہوئی کہ روپے جو انہوں نے صرف کئے تھے واپس لیتے۔ زمانہ علالت میں جس قدر خطوط افتخار نے دلّی سے بھیجے اُسکے جواب غازی الدین سے لکھواکر فرخ اپنے دستخط ثبت کر کے بھجواتا رہا۔ اسکی علالت کی خبر نے افتخار کو بہت پریشان و مضطر کر دیا تھا جیساکہ اوسکے خطوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ گو بخار بائیسویں دن بالکل جاتا رہا لیکن اضمحلال کچھ دنوں تک رہا جب فرخ کی طبیعت بالکل چاق ہو گئی تو پریکٹس کی جانب ذرا متوجہ ہوا انہیں دنوں میں ایک شب خواب میں دیکھا کہ فرخ سے افتخار کی شادی ہو گئی ہے دونو خوش بخوش کسی باغ کی روش پر ٹہل رہے ہیں۔ راز و نیاز کی باتیں آپس میں ہو رہی ہیں فرخ کی گردن پر افتخار کا اور افتخار کی گردن پر فرخ کا ہاتھ پڑا ہوا ہے۔ افتخار کے بتلائے ہوئے حلیہ کے موافق جو فرضی اور خیالی فوٹو فرخ نے اپنے دماغ میں قایم کر رکھا تھا بعینہ وہی شکل افتخار کی خواب میں دکھلائی دی۔ صبح کو مضطربانہ حالت میں ایک نامہ تصنیف کیا اور ایک خط میں خواب کا حال لکھکر اس نامہ کو افتخار کے پاس بھیجدیا جس کا جواب گو مسلم نہیں مگر ترکی بہ ترکی اُسنے دیا۔

نامہ

اے طبیبِ قلوبِ عاشقِ زار　　اے مسیحائے بیکس و بیمار
اے چمن بندِ باغِ یکتائی　　اے نسیمِ بہارِ رعنائی
اے سوادِ ریاضِ چشمِ جہان　　اے مسیحائے قالبِ بیجان
اے دُرِ بے بہائے قلزمِ حُسن　　لُجّۂ خوبی و تلاطمِ حُسن
غنچۂ گلستانِ صد خوبی　　بلبلِ بوستانِ محبوبی
آفتابِ سپہرِ حُسن و جمال　　خوبی وضع میں پری تمثال
نکہتِ کاکلِ پری رُویان　　عطرِ رخسارہائے مہرویان
بعد صد شوق اشتیاقِ لقا　　اب میں لکھتا ہوں مُدعا دل کا
روز و شب آہ و بیقراری ہے　　چشم سے جوئے اشک جاری ہے
رات دن دل کو اضطراب سا ہے　　دلِ محزون کو پیچ و تاب سا ہے
تیری فرقت میں جان کھوتا ہوں　　اشک کے بدلے خون روتا ہوں
بال بکھرے ہوئے ہیں الفت میں　　کپڑے میلے ہیں تیری فرقت میں
مضطرب راتدن ہوں میں ناچار　　ورد اب اپنے حسبِ حال اشعار
سدہ نہ کھانیکی ہے نہ پینے کی　　رات دن فکر جان دینے کی
منہ میں اوڑتی نہیں ہے کہیل اوڑکر　　زندگانی ہے غصّہ کھانے پر
بھوک بھی گر لگے تو غم کھاؤں　　تشنگی گر ہو اشک پی جاؤن
میں کہاں اور کہاں خود آرائی　　بیخودی ہو گئی تماشائی

نہ رہا رنگ شوق آئینہ کیا ‏ روئے حیران کا معاینہ کیا
اگلی باتیں تمام بھول گئے ‏ شوخی بھی لا کلام بھول گئے
ہر شب غم یہ جوش ماتم ہے ‏ کہ شب عشرہ محرم ہے
کوئی کہتا ہے جنکا سایہ ہے ‏ یا کہ پریوں کو دیکھ آیا ہے
کوئی کہتا ہوا ہے خبط اسکو ‏ عقل سے کچھ نہیں ہے ربط اسکو
باؤلا ہو گیا ہے چاہت میں ‏ آگ لگ جائے ایسی الفت میں
پھیر ایسا ہے کچھ ستاروں کا ‏ بس ہمارا نہیں ہے کچھ چلتا
جان پامال اس سے ہے جوں خاک ‏ سیر مریخ نے کیا ہے ہلاک
ہے عطارد کو اندنوں میں وبال ‏ خط تقدیر مٹ سکے یہ مجال
شب کو سپنے یہ خواب دیکھا ہے ‏ آج کی رات کا یہ قصہ ہے
تیری گردن پہ ہے ہمارا ہاتھ ‏ میری گردن پہ تیرا پیارا ہاتھ
روش باغ پر ٹہلتے ہیں ‏ دل کے ارمان مرے نکلتے ہین
دل لگی چوچلے مذاق ہنسی ‏ باتیں ہوتی رہیں لگاوٹ کی
اتنے میں صبح کا ہوا تڑکا ‏ کھل گئی چشم عاشق شیدا
طبع کا جب سے اور عالم ہے ‏ صرف گریہ یہ دیدہ نم ہے
نہ طبیعت ٹھہرتی ہے اکدم ‏ زور پر ہے جنون کا عالم
جان دیتا ہوں سر کو دھنتا ہوں ‏ تنکے دیوانہ وار چنتا ہوں
سگ گزیدہ کی طرح ہوں مضطر ‏ کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے گھر
نالہ کے ساتھ دلمیں اوٹھتا ہے درد ‏ آہ کی طرح دست و پا ہیں سرد

کوئی ملنے کی اب کرو تدبیر — آگئے جو ہووے خواہش تقدیر
پیچ منجھدار میں ہے میری ناؤ — حیدرآباد جلد واپس او
وصل کی گر نکی کوئی تدبیر — مرہی جائے گا زہر کہا کے حقیر
اے حقیر ابتو ختم کر نامہ — لکھ چکا خوب روک لے خامہ

باوجودیکہ افتخار نے وعدہ حتمی کیا تھا کہ دو مہینے میں دلی سے واپس آجائیگی مگر بقول شاعر

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال — کاریکہ خدا کرد فلک را چہ مجال

انسان کی خواہش کے موافق سب کام دنیا میں تھوڑا ہی ہوتے ہیں چنانچہ امیرالمومنین حضرت علی ابن ابیطالبؑ نے واجب الوجود کے ثبوت میں فرمایا تھا عرفت ربی بفسخ العزایم مگر انسان بھی عجب ذات بزرگ ہے کہ اس مجبوری و عاجزی پر اس قدر بحر فرعونیت میں غلطاں ہے کہ بناہ بخدا۔ اگر بالکل مطلق العنان کردیا جاتا تو شہ زور اور مقتدر اشخاص کمزور و کم قدرت اشخاص کی معلوم نہیں کیا بُری گت بناتے بھرحال افتخار کا عزم و ارادہ کچھ کام نہ آیا اور دو مہینے کے عیوض کامل گیارہ مہینے اسکو دلی میں رہنا پڑا وہ اس طرح سے کہ بھائی کی شادی سے تو اسکو مہینے سوا مہینے میں بالکل فراغت حاصل ہوگئی تھی لیکن اُسکے والدین یکے بعد دیگرے ایسی سنگین علالتوں میں مہینوں مبتلا رہے کہ نقل و حرکت ناممکن ہوگئی تھی اور سفر کرنا تو محالات سے تھا۔ اس طویل عرصہ میں خطوط برابر آتے جاتے رہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ وقت زخموں کا اندمال کرتا ہے جوں جوں زمانہ مفارقت بڑھتا گیا

فرخ کا جوش و خروش فی الجملہ گھٹا گیا اور اوسکے دل کی بیتابی اور تڑپ بھی کم ہوتی گئی - جذبات کے گھٹنے سے عقل صائب پر جو پردے پڑ گئے تھے وہ بھی اوٹھتے گئے اور وہ پریکٹس کی جانب بدل وجان متوجہ ہوگیا اُسکی حذاقت و دست شفا کے سارے حیدرآباد میں ڈنکے بجنے لگے اس کا مطب مرجع خاص و عام بنگیا علاوہ اسکے رفاہ عام کے کاموں میں بھی حصہ لینے لگا چونکہ وہ فطرتاً اعلے درجہ کا مقرر واقع ہوا ہے پبلک جلسوں میں اُسکے لکچر اور اسپیچیں نہایت فصیح و پر مغز ہوا کرتی ہیں اب اُسکو ایک سال کامل حیدرآباد میں ہوگیا ہے اسنے بہت سے دوست و احباب بھی پیدا کرلئے ہیں پبلک بھی اُسکی قابلیت و ذہانت خداداد کی معترف و مداح ہے - اُسکے دوست غازی الدین احمد کی بیرسٹری نے بھی اس عرصہ میں زور پکڑا اُسنے بھی گنتہ گوشہ محل میں لب سڑک ایک بڑی سی کوٹھی فرخ کے بنگلہ کے متصل کرایہ پر لیلی ہے اور نہایت کروفر سے رہتا ہے - یوں تو جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے افتخار کے پاس سے خیر و عافیت کے اور کچھ دلی کے حالات کے خطوط برابر آتے رہے - دلی سے اخیر خط اسکا گیارہ مہینے چار روز کے بعد جو آیا اسمیں اُسنے یہ لکھا تھا کہ آیندہ ہفتہ کے آخر میں ہم سب دلی سے روانہ ہوں گے +

سولھواں باب

اب رات تمام ہو چکی ہے افق میں وہیمی وہیمی سپیدی صبح نمودار ہے جو تارے جگمگا جگمگا کر اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے وہ یکے بعد دیگرے جھلملا جھلملا کر چھپتے جاتے ہیں۔ درختوں کا آپس میں مل مل کر سرگوشیاں کرنا اُنپر تسبیح خوان طیور کا چہکنا اور نوا سنجیاں کرنا اور پھر نسیم سحری کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے انکا ایک شاخ پر سے اڑکر دوسری ڈالی پر بیٹھنا اور نسیم سحری کا اٹھلا اٹھلا کر برگ و گل سے دست و گریباں ہونا عجب لطف دکھا رہا ہے غرض عجب راز و نیاز کا وقت ہے اسوقت کی کیفیت اور سما کا اظہار بالفاظ دیگر میر انیس صاحب علی اللہ مقامہ کے ایک مرثیہ کے ایک بند میں کرتا ہوں۔

بند

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور　　دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور

پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور　　وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوان طیور

گلشن خجل تھے وادی مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

اسی عالم میں فرخ نے جوکہ حالت استراحت و خواب میں تھا ایک خواب دیکھا کہ افتخار دلی سے واپس آگئی ہے اور فرخ اُسکے مکان کے دیوانخانہ میں جہاں وہ افتخار کے والد سے کئی دفعہ ملا تھا تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں افتخار اُس دروازہ سے جدہر سے زنانہ مکان میں داخل ہوتے ہیں منہ پر آنچل ڈالے ہوئے آئی۔ اور فرخ کے برابر ایک کرسی پر جو خالی پڑی تھی بیٹھ گئی مگر یہ افتخار وہ افتخار نہیں ہے جو اُسکے دل و دماغ میں بس رہی ہے جو حلیہ اپنا افتخار نے لکھا تھا اُس سے مطلق اسکی صورت مطابقت نہیں کرتی ہے نہ قلاقند کی سی سفید رنگت ہے نہ بڑی بڑی رسیلی آنکھیں ہیں نہ ستواں ناک ہے اور نہ کمان نما ابروہیں اور نہ دہن ہے غنچہ سوسن نہ اُس صورت سے ملتی ہے جو پہلے ایکدفعہ خواب میں دیکھی تھی بلکہ بالکل برعکس اسکے چھوٹی چھوٹی آنکھیں بھدی صورت سیاہ فام بلغمی بدن کی عورت ہے البتہ لباس کا رنگ گلابی ہے اور وضع بھی لباس کی ملتی جلتی اسی وضع سے ہے جو افتخار کے خط میں تبلائی گئی ہے۔ گردن نہوڑاے آنکھیں بند کئے بیٹھی ہے فرخ لاکھ کوششیں کرتا ہے کہ وہ کچھ باتیں کرے مگر وہ بالکل بُت بنی بیٹھی ہے۔ یہ شکل و شمائل دیکھکر عالم خواب ہی میں فرخ گھبرا گیا اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں اور بیدار ہو گیا پلنگ کے برابر ایک تپائی پر چند کتابیں اور ایک ٹایم پیس (گھڑی) رکھی تھی اُس نے اُس گھڑی کی طرف دیکھا تو پانچ بجنے کو دس منٹ تھے اب اوسکو وحشت نے گھیرا بستر پر لیٹے ہی لیٹے اپنے دل میں کہنے لگا "الٰہی یہ کیسا خواب تھا کیا درحقیقت افتخار ایسی ہی

بدشکل ہے نہیں نہیں ایسی کہیں ہونے لگی خواب کی باتوں کا کیا ٹھکانا ہی
مگر لوگ کہتے ہیں صبح صادق کے وقت کا خواب برابر سچا ہوتا ہے مگر یہ خواب
تو صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ پہلی دفعہ کچھ اور صورت خواب میں دکھائی دی
اسدفعہ کچھ اور (افتخار کے اخیر خط کا خیال کر کے) وہ تو ابھی دلّی سے روانہ ہی
نہیں ہوئی ہیں اور خواب میں دیکھا کہ حیدرآباد واپس آگئی ہیں اسی سے
خواب کی لغویت معلوم ہوتی ہے" پھر یوں دعا مانگنے لگا "اے باری تعالے
اے سامع المناجات اے دو نو جہاں کے مالک حقیقی اے قاضی الحاجات
اس خواب کو خواب ہی کی حد تک رکھ خدائے پاک صدقہ میں اپنی کبریائی کے
مجھ گنہگار ازلی کی دعا مستجاب کر اور افتخار کی صورت اس دفعہ جو خواب میں
ظاہر ہوئی ہے ویسی نہو۔ اگر خدا نکرے کہیں ویسی ہی صورت ہوئی جیسی
خواب میں دیکھی ہے پھر تو میں بے موت مرا اسمیں شک نہیں کہ میں
انہیں کوئی پری چہرہ نہیں سمجھے ہوئے ہوں مگر اس قدر بدہیئت بھی تو نہیں
سمجھتا ہوں" اسی سوچ اور دھن میں وہ اُٹھ بیٹھا اور حوائج ضروری سے
فارغ ہو کر وضو کیا نماز صبح پڑھی جسکا وہ ایک عرصہ سے عادی ہو گیا تھا۔
بعد فراغت نماز تھوڑی دیر تک چمن میں ٹہلتا رہا۔ اسکے بعد مشرق رو برآمدہ
میں آنکر اسی خواب کے اودھیڑ بن میں وحشت زدہ بنا ہوا چہل قدمی
کرنے لگا اتنے میں آفتاب جہانتاب نے گریبان سفیدی سحر چاک
کر کے اپنا سر نکالا۔ صبحدم دروازہ خاور کھلا + مہر عالمتاب کا منظر کھلا
دیکھتے ہی دیکھتے آیا نظر + ایک انگار آتشین رو سر کھلا

فرخ نے ٹھہر کر آفتاب کے طلوع ہونیکے نظارہ کو بہت غور سے دیکھنا شروع کیا اور دل میں صانع حقیقی کی قدرت کاملہ کا خیال کرکے جھومنے لگا اسی وجد کی حالت میں وہ تھا کہ سامنے سے محی الدین بی نظر آئی جس کو دیکھتے ہی بعوض بیتابانہ خوش ہونے کے ہکا بکا ہوگیا کچھ عجیب حالت اسکے قلب و دماغ کی ہوگئی۔ فرخ کو یہ معلوم تھا کہ محی الدین بی افتخار کے ہمراہ دلّی گئی تھی اب اس خیال میں ہے کہ کیا واقعی افتخار دلّی سے واپس آگئی جیسا کہ اسنے خواب میں دیکھا تھا یا یہ کہ محی الدین بی کو تنہا کسی ضرورت کی وجہ سے اپنے پیشتر بھیجا یہ اب اپنے دل میں کہہ رہا ہے کہ اللہ کرے ایسا ہی ہو کہ محی الدین بی تنہا آئی ہو تاکہ اس کا خواب نہ سچا ہو اگر خواب کا یہ حصہ افتخار کا دلّی سے واپس آجانا صحیح ہوا تو ضرور اوسکی صورت بھی ویسی ہی ہوگی جو خواب میں نظر آئی۔ اسی حیص وبیص میں فرخ تھا کہ محی الدین بی قریب آئی اور مسکراتی ہوئی جھک کر سلام کیا۔ فرخ نے سلام کے جواب میں ہاتھ اوٹھایا مگر کچھ ایسا عالم اسپر طاری تھا کہ بطور خود ایک لفظ بھی اسکے منہ سے نہیں نکلا بالآخر محی الدین بی نے ایک خط دیکر اور یہ کہکر مہر خاموشی اسکی توڑی۔ محی الدین بی بڑے صاحب آپکی مزاج کیسی ہے ہیں تو ایسا حال کبھی نہیں دیکھی لیجئے مبارک ہو ہم سب کل شام کو حیدرآباد دلّی سے واپس آئے یہ خط بیگم پادشاہ دئے ہیں خیریت خیر صلاح پوچھے ہیں اردبی زبان سے زور مسکراکر لائے میرا انعام دلوائیے ٹیش سے

آتے ہی جلدی جلدی یہ خط لکھ کے میرے کو دے اور بولے محی الدین کو
ابھی جاکر دے آ۔ تھوڑی سے تو میں اُس وقت لگی گھر بچوں کو
دیکھنے کو جو گئی تو دیر لگ گئی تھکی ہوئی تھی اسکتا گئی اسلئے صبح اٹھتے ہی
بھاگتی ہوئی آپ کے پاس آئی ہوں میں بڑی بیگم صاحب سے پروانگی لیکر
اور اُدھر لکر آئی تھی کہ گھر جاتی ہوں مجھکو آونگی آپ اپنے خط میں اس کا
حال لکھو تو لکھیں آج مجھکو خط لائی بیگم بادشاہ ہمسے خفا ہوجائینگے
وہ بولے تھے کہ خط ابھی جاکر دے آ پھر گھر جانا۔"

فرخ۔ (خط لیکر ماتھے سے لگا کے) وہاں میرا مزاج دو چار روز سے خراب ہے
مگر اپنی بیگم بادشاہ سے اسکا ذکر نہ کرنا۔ تو کہو ہم سب اچھی طرح
رہیں، دلی تمکو پسند آئی یہ کہکر اُسنے خط پڑھا۔

خط

کاچی گوڑہ

میرے نیک نام جگ جگ جیو روز دوشنبہ وقت شام

بافضال خدا ہم سب بعافیت تمام ابھی حیدرآباد پہنچے
تمنے دلی سے جو آخیر خط بھیجا تہا اُس میں یہ لکھا تھا کہ آئندہ ہفتہ کے
آخر میں دلی سے روانہ ہونگے لیکن یہ آپکے جذبات و کشش کا سبب تھا
کہ کہیں پیشتر لیتے خط بھیجنے کے دوسرے ہی دن دلی کو خیرباد کہا اصل
سبب یہ ہوا اماجان ذرا وہمی مزاج کی آدمی ہیں تاریخوں کے سعد و نحس کا
بہت خیال کرتی ہیں کئی تاریخیں مسلسل نحس تہیں اور بعض ان میں سے

نحس اکبر اسلئے یہ تفرقہ پڑا۔

اب میں آپ کے اختیار میں ہوں۔ ماہ رواں رجب ہے اسکے بعد شعبان پھر ماہ مبارک رمضان ہے یہ تینوں مہینے مسعود و مبارک ہیں اباجان رستے میں اماجان سے فرماتے تھے کہ ان تین مہینوں میں سے جب وہ (اپنے آپ) چاہیں عقد کر سکتے ہیں۔ البتہ پندرہ بیس دن تو تیاری سامان شادی میں ضرور صرف ہونگے۔ ہم غریبوں کی تیاری کیا ہے گو آپ کے لائق نہ سہی ہماری حالت موجودہ کے موافق بھی تو کچھ کرنا ضرور ہے اس کی درستی و تیاری میں پندرہ بیس روز صرف ہونگے۔ ابھی دو چار روز تو جو اسباب سفر میں ساتھ آئے ہیں اور جہاں تہاں یہاں مقفل پڑے ہیں انکے رکھنے رکھانے میں اور تکان سفر کے مٹنے میں لگ جائینگے۔ وسط شعبان میں کوئی تاریخ فریقین کے اتفاق سے منتخب و مقرر کیجائے آیندہ اختیار بدست مختار و مرضی مولا از ہمہ اولے۔ اباجان کے سلام کو دو ایک روز میں ضرور آئیے غالباً کل اپنی واپسی کی اطلاع وہ خود ہی دینگے۔ اطلاع آنیکے بعد آئیے۔ لیجئے میں لکھ چکی اسوقت بہت تھکی ہوئی ہوں سفر وغیرہ کی حالات انشاءاللہ دوسرے خط میں لکھوں گی۔

خدا حافظ امام ضامن نگہبان۔

آپکی "افتخار"

اس خط کو پڑھکر ایک کرسی پر جو وہیں قریب تھی فرخ بیٹھ گیا اور چاہتا ہے کہ کچھ منہ سے بولے مگر اُس کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا بولے آخر بناوٹ کی

مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

فرخ "واہ محی الدین بی تمہارا کیا کہنا۔ بیشک تمنے انعام کے لایق کام کیا جو انکے حیدرآباد آنیکی خوشخبری سنائی" یہ کہکر کمرہ کے اندر گیا اور پانچ روپے لیکر آیا محی الدین بی کے ہاتھ میں دیکر بولا۔

فرخ "لو یہ تمہارا مختصر سا انعام ہے اس خط کا جواب کل شام کو بذریعہ ڈاک بھیجدونگا (کچھ کچھ سوچکر) اچھا تمہیں ذری تکلیف کرنا کل پانچ یا چھ بجے آؤ تو بقیہ انعام بھی دوں گا اور خط کا جواب بھی دونگا"

محی الدین بی (روپے ہاتھ میں لیکر اور سلام کر کے) واہ صاحب اتنے دن کے بعد پانچ ہی روپے انعام عید کا بکر عید کا انعام سب آپ کنے جمع ہے"

فرخ "ہمنے کہا نہ کہ بقیہ انعام کل دوں گا۔ جواب تمسے طلب کریں تو کہدینا کہ کل دیا جائے گا"

محی الدین بی سلام کر کے چلی گئی۔ فرخ چائے اور ناشتہ سے فارغ ہو کر ٹہلتا ہوا پیدل غازی الدین کے ہاں گیا۔ وہ اپنے آفس کے کمرہ میں بیٹھا تھا چند موکل اہل مقدمہ بھی بیٹھے ہوئے کاغذات دکھا رہے تھے فرخ کو دیکھکر غازی الدین متحیرانہ لہجہ میں گویا ہوا۔

احمد "خیر باشد اس قدر سویرے کیوں سواری آئی کیا کوئی خاص ضرورت لائی ہے"

فرخ (جس کے چہرہ سے وحشت اور گھبراہٹ برس رہی تھی) "ہاں خیر ہی خیر ہے

اگر حرج نہو تو ذرا ادہر آؤ۔ دونوں ڈرائینگ روم میں چلے گئے اور وہاں ایک سوفے
پر دونوں بیٹھکر یہ باتیں کرنے لگے۔

فرخ:- میں کیا بتاؤں کہ کس اولجھن میں اسوقت تمھارے پاس آیا ہوں پرسوں
جو خط افتخار کا آیا تھا مینے تمہیں دکھایا تھا جس میں یہ لکھا تھا کہ آئیندہ ہفتہ کے
آخر میں دلی سے روانہ ہونگے۔

احمد۔ (بات کاٹ کر اور گھبرا کر) ہاں تو کیا خدا نکرسے کوئی خبر بد کا تار ابھی
دلی سے آیا ہے؟

فرخ۔ نہیں۔ گھبراؤ نہیں سنتے جاؤ تو اس خط کے لحاظ سے آج تو انھیں
دلی میں رہنا تھا۔ مینے ایک عجیب خواب آج پچھلے پہر کو دیکھا وہ یہ کہ افتخار
دلی سے آگئی ہیں اور وہ میرے سامنے بیٹھی ہیں شرمائی جاتی ہیں میں
لاکھ چھیڑتا ہوں کہ منہ سے کچھ بولیں مگر وہاں ایک چپ ہزار چپ خیر یہانتک
تو مضائقہ نہیں مگر افتخار کی صورت جو خواب میں دیکھی وہ نہایت ہی بدشکل
تھی جسکو دیکھکر میں بحالت خواب بہت پریشان و متفکر ہوا۔ اتنے میں
میری آنکھیں کہل گئیں اب لطف دیکھو کہ اس خواب کے دیکھنے کے دو ڈہائی
گھنٹہ کے بعد محی الدین بی آئی۔ (افتخار کا خط جیب میں سے نکالکر اور احمد
کے ہاتھ میں دیکر) اور یہ خط لاکر دیا اور زبانی بھی کہا کہ کل شام کو ہم سب
حیدرآباد پہنچے اب یہ بتاؤ کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

احمد:- یہ کوئی حیران ہونیکی بات نہیں ہے بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ روحانی
تعلقات کی وجہ سے خواب میں وہ باتیں جو وقوع میں آنیوالی ہوتی ہیں

دکھائی دیتی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم دونوں میں کس قدر گھرا تعلق ہے؟

فرخ:۔ اجی گھر سے تعلق کو تو ایک طرف رہنے دو تم میرا مطلب بھی سمجھے جس طرح سے ایک حصہ خواب کا دلی سے حیدرآباد واپس آنا صحیح نکلا کہیں دوسرا حصہ بھی صحیح نہ ہو یعنے جیسی شکل افتخار کی اس دفعہ کے خواب میں دکھائی دی ہے ویسی نہ ہو پہلی دفعہ جو خواب میں صورت افتخار کی دیکھی تھی وہ اور ہی کچھ تھی اور آج صبحکو جو دیکھی وہ تو ایسی ہی ہے کہ ایسی صورت کے ہاتھ کا کوئی کھٹا بیر نہ کھائے اسوقت بھی میری آنکھوں میں پھر رہی ہے اگر درحقیقت ویسی ہی شکل ہے تو مجھے بڑا مغالطہ ہوا بلکہ سخت دھوکا دیا گیا تمنے تو وہ خط بھی پڑھا ہے جس میں اپنا حلیہ لکھا ہے عجب مشکل میں ہوں کیونکر صورت کی حالت متحقق ہو؟

احمد:۔ پریشان کیوں ہوتے ہو خواب کی باتوں پر اسقدر وثوق و اعتبار کیوں کرتے ہو ایک حصہ اگر صحیح نکلا تو کچھ لازم نہیں ہے کہ سارا خواب صحیح ہو تمنے جو تصویر منگوائی تھی وہ آئی؟

فرخ:۔ اگر تصویر آجاتی تو پھر کیا بات تھی یعنے تقریباً ہر خط میں تصویر طلب کی مگر وہ برابر ٹالتی رہیں۔

احمد:۔ تمھاری حالت تو قبل از مرگ واویلا یا بے آب موزہ کشیدن کی ہے جب تک تحقیق نہ ہو اسقدر گھبراہٹ فضول ہے۔ تصویر سے تو ہاتھ دھو رکھو کوئی سبیل انکے دیکھنے کی نکالو؟ ٥

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ ٭ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

فرخ "زیکہنے کے متعلق مینے کنایۃً ایک خط میں خواہش ظاہر کی تھی جسکا جواب بہت برافروختگی کے ساتھ دیا اور دوچار لفظ ایسے جواب میں لکھے کہ سب مجھے خود منفعل ہونا پڑا"

احمد "میرے خیال میں ایک بات آئی ہے وہ یہ کہ محی الدین بی کو اچھی طرح انعام واکرام دیکر اس سے اس بارہ میں مدد لو ممکن ہے کہ وہ کسی ڈہب سے انکو دیکھا سکے پیسہ وہ چیز ہے بقول شخصے "زر بر سر فولاد نہی نرم شود" ؂

اے زر تو خدائی ولیکن بخدا + ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

فرخ "تو یہی صلاح ٹھیک ہے کل شام کو خط کا جواب لینے اُسے بلایا ہے اُسکو چھیڑکر دیکھتا ہوں۔ اب میں رخصت۔ تم بھی جاو اپنا کام کرو۔ تمہارے موکل تمہارا انتظار کر رہے ہونگے"

اسکے بعد فرخ اپنے گھر آیا اسکی طبیعت ذری ہلکی اس خیال سے ہوئی کہ رفع شک کی ایک صورت نکل آئی مگر رہ رہ کر اقسام کے خیالات اسکو پریشان کر رہے ہیں اسکو اسمیں بھی شبہہ ہوتا ہے کہ شاید محی الدین بی افتخار کو دکھلانے پر رضامند نہو اور اگر راضی ہو بھی گئی اور افتخار کہیں ویسی بدشکل نکلی جیسی صورت کہ خواب میں دکھائی دی تھی پھر تو بڑا غضب ہو جائیگا غرض انہیں الجھنوں میں سارا دن سارا رات اور دوسرا دن کاٹا اسی پریشانی میں محی الدین بی کو دینے کے لئے افتخار کے خط کا جواب اُسنے دوسری دن لکھکر رکھ چھوڑا۔ دوسرے روز افتخار کے والد نے دلّی کی تھوڑی سی مٹھائیاں تحفتہً بھیجیں اور اسی پیرایہ میں دلّی سے واپس آنیکی اطلاع دی +

(۱۷)
سترھوان باب

اُسوقت رات کے آٹھ بجے ہیں ستمبر کی مہینے کی چھبیسویں تاریخ ہے ماہتاب کا نظر افروز جلوہ نظروں سے غایب ہے شب کی تاریکی کسی کافر ادا کی زلف مشکیں کی سیاہی کی داد دے رہی ہے۔ موسم بارش کی وجہ سے تاروں کے منور چہرے گرد و غبار کے غازہ سے پاک و صاف ہیں جنکی جگمگاہٹ راہگیروں کی رہنمای کر رہی ہے اسی عالم میں فسرخ چمن کے بیچ کے چبوترہ پر ایک آرام کرسی پر تنہا بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا ہے کبھی آپ ہی آپ باآواز بلند کچھ کہہ بھی اوٹھتا ہے کبھی ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھی بھرتا ہے اسکو اسوقت انتشار اور کسی کا انتظار ہے مگر جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اسکی مایوسی بڑھتی جاتی ہے انتظار کیسا ہی ہو اور کسیکا ہو ہمیشہ کھلنے والا ہوتا ہے اتنے میں اُسکے اردلی چپراسی نے آنکر کہا کہ محی الدین بی حاضر ہے اتنا سُننا تھا کہ انتشار و انتظار کی حالت مبدل بہ تسکین ہوگئی بیتیابانہ طور سے بول اٹھا اوسکو میرے پاس بھیجو"

محی الدین بی (بہت جھک کر سلام کرنیکے بعد) صاحب معاف کرو میرے کو آنے میں

بڑی دیر لگی میں چاہتی تھی بگی آؤں بیگم بادشاہ صبح سے اپنے پھوپھو ماں کے
ملنے کو گئے تھے وہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتے تھے اوے اب اللہ اللہ کر کے آئے
دے تو جھٹ بیگم بادشاہ کو ڈیوڑی میں چھوڑ کے میں ادہر نکلی بیگم بادشاہ
سلام کہتے ہیں اور مزاج کی حال پوچھتے ہیں خط کا جواب مانگتے ہیں"

فرخ ـ "کل کے خط کا جواب تو آج چار بجے سے لکھا رکھا ہے تمھارے
انتظار میں وہ بھی تمکو یاد کر رہا ہے اور میری آنکھیں بھی تمہیں کو ڈھونڈ رہی
تھیں بارے تم آگئیں ـ میں تم سے ایک بات کہا چاہتا ہوں مانو تو کہوں
میں تمھیں بہت سا انعام دونگا"

محی الدین بی ـ (جس کے منہ میں انعام کا نام سنتے ہی پانی بھر آیا) آپ انعام
دینے والے سوا سو برس جیو میرے کئے سری کی کوئی بات ہے تو کر دونگی"

فرخ ـ "بیشک وہ بات تمھارے کرنیکے قابل ہے اور تمھارے
کئے ممکن ہے ـ ایک طرح سے تم قول ہار چکی ہو اب ہٹنا نہیں وہ بات یہ ہے
کہ اپنی بیگم بادشاہ کو کسی طرح ایک نظر مجھے دکھا دو"

محی الدین بی ـ (ذرا چونک کر) "آہا میں کیسے آپکے سامنے انکو کر دونگی میرے
سر میں ایک بال بھی بڑی بیگم صاحب رہنے دینگے ـ یہ تو میرے سے نہیں ہوگا"

فرخ ـ "یہ میں کب کہتا ہوں کہ بیگم بادشاہ کو میرے سامنے کر دو میری غرض
یہ ہے کہ کوئی ایسی ترکیب نکالو کہ وہ مجھے نہ دیکھیں اور میں انہیں دیکھ لوں ـ
پچاس روپے انعام اس صلہ میں تمکو دونگا"

محی الدین بی ـ "ہاں یہ تو ہو سکنے کی بات ہے ـ سنرکار او بیگم صاحب دلی جا

بہت بیمار ہوگئے تھے تو میں مشکل کشا کی نیاز مانی تھی۔ آپ جو روپے دینگے اس میں سے تھوڑے روپے کی جلابیاں منگا کر رجب کا مہینا بھی ہے کونڈے بھرونگی (کچھ سوچکر) آپ روپے نہ بھی دیتے تو میں اپنے پاس سے کرنے کو تھی جب تھوڑا کرتی اب بہت کروں گی بیگم بادشاہ کے ہاتھ پاؤں پڑکے اپنے گھر لاؤنگی کہ آپ ہی نیاز دیدو یہ بات جمنے کی ہے آپ کو پہلے سے آکے لیجاؤنگی جو حجرہ میں بٹھادوں اس میں سے دیکھ لو پر خدا کے لئے سامنے نکو آجاؤ۔ یہ تو بولئے بیگم بادشاہ کو دیکھکر کیا کروگے"

فرخ :- بس یہی میرا مطلب ہے۔ واہ کیا ٹھکانے کی سوجھی ہے۔ پچیس روپے تو ابھی لیلو اور نذر و نیاز کا سامان کرو بقیہ پچیس دیکھ لینے کے بعد دونگا۔ انہیں دیکھ لینے سے میرا مطلب کیا ہے پھر کہونگا" یہ کہکر فرخ کمرہ کے اندر گیا اور پچیس روپے اور خط کا جواب لاکر محی الدین بی کو دیا۔ روپے ہاتھ میں لیکر اسُنے سلام کیا اور کہا کہ چار پانچ روز کے بعد آپ کو بلا بھیجوں گی۔ پھر سلام کرکے خوش خوش چلی گئی۔ اس واقعہ کے دوسرے دن فرخ افتخار کے والد کے ہاں گیا شادی کی مبارکباد دی زنانہ میں بھی بندگی اور مبارکباد کہلا بھیجی ادہر اودہر کی باتیں کرکے واپس چلا آیا۔ پانچویں روز محی الدین بی بعد نماز مغرب آئی ایک جھٹکہ میں چاروں طرف سے پردے ڈالکر فرخ کو اپنے گھر لیگئی جو افتخار کے مکان کے قریب تھا۔ فرخ اپنی گاڑی پر اسلئے نہیں گیا کہ کہیں محلہ والوں کی نظریں نہ پڑیں اور بات کھل نہ جائے۔ محی الدین بی نے فرخ کو اپنے گھر لیجاکر ایک کوٹھری میں بٹھادیا اور

کوٹھری کے دروازے میں باہر سے قفل ڈال دیا۔ اسی کوٹھری کے سامنے
ایک چھوٹا سا دالان تھا وہاں اُجلا فرش کرکے ایک دسترخوان بچھایا اسپر چند
کونڈوں میں دو تین روپے کی جلیبیاں بھردیں دو شمعدان جو افتخار کے ہاں سے
مستعار لائی تھی اُنمیں مومی بتیاں روشن کردیں کونڈوں کے چاروں طرف چولائی
کا ساگ چھڑک دیا ایک گلی لوبان دان رکھدیا ایک طرف کو ایک قالین جو افتخار
کے ہاں سے لائی تھی بچھادیا اُسپر ایک گاؤتکیہ رکھا اسکے بعد افتخار کے
ہاں گئی ایک شکرام پر افتخار کو مع عمدہ خانم لائی۔ افتخار جونہیں شکرام سے
اترکر محی الدین بی کے مکان کے چھوٹے سے صحن میں داخل ہوئی کہ
محی الدین بی نے چٹ چٹ بلائیں لیکر بہت سی دعائیں دیں۔
افتخار کو قالین پر لیجاکر بٹھایا۔ چونکہ پہلی دفعہ اس مکان میں آئی تھی افتخار
ذری دیر بیٹھکر اُٹھ کھڑی ہوئی تمام پھر کر دیکھا جس کوٹھری میں قفل بند تھا
اسکو بھی دیکھنا چاہا۔ محی الدین بی نے یہ کہکر ٹالدیا کہ ٹوٹا پھوٹا لکڑی کا اسباب
بند ہے اور کنجی اسکی شوہر کے پاس ہے جو نوکری سے ابھی واپس نہیں
آیا۔ محی الدین بی نے جو بات بنائی تھی افتخار اُسے سچ سمجھی محلہ والوں کا
کچھ حال پوچھکر یہ دریافت کیا کہ تمنے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو
مدعو نہیں کیا اسقدر جلیبیاں کون کھائیگا جس کا جواب محی الدین بی نے
یہ دیا کہ تھوڑے سے عزیز ہیں وہ بھی گاؤں میں ہیں آپکے جانے کے بعد محلہ کی
عورتوں کو بلاکر نذر کی جلیبیاں کھلاؤنگی۔ افتخار نے پانی منگاکر وضو کیا نذر کی
دو چار جلیبیاں افتخار نے اور عمدہ خانم نے کھائیں اور دونو رخصت ہوئیں۔

محی الدین بی پہنچانے گئی۔ فرخ مقفل حجرہ میں سے باتیں بھی سنتا رہا اور اسکے دروازہ کے سوراخوں میں سے افتخار کو بھی اچھی طرح دیکھا اور قریب قریب وہی صورت دیکھی جو اخیر دفعہ کے خواب میں دیکھی تھی اب فرخ کی یہ حالت ہو گئی کہ کاٹو تو خون کا ایک خطرہ بھی اس کے جسم سے نام کو نہ نکلے۔ محی الدین بی نے واپس آنکر قفل کھول کر فرخ کو باہر نکالا وہ جلدی سے اسی جھٹکہ میں سوار ہو کر اپنے گھر آیا وہ رات اسنے بہت بیچینی سے کاٹی۔ صبح ہوتے ہی غازی الدین احمد کے پاس گیا اور شب گزشتہ کی ساری کیفیت دوہرائی جس کو سنکر غازی الدین سر پر ہاتھ رکھکر تھوڑی دیر تو بالکل خاموش رہا پھر بولا

غازی الدین احمد :- واقعی تمکو بڑا جکما دیا گیا مگر تم سے بھی بڑی بیوقوفی ہوئی جب تمکو اپنی طبیعت کی حالت معلوم تھی کہ بدشکل عورت سے نباہ ناممکن ہے یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ حسن پرستی کا مادہ تمھارے اب و گل میں ہے۔ اسیوجہ سے کلکتہ میں جب تم الیف اے کلاس میں پڑھتے تھے کئی پیغام لکھپتیوں کے ہاں سے آئے اور تمنے قبول نہیں کئے ورنہ انگلستان جانیکے پیشتر ہی تمھاری شادی ہو گئی ہوتی۔ یہ نہ سمجھے کہ دور کے ڈھول سہاؤں ہیں بغیر ہر طرح کا اطمینان کلی کئے ناحق کلکتہ تمنے چھوڑا۔ وہاں ابتدائی حالت تمھاری کس قدر امید افزا تھی"۔

فرخ :- بیشک مجھسے کچھ غلطی یا بیوقوفی کچھ ضرور ہوئی۔ کیا بتاؤں میری سمجھ کی آنکھوں پر کیوں پردہ پڑ گیا تھا مگر تمنے تو لفظ لفظ اس خط کا مضمون پڑھا ہے جس میں اپنی صورت و قامت وضع و ترکیب وغیرہ افتخار نے

لکھی ہے۔ اب میں صورت کا اطمینان اور کس طرح کرتا۔ علاوہ اسکے میں کچھ ایسا بیخود ہو گیا تھا یا مجھ پر کچھ ایسی بیگانگی طاری تھی کہ کچھ پتہ نہ تھا۔ میری حالت بعینہ اس شعر کی سی تھی ؎

جذب دل از بسکہ دامنگیر تھا ٭ جسکو دیکھا صورت تصویر تھا

ان کی امید افزا باتوں کا خیال تو پہلے ہی سمجھ گیا جن دقتوں کا مجھے اس وقت سامنا ہے وہ اور باتیں ہیں۔ میری ساری امید دل پر پانی پھر گیا۔ وہ وصال جو جو خیالی پلاؤ دل میں پکائے تھے ان میں داغ لگ گیا۔ میرے دل و دماغ میں جو خیالات تھے وہ خواب ہو گئے۔ ساری تمناؤں کا خون ہو گیا۔ سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہوائی قلعے تعمیر کئے تھے جنکو باد فنا کے ایک جھونکے نے ڈھا کر مسمار کر دیا۔ عجب کشمکش میں پھنسا ہوں۔ میری تو حالت بعینہ اس مثل کے مصداق ہے سانپ کے حلق میں چھچھوندر نہ اگل سکتا ہے نہ نگل سکتا ہے۔"

احمد: اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْیَانْ۔ غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے اس معاملہ میں تم سے چوک ہو گئی۔ جو تم سے اچھی طرح واقف ہے تمہاری فہم و ادراک کا قائل ہے تم ہر بات کے ہر پہلو کو غور و تعمق کے ساتھ دیکھتے ہو مگر نہ معلوم اس معاملہ میں تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ اب سوا اسکے کوئی چارہ نہیں ہے کہ نسبت توڑ ڈالو۔ چند دنوں کی تکلیف عمر بھر کی تکلیف سے بہتر ہے۔"

فرخ: ہائے کیا جملہ تمنے کہا کہ نسبت توڑ ڈالو۔ ایک نشتر میرے دل میں لگایا۔ افتخار کو خدا جانے میں کیا سمجھے ہوا تھا۔ تمام خوبیوں سے

عطروں کا مجموعہ۔ ساری نیکیوں کا لب لباب شوخی و طبعداری کا ذخیرہ
ذہانت و ذکاوت کی پتلی۔ گو حسن کی دیوی نہ سہی مگر حلیہ کے لحاظ سے
خوبرو معشوق تو ضرور سمجھے ہوئے تھا اسپر سے اپنا عاشق و فدائی اسلئے
تمام جہان کی عورتوں کے لئے مایۂ افتخار۔ دو برس سے جس درخت کو
خون دل سے سینچکر قریب بارآور ہونیکے کیا اپنے ہاتھوں سے اسکی بیخکنی
کی جائیگی۔ علاوہ اسکے افتخار کے عزیزوں کی نظروں میں ذلیل و خوار
ہوجاؤنگا اور خار کی طرح چبھوں گا۔ خود افتخار کا کیا حال ہوگا جس کے
لئے میں اس شعر کا مصداق بنا ہوا تھا ؎

مر چکے ہوتے غم ہجر میں کبھی اب تک + اسکے ملنے کی تمنا نے جلا رکھا تھا

و اسے اب اسکا ملنا مجھے بار خاطر معلوم ہوتا ہے عجب قدرت باری کے
کرشمے ہیں"

احمد بیگ: "اب نشتر یا خنجر تمہارے دشمنوں کو لگے بغیر انقطاع نسبت گزیر
نہیں ہے۔ اگر نسبت برقرار رکھتے ہو تو ان خرابیوں کا سامنا ہے۔ دیکھو
بیاہ کر بیاہ لانے کے بعد طلاق دینا تو خلاف انسانیت و شرافت ہے
ممالک اسلامیہ ایران و عربستان وغیرہ میں طلاق و خلع تو دال بھات کا نوالہ
ہے مگر اس ملک کا رواج اور ہے۔ گو ممالک اسلامیہ میں طلاق و خلع
شرع شریف کے احکام کی پابندی کے ساتھ عمل میں آتا ہے مگر کسی چیز کی
افراط و تفریط بری ہوتی ہے جو خیال حد سے بڑھا ہوا ہو جس طرح
ضرورت سے زیادہ کثرت کسی چیز کی ہو بری ہوتی ہے اسی طرح قلت بھی

خراب ہے خیر الامور اوسطہا ٹھیک ہے ہند مین ویسی ہی قلت ہے جیسی
ایران وغیرہ میں کثرت ہے ہند میں بلحاظ محل وموقع بھی طلاق نہیں دیتے
ہیں۔ مطلقہ عورت کو کلنگ کا ٹیکا لگ جاتا ہے پھر کوئی اس سے نکاح
نہیں کرتا۔ ممکن ہے کہ مطلقہ عورت کی نسبت بد کرداری کا خیال ہو مگر غضب تو
یہ ہے کہ جسکے شوہر کی موت بحکم خدا ہوئی اور جس میں عورت کا کوئی قصور
نہیں بیوہ سے بھی کوئی نکاح نہیں کرتا اور نہ بیوہ کے ماں باپ یا ولی دوسرا
نکاح کر دینا پسند کرتے ہیں بعض اوقات جلوہ کی شب کی اور چوتھی کی لہنڈین
رانڈ ہوگئی ہیں مگر کمبختوں کو تمام عمر جلا کر مار ڈالتے ہیں اور اسپر فخر کرتے
ہیں کبھی کبھی اسکا نتیجہ نہایت خراب بھی ہوتا ہے جس طرح مرد کو نفس ہے
عورت کو بھی ہے جوانی دیوانی مشہور ہے تاب ضبط وجبر نفس ہر عورت
سے ممکن نہین ہے ان چیزوں کی اصلاح کی جانب کسی کو خیال بھی نہیں
آتا ہے۔

مختصر یہ کہ طلاق اس ملک میں بہت بدنما ومعیوب ہے اور یہ بھی ممکن
نہیں کہ اس کی موجودگی میں کوئی دوسری حسین عورت سے جو تمہارے
مذاق کے موافق ہو نکاح کرو کیونکہ تمہارے اصول کے خلاف ہے
بقول تمہارے کہ دو عورتوں کا مرد تھالی کا بیگن کبھی ادہر لڑہکتا کبھی ادہر
لڑہکتا یا دھوبی کا کتا گہر کا نہ گہاٹ کا دونوں کی نگاہوں میں چھوٹا اور
بے اعتبار یہ سمجھتی ہے اسکو چاہتا ہے وہ سمجھتی ہے میرا مرد اسکو چاہتا ہے
کسی طرح سے لطف زندگی نہیں بقول تمہارے ایک ہی جورو ہو اور زن

اور میں اس شعر کے مصداق ہوں ؎

من تن شدم تو جان شدی من جان شدم تو تن شدی ٭ تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

درحالیکہ اسکی صورت تمھیں پسند نہیں ہے تو نباہ کی کیا شکل ہوگی اور ازدواجی زندگی کا لطف حقیقی کیونکر قایم رہیگا علاوہ ازیں ایک کریہہ منظر عورت کو اپنے گھر اور دلکی مالک و ملکہ کیونکر بناؤگے جبکہ تمھارے پہلو میں بیٹھے گی تو یہ معلوم ہوگا چاند میں گہن لگا ہے میں خوشامد سے نہیں کہتا ہوں اور مجھے اسکی ضرورت کیا ہے چشم بد دور عورتیں تو ایکطرف مرد بھی انگاہیں اب بھی تمپر شوق و محبت سے پڑتی ہیں۔ لندن میں جب تم پارٹیوں اور جلسوں میں جاتے تھے تو میں نے اکثر عورتوں کو تمھاری طرف گھورتے ہوئے دیکھا اور انسے تمھاری خوبصورتی کا ذکر کرتے ہوئے سنا تمھارا جوڑا بھی زیب دہندہ ہونا چاہئے۔ قطع نظر ان باتوں کے جب تمکو یہ خیال آجائیگا کہ اس عورت نے میرے ساتھ چال کی اور دھوکہ دیکر شادی کی تو اس وقت تمھارے دل کا کیا حال ہوگا۔ تم خود ہی ان باتوں پر غور کرو۔ نسبت کا قطع کرنا کوئی انوکھی اور بدنما بات نہیں ہے برائیں دروازے تک آآکر پھر گئی ہیں اب بھی کچھ نہیں گیا ہے سوا اسکے کہ چند روزہ تکلیف روحانی تو ضرور ہوگی مگر ایسا نہو خدا نکرے کہ تمام عمر دست تاسف ملنا پڑے اور یہ کہنا پڑے ہائے اب کیا ہوگا چڑیا چگ گئی کھیت"۔

نمازی الدین کی یہ تقریر سنکر فرح کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو ٹپک پڑے اور تھوڑی دیر تک خاموش رہکر یوں گویا ہوا۔

فرخ - تمہارا خیال بہت صحیح ہے - میری حالت اس وقت ایسے مریض کی ہے جو دماغی عارضہ میں مبتلا ہے اس لئے میری رائے قابل [illegible] نہیں ہے میں عجیب گردشوں میں مبتلا ہوں - کل نہیں [illegible] کسی [illegible] اُس افتخار کو جس کا میں دل و جان سے شیدائی [illegible] تھا [illegible] وہ بلا تکلف و بلا زحمت مزید مجھکو مل رہی ہے میں خود کنارہ کشی کر [illegible] بات ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ بلا وجہ [illegible] سود و سال کامل دنیا بھر کی کاہشوں میں اپنے تئیں خود مبتلا کر [illegible] تم قانون دان آدمی ہو ایسا پہلو نکالو کہ [illegible]

احمد - بھائی جان قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے ؎

تدبیر کرو لاکھ پہ کچھ ہو نہیں سکتا + قسمت میں جو لکھا ہے کبھی وہ نہیں مٹتا

افتخار کی تقدیر میں تمہاری بیوی بننے کا فخر لکھا نہ تھا بلکہ وہ کوئی اور ہستی ہوگی جسکو تمہاری بیوی ہونیکا شرف حاصل ہوگا - تمہاری قسمت میں بقول تمہارے بے سود دو سال پریشانی لکھی تھی ؎

دو شے می کشد آدمی را بزور + یکے آب و دانہ دگر خاک گور

اور حیدرآباد کا آب و دانہ بھی تمہارے اور ہمارے مقسوم میں تھا حیلہ روزی بہانہ موت روزی کے لئے حیلہ چاہئے پس یہ سمجھ لو کہ یہ معاملہ یہاں کی روزی کے لئے ایک حیلہ روز ازل میں مقرر کیا گیا تھا وہ کیونکر ٹلتا ؎

ہمنے افلاک کو سو رنگ بدلتے دیکھا + اپنی قسمت کے نوشتہ کو نہ ٹلتے دیکھا

تعلق نسبت کے لئے حیلہ وحوالہ کی ضرورت نہیں صاف کہدو کہ جب پیغام بھیجا
تھا اسی زمانہ میں اگر عقد نکاح کر دیا جاتا تو میں خوشی سے کرتا سال بھر تک انتظار
نہیں کروں بیٹھ سکتا تھا دوسری جگہ نسبت ٹھہر گئی ہے اسلئے معذور ہوں"۔

نسیم ۔ اچھا تو یہی کرتا ہوں"۔

احمد ۔ اچھا صاحب مجھے اسوقت یاد آیا اب بھی تم تعلیم نسواں کے قائل اور
حامی ہو یا کچھ خیال پلٹا ۔ اگر فہمیدہ پڑھی لکھی نہ ہوتی تو تم سے نامہ و پیغام کس طرح
کرتی اور اس صورت میں تمکو بلا وجہ یہ زحمتیں نہ اٹھانی پڑتیں"۔

فرخ ۔ (ذرا متبسم ہوکر) "واہ کیا کہنا کیا خوب موقع ہاتھ آیا ہے
بھلا تعلیم نسواں کا تعلق اس معاملہ سے کیا ہے جسنے خواص انسانی واقتضائے
فطرت بشری کا بغور مطالعہ کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ عاشقی یا عشق بازی
علم یا جہالت پر منحصر نہیں ہے یہ تو قدرتی جذبات میں داخل ہے تھوڑا بہت یہ
مادہ ہر ذی روح میں موجود ہے حیوان مطلق بھی اس سے خالی نہیں ہے
یہی مادہ اگر معرفت خدا کیجانب منتقل ہوجائے تو ولی کامل انسان کو کر دیتا ہے
میں اس کے نکات سے اگر بحث کروں تو طوالت کا اندیشہ ہے بہرحال اسکو علم
یا جہالت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے بلحاظ عشق حقیقی ہزاروں بندگان خدا ایسے
ہیں باوجودیکہ جاہل محض تھے مگر ولی اللہ ہوئے ہیں اور بلحاظ عشق مجازی لاکھوں
ایسے گذر گئے باوجودیکہ جاہل محض تھے اسکے مارے مرے ۔ علم ایک ایسی چیز ہے کہ
عشق کے جذبات کو بری طرح سے نمایاں و آشکارا ہونے نہیں دیتا عشق حقیقی
میں بہت سے علما مجذوب ہونے نہیں پاتے اور عالم سالک ہوتے ہیں اسیطرح سے عشق

مجازی میں جاہل عورتوں کے کارنامے نہایت بدنما ہیں۔ جاہل عورت اس نا
میں پس وپیش کا خیال نہیں کرتی ننگ وناموس ملحوظ نہیں رکھتی ضبط سے
کام نہیں لیتی دامن صبر ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے برعکس اسکے پڑھی لکھی عورت
اپنے نہیں رُکنے والے جذبات پر کسی حد تک قدرت رکھتی ہے بقول شخصی
عیب کردن راہنر باید تو عیب بھی بوجہ علم و ہنر کے ہنر کے ساتھ کرتی ہے
ایک ادنے سی مثال تمہیں دیتا ہوں۔ ایک خط میں مینے کنا ہتہً اسکے دیکھنے اور
ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی یہ علم ہی کا سبب تھا کہ افتخار نے صاف انکار
کیا مینے تمسے جسکا ذکر بھی کیا تھا اگر کوئی جاہل عورت ہوتی تو فوراً راضی ہوجاتی
یہ جو کچھ زحمتیں مینے اوٹھائیں وہ بقول تمہارے مقدر ہیں لکھی تہیں وظاہر
سبب جنکا ہند کا کمبخت رواجی پردہ ہے۔ حیدرآباد جب میں آیا تھا اگر دیکھنے کا
موقع ملتا تو نہ پیغام بھیجتا نہ نسبت مقرر ہوتی اور الٹے پاؤں کلکتہ واپس چلا جاتا
یہ جو تمنے کہا کہ کوئی اور مہ جبین میری قسمت میں لکھی ہے میں نہیں سمجھتا کہ تمہارا
یہ خیال صحیح ہے بقول عورتوں کے بخشو بی بی بلی میرا طوطا لنڈورا ہو کر جئیگا۔
مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دو اس بارہ میں مینے دو دفعہ اپنی قسمت آزما دیکھی معلوم
ہوگیا کہ متاہل زندگی میرے مقسوم میں نہیں ہے اب شادی کے نام کو
میرا دور ہی سے سلام ہے تنہا دنیا میں آیا اور تنہا ہی جاؤنگا یہی دنیا میں
جو چند روز رہنا ہے تنہائی کے ساتھ کیوں نہ بسر کروں۔
احمد ۔ تمہارا دل اسوقت بھرا ہوا ہے۔ شادی کے نام سے جو تمہیں تنفر ہوگیا
ہے وہ ایک عارضی خیال ہے انشاءاللہ شادی تمہاری ہوگی اور حسب منشا

بیوی بیگم - یہ غضب کیا۔ تمنے اسوقت کہا کہ میری زحمتوں کا سبب پردہ ہے
پردہ پاک و شرعی چیز ہے وہ ہرگز واہیات اور تکلیف دہ امور کا باعث نہیں ہو سکتا
یہ صرف اتفاق کی تعلیم یافتگی کا سبب تھا جو ایذائیں تمنے جھیلیں اس لیے
میرا ہمیشہ سے خیال ہے کہ عورتوں کو کبھی پڑھانا نہیں چاہیے بس قرآن شریف
پڑھا دینا کافی ہے۔

شوہر - تمہارا یورپ جاکر واپس آنا اس شعر کا مصداق ہے ؎

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود ۔ چو باز آید ہنوز خر باشد

معقولی خیال کو قطع نظر کر کے منقولی خیال کے لحاظ سے بھی تمنے جو کچھ کہا
صحیح نہیں ہے تعلیم ہی شرعی چیز ہے اور ہند کا پردہ مروجہ ہرگز شرعی اور
حکم خدا کے موافق نہیں ہے۔ اپنے اس دعوے کو دلایل و براہین سے ثابت
کر کے تمہیں قایل نہ کر دوں تو جب ہی کہنا۔ اس سے تو کسیکو انکار نہیں ہو سکتا کہ
علم اعلےٰ ترین نعمت باری تعالیٰ کی ہے۔ علم ہی کی بدولت اشرف المخلوقات ہونیکا
شرف انسان حاصل کر سکتا ہے اور اپنے میں اعلیٰ صفات پیدا کر سکتا ہے۔
علم ہی کی بدولت حوصلے بلند اور خیالات وسیع ہوتے ہیں۔ امریکہ و یورپ
میں جو روز افزوں ترقیاں ہو رہی ہیں نئی نئی مشینیں انواع و اقسام کے
خوشنما و نفیس چرمی سامان شیشے کے ظروف عجیب و غریب حربے و ہتیار
خوش وضع و خوبصورت اقسام کے فرنیچر غرض ہزارہا اقسام کی ایجادیں جو ان
ممالک میں ہو رہی ہیں فولادی اور چرمی اشیا جواہرات کے دامون جو ملتی
ہیں یہ سب علم ہی کا طفیل ہے عقل دنگ کرنے والے سائنس کے کرشمے علم ہی کی

ظہور میں آرہے ہیں - علم ہی کی بدولت صرف دنیاوی ہی نہیں بلکہ دینی ترقی
بھی انسان کرتا ہے - اتمام اُسکے حقوق و فرایض سے واقف ہونا اور اُسپر عمل کرنا علم
سکھاتا ہے - موٹی سی موٹی سمجھ کا آدمی بھی علم کو مفید اور ضروری چیز سمجھتا ہے
پھر جو چیز کہ مفید ہے مضر کیوں کر ہو سکتی ہے علم کے مفید ہونیکی سب سے اول
سے بڑی صحیح دلیل یہ ہے کہ علم کی تعریف اس حدیث نبوی سے ظاہر
ہوتی ہے اُطلبُ العلمَ ولو کانَ بالصّینِ سے
واقف ہے جو ہدایت لوکان بالصین سے ہے وہ ساکنان عرب کو تو سلے علم چین سے
اس جگہ نیت کسی صنف کسی فرقہ یا کسی گروہ کی نہیں ہے - یہ حکم عورت و مرد
کے لئے یکساں ہے قوم مرد و عورت دونو سے ملکر بنتی ہے جس قوم کے
دونو صنف تعلیم یافتہ ہیں وہی قوم مہذب و ترقی یافتہ ہے - مرد اگر اس قدر
علم حاصل کریں کہ آسمان کے تارے بھی توڑ لائیں اور عورتیں جاہل رہیں تو
کبھی کوئی قوم سدھر نہیں سکتی - یورپ و امریکہ کی ترقی کا راز بڑا سبب یہی ہے
کہ دونو صنف لایق و قابل ہیں - ایک شخص کی دونو آنکھیں روشن ہیں اور
ایک شخص کانا ایک چشمی ہے ان دونو کی بینائی و بصارت کی ایک حالت
نہیں ہو سکتی - ایک گھر میں زن و مرد دونو لایق و قابل ہیں اور ایک گھر میں
مرد تو لایق و روشن خیال ہے اور عورت جاہل پھوہڑ - ان دونوں گھر کا
تنظیم و سلیقہ وغیرہ ہرگز یکساں نہیں ہو سکتا - عورت کے لایق ہونیسے
علاوہ خانہ داری کے انتظام کے مرد کو بھی امداد اُسکے معاملات میں ملتی
ہے - یہانتک تو میری بحث تعلیمی تھی اب تخصیصی بحث متعلق باسلام شروع

دنیا میں جتنے مذاہب ہیں سب سے بڑھکر معقولیت کا جامہ اسلام کے زیب
تن ہے اقتضاء خواص فطرت انسانی کا لحاظ جسقدر اسلام کو ہے اور کسی
مذہب کو نہیں ہے۔ رسالت مآب صلعم کا جنہوں نے اسلام کو دنیا میں
شایع کیا انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں جو فعل ہے معقولیت سے
مملو ہے اسلئے قابل تقلید و بہترین نمونہ ہے اسلام کے خدا کی تعریف ہے
کہ وہ حکیم ہے یعنی سب سے بڑا فلسفہ داں ہے پس اس کا کوئی فعل
خالی از حکمت نہیں ہے۔ چونکہ اسلام معقولیت پسند ہے اس لئے اسنے
پہلا اصول **کل مسلم اخوۃ** قایم کیا۔ اسلام نے تیرہ سو سال قبل
جو سبق مساوات کا ہمکو دیا تھا وہ امریکہ و یورپ میں اب جمہوریت پسند
اشخاص قابل قدر سمجھتے ہیں۔ تمدن و معاشرت کے ہر شعبے میں مساوات
کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ اسیواسطے عورتوں کے اور مردوں کے
حقوق تقریباً برابر ہیں قبل اشاعت اسلام لڑکی کی پیدائش ہندوستان میں
ایک امر باعث ننگ سمجھا جاتا تھا اور جس طرح ہندو لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے
عرب بھی زمانہ جاہلیت سے اکثر لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے۔ مہر عورت کا
اسکے باپ کا حق سمجھا جاتا اسلام نے مہر کا صرف مالک ہی عورت کو نہیں بنایا
بلکہ مورث کا ترکہ بھی جائداد منقولہ و غیر منقولہ میں دلایا لڑکے سے کم لڑکی اسلئے
پاتی ہے کہ اسکو شوہر کی جائداد ملتی ہے زر مہر ملتا ہے برعکس جس کے عیسائی لڑکی
کو لڑکے کی موجودگی میں غیر منقولہ جائداد کے پانے کا حق نہیں اور ہندو لڑکی
کو تو نہ منقولہ نہ غیر منقولہ جائداد پانیکا استحقاق ہے۔ عیسائیون کا عقیدہ ہے

کہ ہر انسان گنہگار پیدا ہوتا ہے جس کا باعث عورت ہوئی جس نے حضرت آدم کو بہشت سے نکلوایا۔

برعکس اسکے اسلام کے خیال میں ہر شخص بے گناہ پیدا ہوتا ہے اور اپنی بدکرداری کی وجہ سے گنہگار ہو جاتا ہے اور عورت کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ ان کے قدموں کے نیچے بہشت ہے علاوہ ازیں خیرکم خیرکم لنسائکم یعنی نیک وہ ہے جو عورتوں کے ساتھ نیک ہے اسی سے خیال کرو کہ اسلام نے عورت کو کیا مرتبہ دے رکھا ہے۔

انگلستان میں ۱۸۷۲ء میں منکوحہ عورتوں کی جائداد کی حفاظت کا قانون نافذ ہوا اس سے پیشتر تو جو کچھ جائداد لڑکی کا باپ دیتا تھا وہ شوہر کی ہو جاتی تھی عورت کسی قسم کی جائداد کی مالک ہو نہیں سکتی تھی نہ کسی قسم کا معاہدہ کر سکتی تھی حتے کہ متضرر ہونے پر فوجداری میں استغاثہ خود نہیں کر سکتی تھی بلکہ منجانب شوہر دائر ہوتا تھا غرض عورت کی کوئی شخصیت ہی نہیں تھی برعکس جس کے مسلمان عورت ہر قسم کی جائداد کی خود مالک تھی اور ہے ہر قسم کا معاہدہ کر سکتی ہے بیع و شرا کر سکتی ہے مختصر یہ ہے کہ جو منزلت و بزرگی و قدرت اسلام نے عورت کو دی ہے کسی مذہب نے نہیں دی جسکا باعث خیال اسلام [illegible] ایسی حالت میں مسلمان عورت تعلیم سے کیونکر روکی جا سکتی ہے [illegible] نے کہا اُطلبُ العِلمَ وَلَوکانَ بِالصِّین۔ مرد اور عورت [illegible] لیے تاکید فرمائی گئی ہے قطع نظر اسکے اس حدیث کے ذریعہ سے تاکید کی گئی ہے طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ عَلیٰ کُلِّ مُسلِمٍ وَّمُسلِمَۃٍ [illegible]

مسلمان مرد و عورت دونوں کا فرض تحصیل علم ہے اگر ایسا نہوتا تو ایران و عرب
میں بے گنتی عورتیں عالمہ و فاضلہ نہ ہوتیں امام حافظ ابن عساکر مورخ دمشق نے
جن استادوں سے علم و حدیث حاصل کیا تھا ان میں سے اسی سے زیادہ عورتیں
تھیں۔ اسلام کے مشہور محدث امام ابن جوزی کی تعلیم کا ذریعہ انکی پھوپی تھیں
علاوہ ایرانی و عرب کے اندلس میں بھی کیسی کیسی قابل و لائق محدثہ و فقیہ
عورتیں گزری ہیں شاعری و خطاطی و علم طب میں بے گنتی عورتیں مشہور
و معروف تھیں جنکے تذکرے کتب سیر مالا مال ہے۔ اسلام نے علم کا دروازہ
عورتوں کے لئے ہرگز بند نہیں کیا ہے جب ہمکو شامت اعمال و ادبار نے
گھیرا تو یہ بھی مغالطہ ہمکو دیا کہ عورتیں علم حاصل کرنے سے بے عصمت ہوجاتی
ہیں اسلئے انکو جاہل رکھو علم میں اگر ایسا زہر ملا مادّہ ہے تو اسکے اثر سے جو
مرد علم حاصل کرتے ہیں یا آئندہ حاصل کریں وہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہ صرف
مردوں کی من گھڑت ہے جس کا سبب خود غرضی ہے۔ عورتوں کو جاہل و نامعقول
رکھنا اسلئے پسند کرتے ہیں کہ وہ بیچاریاں اپنے حقوق سے ناواقف رہیں
اور جو مظالم اونپر ہوں شہد کے گھونٹ کی طرح پی جائیں اور منہ سے اف
نکریں میری اس تقریر سے بہتر روشن ہو گیا ہو گا کہ تعلیم نسوان شرعی فعل ہے
اور عورتوں کے لئے ہرگز مضر نہیں ہے بلکہ جس طرح مردوں کے لئے ضروری و
مفید ہے عورتوں کے لئے بھی سودمند ہے کوئی فعل قبیح کسی لکھی پڑھی
عورت سے اگر سرزد ہو تو وہ اوسکے نفس یا صحبت کا قصور ہے تعلیم سے
کو تعلق اور لگاؤ نہیں ہے بلکہ ایسی عورت کو اگر تعلیم نہوتی تو اس سے بڑھکر

افعال قبیحہ کی مرتکب ہوتی - ہند کا پردہ مروجہ جسکو تم شرعی فعل سمجھے ہوئے
ہو اسکی حقیقت سنو - عورتوں کے لئے پردہ کے متعلق جو حکم نص قرآنی
سے ثابت ہے اس سے زیادہ نہیں ہے وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ
مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کو
کہ اپنی آنکھیں بند کریں اور اپنی حفاظت کریں جس کا اصل منشا زیبائش کی
چیزیں چھپانا - مردوں کے لئے بھی اسی طرح کا حکم ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا یعنے کہو مسلمان مردوں سے
اپنی آنکھیں بند کریں اور اپنی محافظت کریں آنکھیں بند رکھنے سے غرض صرف
اسیقدر ہے کہ بدنیتی سے نظر غیر محرم پر نہ ڈالے خواہ مرد ہو یا عورت اس سے
ظاہر ہوا کہ مرد و عورت دونوں کے لئے یکساں حکم ہے ہمنے کہا نہ کہ اسلام
ہر بات میں مساوات ملحوظ رکھتا ہے - رسالت مآب صلعم کے زمانہ میں اور انکے
بعد بھی ایک عرصہ دراز تک مطلق پردہ نہ تھا عورتین مستقل مزاج جری عالی حوصلہ
بلند خیال عالم فاضلہ تندرست ہوا کرتی تہیں جن کے برعکس مغربی عورتیں
یعنے یورپین مستورات ظلمت و جہالت و ذلت میں پڑی تہیں مگر اب گنگا
اُلٹی بہ رہی ہے - ہارون رشید کے زمانہ تک عورتوں کے چہرے
اور ہاتھ پاؤں کھلے رہتے تھے کیونکہ حکم خدا ان چیزوں کے چھپانے کے
متعلق نہیں ہے قرون وسطے میں عورتوں کے ساتھ سختی شروع ہوئی تھی
اُنکے اخلاق بھی روبانحطاط ہوگئے سختی بدگمانی پیدا کرتی ہے اور یہ قاعدہ
ہے کہ جس سے بدگمانی کی جائے اسمیں نفسانیت پیدا ہو جاتی ہے

بعض طبیعتیں ضدی بھی ہوتی ہیں مثل مشہور ہے راج ہٹ بالک ہٹ اور تریا ہٹ۔ ضد یا ہٹ تقصداً ایسے کام کرواتی ہے کہ اگر بدگمانی نہوتی تو ایسے کام سرزد نہ ہوتے۔

بوجہ بدگمانی کے نقاب و برقع کا رواج ہوا جو ممالک اسلامیہ میں جاری ہے اگر عورتوں کے ساتھہ پردہ کی یہی سختی رہتی جو ہند میں رایج الوقت ہے تو ایران و عرب و اندلس میں لاتعداد ہنرمند و نامور عورتیں نہوتیں عرب کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ فضلا و علما و واعظین کی مجالس میں عورتیں بھی حاضر رہتی تھیں مردوں سے درس لیتی تہیں اور مردوں کو درس دیتی تہیں میدان کارزار میں مجروحوں کی مرہم پٹی کرتی تہیں بسا اوقات شریک پیکار بھی ہوتی تہیں اگر پردہ موجود ہوتا تو یہ باتیں کیونکر ممکن تہیں پردہ خلاف عصمت کوئی کام کرنے اور خیانت کرنے سے روک نہیں سکتا۔ اس تقریر سے میرا مقصد یہ نہ سمجہنا کہ جس طرح یورپ نے آجکل آزادی عورتوں کو دے رکھی ہے اسیطرح مسلمان عورتوں کو بھی دیجاوے یا کھلے بند انہیں چھوڑ دیا جائے تنہا جس صحبت میں یا جہاں چاہیں جائیں۔ میرا مقصد صرف اسقدر ہے کہ ممالک اسلامیہ میں جس طریق اور جن قیود کے ساتھہ عورتوں کی پردہ داری کی جاتی ہے اسی حد تک یہاں بھی ہو تاکہ اشاعت تعلیم نسواں میں اور صحت جسمانی کے قایم رکھنے میں سہولتیں پیدا ہوں اور ہماری قوم کا شمار بھی زندہ اقوام میں ہو۔

احمد ۔ میں سچ کہتا ہوں تمنے تو میری معلومات کی آنکھوں کے پردے

کھولدے بیشک تمہاری رائے بہت صحیح ہے تمنے ناحق ڈاکٹری کی
ڈگری لی تمکو تو بیرسٹر بننا تھا تم میں اللہ نے وہ جامعیت دی ہے
جو ایک لائق بیرسٹر میں لازمی ہے۔ تمہاری معلومات تمہارا اعلیٰ استدلال
تمہاری حاضر جوابی انتقال ذہنی رسائی طبیعت کس کس بات کی تعریف کروں
اللہ میاں تمکو بیوی بھی ایسی عنایت کریں جو نہ صرف وجاہت ظاہری میں تمہارے
مذاق کے موافق ہو بلکہ حسن سیرت میں بھی ایسی ہو کہ تم دونوکا وجود قوم
اور سوسائٹی کے لئے آیۂ رحمت ہو"

فرخ :- اب ایسی دعا نہ دو میں تو عزم بالجزم کر لیا ہے کہ بقیہ [illegible]
زندگی تنہائی کے ساتھ کسی گوشۂ عافیت میں گزار دونگا۔

اب میں کہاں اور خیال ترقی قومی کہاں ع ایں خیال است و محال است و جنوں
اصل یہ ہے کہ خدا کو منظور نہیں ہے کہ مجھسے اسکے بندوں کی خدمت کا
فخر حاصل ہو اب میرا وجود معطل ہے ؎

عشق نے غالب نکما کر دیا + ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے
محیط عشق میں انسان مشت خاک تو کیا + پہاڑ ہوں تو گھل گھل کے کنکری ہو جائے

ہاں یہ تو کہو افتخار شوکت اپنے پھوپا سے قطع نسبت کی خبر سننے کی مجھسے
ضرور دریافت حقیقت و سبب کریگی اسکا جواب کیا دوں"

احمد :- ایک خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے سکوت اختیار کرو خود ہی
لکھتے لکھتے خاموش ہو جائے گی"

فرخ :- اچھا تو ایسا ہی کرتا ہوں اسوقت مجھسے بیٹھا نہیں جاتا اب

اب گھر جاتا ہوں۔ آج کسی وقت جب طبیعت ذرا ٹھہر گئی تو حفیظ الدین خاں کو خط لکھوں گا۔ خدا حافظ۔

فرخ نے گھر آ کر پلنگ کے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ دن کا کھانا بھی نہیں کھایا تیسرے پہر کو حسب مشورۂ احمد حفیظ الدین خاں کو انقطاع نسبت کی نسبت اسنے خط لکھکر بھیجدیا۔

(۱۸)

اٹھارھواں باب

نگار خانۂ عالم کی ہر شئے و ہر حالت کے نقش و نگار میں تبدل و تغیر کا پیدا ہونا قدرت کا ایک اٹل قانون ہے۔ یہ اشعار اسکے شاہد حال ہیں ؎

سدا زمانہ کا کب ایک حال رہتا ہے ✤ کب آفتاب کا یکساں جمال رہتا ہے

جو دیکھو ماہ کو اک شب کمال رہتا ہے ✤ نہ انس و جن کو برسوں جمال رہتا ہے

کسی کو پر نہیں اسکا خیال رہتا ہے
کمال رہتا ہے گاہی زوال رہتا ہے

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا ✤ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

زمین و آسمان ہی ان تغیرات کے مناظر نہیں ہیں بلکہ دنیا کی ہر شئے میں ہر وقت انقلاب ہی انقلاب ہے بعض انقلابات جلد محسوس ہوتے ہیں بعض دیر میں

محسوس ہوتے ہیں طبایع اور حالتیں بھی اس سے خالی نہیں ہیں سانسان کے
مزاجون اور حالتوں میں بھی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان تبدیلیوں کے
ساتھہ اسکے خیالات و عادات و خصائل میں فرق آجاتا ہے حتیٰ کہ خصائل
و عادات بدل جاتے ہیں۔ فرخ گو خلقاً دانشمند یگانہ۔ اور بلحاظ اکتساب
کمالات عالم فرزانہ ہے مگر وہ بھی انسان ہے۔ حفیظ الدین خاں کو
انقطاع نسبت کے متعلق خط لکھنے کے بعد فرخ کی دماغی و جسمانی
صحت کچھ دنون متاثر رہی۔ وہ بالکل تنہائی پسند ہو گیا تھا انسان کی صحبت
اُسے کاٹے کھاتی تھی اسکی یہ حالت دیکھکر اسکے چند حیدرآبادی جناب
جنکو فرخ سے ربط خاص ہو گیا تھا بہت خایف و متردد ہو گئے تھے
ان لوگون نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ فرخ کی دلبستگی و تفریح کے
اسباب ضرور پیدا کرنا چاہئیں ورنہ ایک بیش بہا جان کے تلف
ہونیکا قوی اندیشہ ہے اس مشورہ میں غازی الدین نے بھی حصہ لیا تھا
اسلئے یہ حضرات کبھی کسی باغ میں بتقریب پکنک کبھی پرندوں کے شکار کی
غرض سے حیدرآباد کے اطراف و اکناف کے دیہاتوں میں فرخ کو
زبردستی لیجانے لگے کبھی اپنے گھروں میں رقص و سرود کے جلسے
اور محفلین کرکے فرخ کو شریک ہونے پر مجبور کرنے لگے چونکہ
یہ حضرات مئیخواری کو داخل فیشن سمجھے ہوئے تھے اسلئے ان
جلسوں میں دختر رز کی چسک اور اسکا گزک اجزائے لاینفک تھے
مثل مشہور ہے انسان کا شیطان انسان ہوتا ہے ان نادان

دوستوں نے نسخ کو آخر بادہ خوار بنا کر چھوڑا ابتدا ٔ گی صحبتوں میں
نسخ کا اجتناب وانکار کار گر ہوا مگر رفتہ رفتہ اسکی جھجک اور جھک
انسام کی ترغیبوں اور مختلف پہلوؤں سے مٹائی گئی غم غلط کرنیکے لئے
اور محبت جسمانی برقرار رکھنے کے حیلہ سے شراب شروع کروائی گئی
پہلے تو دوا استعمال کرنا نسخ نے منظور کیا پھر تو چسکا لگا بقول غالب
چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی ۔ چند دنوں میں عادی ہو گیا۔ اس
میں شک نہیں جبتک اسکا پینے والا اسپر غالب رہتا ہے اور ایک
معمولی مقدار میں دوا استعمال کرتا ہے تو یہ اچھے نتایج پیدا کرتی ہے
مگر جہاں طبعی کمزوریوں کی یا اور کسی وجہ سے پینے والا اسکے قابو میں
آگیا تو بہت برے نتایج ظہور میں آتے ہیں یہ امر یورپ کے ملکوں
میں اچھی طرح متحقق ہوا ہے کہ جن لوگوں نے شراب کا استعمال
بطریق دوا کیا اور مضبوطی سے عہد کیا کہ مقدار معینہ سے ہرگز تجاوز
نکرینگے مگر فیصدی ایک آدمی اسپر قادر رہا کہ مقدار معینہ سے تجاوز
نہ ہونے دیا ورنہ فیصدی ننانوے اشخاص اس ظالم کے چنگل
میں ایسے پھنسے کہ آخر انکا طایر روح اسی موذی کا شکار ہوا لطف
یہ ہے کہ نسخ بھی اسکی برائیوں سے ناواقف نہ تھا ایکدن وہ تھا کہ
یہ دوسروں کو نصیحت کرتا تھا ایک دن یہ ہے کہ اپنی فضیحت کا آپ
باعث ہو رہا ہے خدا نکرے کہ کوئی بری صحبت کے پالے پڑے
۲ الصحبۃ تاثیر صحبت کی تاثیر اور تخم کا اثر ضرور ہوتا ہے ۔ فرخ کی

صحبت والوں نے فرخ کی ساری تحقیقات و معتقدات کو خاک میں ملا دیا شراب کیفیت
ام الخبائث ہے شراب کے ساتھ اسکے اور لوازمے بھی مہیا ہونے لگے بازاری حسن فروشوں کے
بھی جمگھٹے رہنے لگے فرخ کے ہم جلیسوں کے ہاں تو جلسے اب کبھی کبھار
ہوتے ہیں خود فرخ کے ہاں شام ہوتے ہی یاران طریقت جمع
ہو جاتے ہیں صبو آرو خم آرو خمخانہ آر کی آوازوں اور طبلہ کی تھاپوں سے
مکان گونجنے لگتا ہے۔ شام ہوتے ہی کشتیاں شراب کے کنٹروں اور
گلاسوں اور سوڈا واٹر کی بوتلوں کی اور مختلف اقسام کے گزک کی
سامنے لا رکھدی جاتی ہیں کبھی کسی کسبن کا طائفہ [illegible] کے لئے
بلا لیا جاتا ہے ورنہ ہم نشینوں میں سے کوئی گاتا کوئی ہارمونیم کوئی
طبلہ کوئی ستار بجاتا چونکہ فرخ کو موسیقی میں اچھا خاصہ دخل ہے
خود بھی کبھی گاتا بجاتا ہے۔ چونکہ فرخ کو ہمیشہ سے خیال تحفظ [illegible]
وذمی و عالیخاندانی ملحوظ رہتا ہے اسلئے اس رنگ میں بھی معمولی درجہ
اشخاص اسکی صحبت کے گرد پھٹکنے نہیں پاتے تھے [illegible] اس رنگ میں
میں مبتلا ہوئے پانچ ہی چھ مہینے ہوئے تھے کہ ماگھ کا مہینا آگیا بسنت کے
جلسہ کی تیاریاں ہفتہ عشرہ قبل ہی سے شروع ہوگئیں۔ ایک بڑا کمرہ
بسنتی رنگوایا گیا فرش کے لئے چاندنی بھی بسنتی رنگوائی گئی شیشہ و آلات
بھی بسنتی خریدے گئے اپنا جوڑا بھی بسنتی تیار کروایا کلیودار خوش وضع
اطلس کی شیروانی سلوائی بسنتی رنگ کے چینا پوت کا [illegible]
سر کے لئے خریدا دستار بھی ریشمی بسنتی رنگ کا [illegible]

ایرن سیف سے نکال کر اپنے کیش بوکس میں رکھ لیں شاگرد پیشون کی وردیاں بھی بسنتی رنگ کے بانات کی بنوائیں۔ ایک نئے طایفہ کے ورود و نزول کی خبر جب اسکو معلوم ہوئی تو قبل از قبل بیڑا بھیجدیا تاکہ کہیں اور نہ اسدن کے لئے مقرر کر لیا جائے لتنے میں بسنت پنچمی آگئی ہفتہ بھر قبل سے جن باتوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں وہ سب آج ظہور میں آئیں۔ حسب قرار داد احباب بھی بسنتی پوشاکیں زیب تن کئے ہوئے یکے بعد دیگرے تیسرے پہر سے آنا شروع ہوئے فرخ مرزا بھی نکھر سنور کر بڑے ٹھٹے سے سرگرم خاطر و مدارات احباب ہے جب شام ہوئی تمام روشنی کر دی گئی سارا مکان اندر سے باہر تک جگمگا گیا خصوصاً اس بڑے ہال کا جسکو بسنتی رنگوایا ہے جس میں فرش و فروش شیشا و آلات جھاڑ دیوارگیریاں سب بسنتی ہیں کچھ عجیب سما ہے جس میں اہل جلسہ اور انکے خدمتگار بھی بسنتی پوشش ہیں۔ بسنت کا قدرتی منظر و اثر تو اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے ؎

گیندا کھلا ہے باغ میں میدان میں سرسوں + صحرا وہ بسنتی ہے یہ گلزار بسنتی

اور اسکے صنعتی اثر سے فرخ کا سارا گھر اور در و دیوار بسنتی۔ نو وارد طایفہ جو پہلے سے مقرر کر لیا گیا تھا اسکو بھی فرخ نے کہلا بھیجا تھا کہ بسنتی لباس میں آئے اسکی صورت اور گانیکا بہت کچھ چرچا ارباب نشاط اور اور شہر کے اوباش صفت نوجوانوں میں ہو چکا ہے فرخ کو بھی اس کا اشتیاق دامنگیر ہے۔ شام ہوتے ہی حسب معمول شراب کی کشتیاں

لاکر کھدی گئیں اور دور چلنا شروع ہو گئے۔ شریک جلسہ علاوہ فرخ کے اور پانچ نوجوان ہیں۔ مسٹر نمازی الدین احمد بیرسٹرایٹ لا۔ بابو دوارکا پرشاد ام۔اے۔ایل ایل۔بی۔ نواب دلدار علیخاں۔ راجہ بھگوان داس ڈاکٹر سیف الدین۔ام۔بی۔سی ام۔ آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

ڈاکٹر سیف الدین (فرخ سے) یہ تو کھو شامپین کپ بھی تمنے تیار کروایا ہے؟

فرخ "ابھی دریافت کرتا ہوں"۔ (ہڈ بٹلر کو بلا کر) "انیتھونی شامپین کپ تیار کیا گیا ہے"؟

اینتھونی۔ (دست بستہ ہوکر) "ہنیں خداوند۔ کلیرٹ کپ کے لئے حکم ہوا تھا وہ تیار ہے"

فرخ۔ (ہڈ بٹلر یعنے خانساماں سے) "بہت جلد شامپین کپ بھی تیار کرو اور دو بوتلیں شامپین کی سلر سے نکال لو"

دوارکا پرشاد۔ (ایک بڑا سا گھونٹ پیکر۔ گلاس ہاتھ میں لیکر) "فرخ تم ابتک کانگرس میں کیوں نہ شریک ہوئے حالانکہ بارہ سال گویا ایک جگ کانگرس کو قایم ہو کر ہوا تمہارا جیسا روشن خیال آدمی اور ہمدرد ملک و قوم اور جہانتک مجھے معلوم ہے مذہبی تعصب بھی جسے چھو نہیں گیا ہے تعجب ہے کہ کانگرس کی تحریک کے ساتھ دلچسپی نہ لے"۔

فرخ "کانگرس کا پہلا جلسہ بصدارت مسٹر دادابھائی نوروزجی بمبی میں ۱۸۸۵ء میں ہوا تھا اسوقت میں زیر تعلیم تھا۔ طالب العلم کو تحصیل علم کی مشغولیت سے اس قدر فرصت کہاں ملتی ہے کہ دوسری جانب متوجہ

ہو سکے اور وہ حیثیت میری ۱۸۹۴ء تک قایم رہی۔ ڈسمبر ۱۸۹۴ء انگلستان
سے میں واپس آیا۔ آتے ہی عجیب مصیبت میں گرفتار ہوا بقول شخصے
سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ جب سے پبلک لایف شروع کی ہے
جب سے تین سال ہوئے اسی ادھیڑ بن میں ہوں ؎
..... مدرسہ سے اوٹھے عشق کے میکدہ میں جا + جام شراب بیخودی اب تو پیا جو ہو سو ہو
اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ میری عدم شرکت خیال تفریق مذہب نہیں سے ہے
پولیٹکس میں ہندوں کے دوش بدوش مسلمانون کو بھی کام کرنا چاہیے
میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ ہندو و مسلمان مادر ہند کے دو فرزند
ہیں جبتک وہ تندرست رہینگے اور آپس میں ملے جلے رہینگے تو ماں
کا دل بھی خوش رہیگا انکی صحت و سلامتی کا مدار عموماً انکی صحت
و سلامتی پر ہوتا ہے خدا وہ دن لائے کہ آپس کا نفاق دور ہو۔
ملک کی بہبودی اتفاق باہمی پر منحصر ہے۔ پولیٹکس میں دخل
نہ دینے کا سبب بیٹے بھی بیان کر دیا علاوہ اسکے برٹش انڈیا کی
حالت اور ہے دیسی ریاستوں کی حالت اور ہے میں جس ریاست
میں ہوں بہت آرام سے چپکا پڑا ہوں۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں
تم تو کانگرس کے بڑے ہوا خواہ ہو اس بارہ سال سے کانگرس نے
کیا کیا ... اون کے بھائی کو کرن کی نیند سال بہر تک کانگرس بھی لیتا ہے
سال بھر کے بعد تین روز کے لئے بیدار ہوتا ہے پھر سو جاتا ہے۔
نواب دلدار علیخاں۔ ذرا کچھ اور کرو پھول سبک ہوتے ہیں

خدا کے لئے۔ اور باتیں کرو یہی کیا ہے تم لوگوں نے بھی کہاں کا جھگڑا
نکالا ہے یہ وقت ہنسی و مذاق کا ہے یا پولیٹکس بگھارنے کا۔

فرخ۔ (ہنسکر دلدار علیخاں سے) "خطا ہوئی معاف کرو جانے دو غصہ
ناک کی راہ تھوک دو۔ تمہاری معشوقہ ابتک نہیں آئی سات بھی بجگئے۔"

دلدار علیخاں۔ (گیلاس ہاتھ میں لیکر) "اب آتی ہی ہوگی۔ یہ کونسی ہزل ہم
کیا گھنگھور نشہ ہے۔ آنکھوں کے سامنے سرسوں پھولی نظر آتی ہے حالانکہ
یہ صرف چوتھا دور ہے۔"

راجہ بھگوانداس۔ (دلدار علیخاں سے) "معلوم ہوتا ہے تمہیں بسنت کی
خبر ہی نہیں۔ سرسوں تو بسنت ہی میں پھولتی ہے یہ جلسہ بھی تو اُسی کا
طفیل ہے۔"

اتنے میں آدمی نے آنکر خبر دی کہ طایفہ آگیا۔ اس خبر نے ایک برقی
اثر پیدا کیا سارے جلسہ میں ہل چل مچگئی کوئی کھلکھلا کر ہنس پڑا
کسی نے پوچھا کہاں ہے کسی نے کہا جلد بلاؤ۔ فرخ نے اُسی آدمی سے
کہا کہ دفتر کے کمرہ کے برابر جو حجرہ ہے اُس میں ان لوگوں کو بٹھاؤ۔
طایفہ دار سے اور سازندوں سے کہو کہ جلد تیار ہو کر آئیں۔"

ڈاکٹر سیف الدین۔ (باواز بلند) انیتھونی! انیتھونی!!

انیتھونی۔ "صاحب حاضر ہوا۔"

سیف الدین۔ "شامپین کپ تیار ہوچکا ہو تو جلدی لاؤ۔"

انیتھونی۔ ایک بڑے سے ایلکٹر پلیٹڈ جگ میں شامپین کپ

اور چھ شامپین گلاس ایک کشتی میں لگا کر لایا۔"

فرخ - ایتھونی سے مخاطب ہو کر) "گڈ بوائے - ولڈن - یہ کہکر سب گلاس شامپین کپ سے لبریز کر کے آپس میں تقسیم کئے جب سب اہل جلسہ نے اپنا اپنا گلاس پینے کے لئے اوٹھایا تو ڈاکٹر سیف الدین یوں گویا ہوا۔

فرخ ! گڈ اولڈ فرخ ! ! ڈیر اولڈ فرخ - تمہاری صحت و سلامتی کا یہ جام ہے ہم سب امید کرتے ہیں اور باریتعالی کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں ایسے بہت سے بسنت کے جلسے سال بسال ایک عرصہ دراز تک خوشی و خرمی کے ساتھہ تمکو کرنا نصیب ہو - تمہارے دشمن پائمال ہوں تمہارے دوست شاد رہیں اور ہم لوگوں کا آپس کا اتحاد و اخلاص روز بروز بڑھتا جائے اور وہ دن بہت جلد آئے کہ تمہارے جام صحت کی تحریک کرنیکے وقت تمہارے نام کے ساتھ مسز فرخ مرزا کا نام بمسرت دل ضم کیا جائے۔"

بیک زبان سب اہل جلسہ نے گڈ لک ٹو فرخ کہکر ایک ایک گھونٹ پیا - فرخ نے گردن جھکا کر دوستونکا شکریہ ادا کیا۔

اس اثنا میں گانے والا طایفہ آیا فرشی اداب بجالانیکے بعد ناچنا شروع کیا۔

فرخ - (ناچنے والی کو اشارہ سے قریب بلا کر) "سارنگی بجانیوالوں سے کہو کہ جھمر کا لہرا بجائیں" چنانچہ بین میں جو لہرا بج رہا تھا متبدل بہ جھمر کیا گیا۔

فرخ ۔ (دوستوں کو مخاطب کرکے) ”کیا اچھے توڑے لے رہی ہے کنہیا جی کی بانسری ٹیر کرنیکا سروپ دھارن کرنیکے بعد کمگشہ کا سروپ کس خوبصورتی اور صفائی سے بدلا اور بتلایا ہے“

پھر استیم کرنیکے بعد یہ دھرپد شروع کیا۔

استھائی ”بنسی دُھن سون بجائی بنسی الخ **انترہ** باجت سری بندرابنا امنڈ گھمنڈ رہو۔ سوگھن گرجت بادر برسان بنسی الخ۔ رہس رہس برکھت گوپی گہن دامن ومکے نینا رت نار بھوئیں سوہین و نکھان بنسی الخ۔

فرخ ۔ (دوستوں سے) ”دھرپد ایک چارتالی چیز کا گانا بھی مشکل ہے انکا چتے بھی جانا ساتھ ہی خوبصورت ارتھ بھی لگانا آسان کام نہیں ہے۔ واہ وا وا“

یہ خیال شروع کیا۔ **استھائی** ۔ ایری مان جا سنے نا دون گی + ایری مان جانے نہ دونگی۔ اپنے بلم کو انکھیان میں پل پل موند موند راکھون اری ماں جانے نہ دونگی۔

کاری گھٹا بجری جھکے سدا رنگیلے محمد شاہ پیارے بادر برست کھین بوند بوند۔

راجہ بھگوان داس ۔ (دوستوں سے) ”کیا پیارسے ارتھ لگاتے ہیں خیال کو اسنے ٹھمری کردیا۔ غضب کیا۔ گوئیے بھی خیال گاتے ہیں کسقدر بہائیں بہائیں اس رنڈی نے کیا پیارے سر لگائے۔ ساتھ ہی بتلایا کیا خوب مگر خالص ایک راگ کے سر نہیں لگ رہے تھے“

فرخ ۔ ”نہیں ایک راگ نہیں تھا۔ نٹ اور چھایا دو راگنیاں ملی ہوئی تھیں“

یہ پڑھ شروع کیا۔ چمپا بوئی مانڈے انگن۔ ہوں میں تمھاری داسی داری توماراشابان۔ تاسو لاگی جی کا کاج۔ چمپا بوئی۔ الخ۔"

فرخ "واہ واہ واہ۔ کیا لپٹی ہوئی تانیں لی ہیں۔ کھماچ کی راگنی کا بھرم کیا خوب رکھا ہے۔" یہ ٹھمری گائی۔ دیکھی ایسی چیز سگر سندرنار۔ نینو نینو میں کدر من لیت نار سب سکھین مل آئی گیں میں۔ توڑ پھول گوندھن کو ہار۔

پھر ٹھمری گائی۔ جیا وجیا وکا سے ٹھارے ڈارے گلے باہیں۔ گہری رہت نت نینوں سے جیسے چاہیں رسے۔ جو تم ہمکا اتنا چاہت ہو۔ کدر کہت موسے بولو نا ہیں نا ہیں رسے۔" ساری محفل وجد کرنے لگی۔

راجہ بھگوان داس "گانا ایسا بتلانا ایسا سونے پر سہاگہ ہے۔"

ولدار علی خان۔ (راجہ بھگوان داس سے) "صورت کی تعریف نکرو گے؟"

راجہ۔ "اجی وہ تو نمک بر جراحت پاشیدن ہے" یا یہ کہوں **فرخ علی خان** سونکہ خالی مہ جبلائی۔ ولد فرخ ہیں یہ ٹھمری شروع کی "پیا سے سندیسا موری کہیو جاکا گارسے جارے جا۔

استھرہ۔ جب سے گیو موری سدھ نہ لینو رت آئی برکھا کی پیا گھر نا۔ یاد آوت ہیں انکی بتیاں بن دیکھے کل ناپڑت جیا جائے رے پیا سے سندیسا الخ

فرخ "کس قدر قابو سروں پر ہے کافی کی ٹھمری کے بعد ملار کی ٹھمری نے اسقدر رنگ دیا حالانکہ بے موسم کی چیز تھی واقعی اسنے منوا دیا۔"

اسنو میاں فرخ بالکل رشیدہ خطمی ہو گئے انکا دل ایسا پسیجا کہ اسکی محنت سپھل ہو یعنے اسکا کھڑے رہکر ناچکر گانا اور بتلانا انکو گوارا ہوا اور انہوں نے

نے حکم دیا کہ بیٹھ کر گائے۔ چنانچہ وہ آداب بجا لا کر بیٹھ گئی۔ فرخ نے بسنت گانیکی فرمایش کی۔ اس نے بسنت شروع کیا۔

تیرو نیو رنگ جوبن نئی رے بہار ۞ ایک کیاری بسنت کی رے
دوجے بورے آم ڈار ۞ تیجے پپیہا چہچہو کرت ہے دار

حاضرین نے بیک زبان واہ وا سبحان اللہ کی دھوم مچا دی۔ فرخ نے گانے والی سے کہا اور آگے آ جاؤ۔ وہ سلام کر کے آگے جا بیٹھی سازندے بھی آداب بجا لا کر قریب جا بیٹھے۔ دوسرا بسنت شروع کیا۔

نیا نیارے بسنت نئی رے بہار ۞ نئی موری پریت نیارے سنگار
امبوا بورے ٹیسو پھولے ۞ سرسوں گیندا چہا چھائی بہار
مدن جو امنگے بہین متواری ۞ مدہ میں بھری ہیں سبھی نار
ہمایوں پیا آؤ ہری سیجریا ۞ جوبن رس کی لوٹو بہار

راجہ۔ (جھوم جھوم کر آپ ہی آپ) جیسا سنا تھا اس سے زیادہ پایا واللہ اوس سے زیادہ پایا۔ کیا پیارا گلا پایا ہے کوکلا جیسے کوکتی ہو۔ ایسی دانست ایسی بسنت بہار کے کیا سچے سُر لگاتے ہیں واہ وا واہ وا!“

فرخ۔ (راجہ سے) ”میں تم سے حرف بحرف متفق ہوں۔ (رنڈی سے مخاطب ہو کر) تم ضرور تھک گئی ہو ذرا دم لیلو تو پھر گانا“

رنڈی۔ ”بہت خوب۔ میں تھکی تو نہیں ہوں مگر ارشاد کی تعمیل لازم ہے“

غازی الدین۔ ”واقعی بہت دیر سے گا رہی ہیں ذرا نہیں ذرا ستانا اچھا ہے“

(رنڈی سے) ذرا حیدری تلے دم تو لیلو"

رنڈی "میں تو کسی طرح دم لونگی مگر آپکو دم دینا ہوگا"

غازی الدین "میں تو تمہیں دم دیتا ہوں اور دونگا"

رنڈی "یہ کسی اور کو دم دیجیے بندی ایسے بڑھاوے میں نہیں آتی"

راجہ (غازی الدین سے) "یہ تو بڑی حاضر جواب نکلیں کہو کیا تمہارا دم بند کیا ہے"

رنڈی "ابھی کیا گیا ہے میں تو انکا ناک میں دم کر دونگی اور یہہ منہ دیکھتے ہی رہینگے"

راجہ (رنڈی سے) "تمہارا نام کیا ہے"

رنڈی "جی بندی کو حیدر جان کہتے ہیں"۔

غازی الدین "کیا کہا کسکی جان سبحان اللہ کیا اچھا نام ہے یہ نہیں معلوم ہوا کس بندہ کی جان ہو خدا اسپر رحم کرے"

حیدر جان "بیشک خدا نے رحم بلکہ فضل اس بندہ خاص پر کیا جس کی میں جان ہوں"۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حیدر جان نے اپنا چاندی کا پاندان منگا کر گلوریاں لگائیں خود بھی کہائیں اور ایک خوبصورت سی نقروی تھالی میں چند گلوریاں رکھکر اہل جلسہ کے سامنے خود لیجا کر رکھدیں۔ اہل جلسہ نے ہنسکر حیدر جان کا شکریہ ادا کیا۔

راجہ بھگوانداس "تمہارے نام نامی ملکہ گرامی سے واقف ہونیکی تو ہم سب کو خوشی ہوئی اپنا وطن مالوف بھی تبلادو"

حیدر جان ۔ "پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانہ کا ✦ کبھی گلشن میں
مسکن ہے کبھی صحرا میں بستر ہے" ۔ غریب الوطنی میرا وطن ہے ۔ جناب
راجہ صاحب ہم مصیبت ماریوں کا وطن ہی کیا ۔ وطن ماشاء اللہ آپ جیسے خوش نصیبوں
کا ہوتا ہے ۔ ہمیں جہاں پاؤں سر آنا ملگیا وہی وطن ہے اور ہر جا کہ شب آید
سرائے من ۔ مگر بخیال **اَلاَمرُ فَوقَ الاَدَب** ارشاد والا کی
تعمیل واجب ہے اسلئے عرض کئے دیتی ہوں ابھی اُجڑے دیار کی ہوں
جسے لکھنؤ عرف اختر نگر کہتے ہیں زمانہ قدیم میں اسکو لکھنا پور ہی کہتے
تھے وہ بھی ایکدن لکھنؤ کا تھا ؎ سنا رضواں بھی جسکا خوشہ چیں ہے
وہ بیشک لکھنؤ کی سرزمیں ہے ۔ مگر اب تو کھنڈر ہے جبھی تو وہاں کے ذرے
یوں دربدر اڑے پھرتے ہیں"

غازی الدین ۔ "یہ تو بڑی مورخ و محقق بھی ہیں ۔ جب ہی اسقدر منکسر
واقع ہوئی ہیں کہ انکسار کے دم میں غدا باندہ دیا اور اپنے تئیں ذرہ سمجھنے
لگیں ۔ میں انہیں خورشید رو سمجھتا ہوں انکی بانکی ادا کی شعاعوں نے
مجھے جلا ڈالا"

حیدر جان (غازی الدین سے) "آپ کو تو آتش شوق نے جلایا ہے ۔ پروانے
اگر شمع پر جل مریں تو بیچاری شمع کا کیا قصور"

راجہ (آہستہ سے غازی الدین سے) "میں سچ کہتا ہوں بیرسٹر میری
بھی عجیب حالت ہے ؎
اچھی صورت سنگ مقناطیس ہے ✦ یار کی جانب کھینچے جاتے ہیں ہم

اس کا فر ادا نے مجھے بھی لبھا لیا۔

حیدر جان باتیں بھی کئے جاتی ہے اور رہ رہ کر ترچھی چتون کا حسرت آلودہ تیر فرخ پر لگا دیتی ہے۔ آنکھوں کی زبان ایک زبان خاص ہوتی ہے۔ فرخ جو بساط عشق بازی میں شاطر کامل ہے اور کئی بار بازیاں لگا چکا ہے اس زبان سے خوب آشنا ہے وہ بھی ان تیروں کا جواب گھائل کن نظروں کی گولیوں سے دیتا ہے۔ حیدر جان کبھی فرخ کی آنکھ سے آنکھ ملا کر سرمگیں دیکھتی ہے کبھی رسیلی نشیلی آنکھوں کے گوشوں سے دیکھتی ہے کبھی مسکرا کر بجلی گراتی ہے جس کا جواب فرخ بھی معنی خیز مسکراہٹ سے دیتا ہے یہ دلکش ادائیں حیدر جان کی فرخ کے لئے محبت کا پیغام بنگئیں۔ ڈاکٹر سیف الدین جو ساقی بنا ہوا گلاس بھر بھر کر اہل جلسہ کو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دے رہا تھا حیدر جان کو مخاطب کر کے بولا "اگر بار خاطر نہ ہو تو اس آب حیات کا ایک جام پیش کر دوں اگرچہ تم خود خضر راہ آب بقا بنا ہوا ہو"۔

حیدر جان "آپکی فدرداں تعریف کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ بندی کس لایق ہے۔ آپ حضرات کی ذرہ نوازی ہے۔ بس اس سے مجھے معاف فرمایئے۔ مجھے عادت نہیں ہے۔ اتنا تو ضرور عرض کروں گی آپکو بہت جلد میرا خیال آیا۔

راجہ۔ (سیف الدین سے) "اصرار نہ کرو شاید انکو عادت نہیں"

فرخ (راجہ سے) تم بھی عجب گر گئے ہو یہ نہ سمجھے کہ کس خوبصورتی کے

اظہار رضامندی کیا ہے اور سیف الدین کو جو ساقی کی دم بیٹھے ہیں کنایۃً طعن کا کیا وار لگایا ہے (سیف الدین سے) "حضور انکو دو بغیر انکی شرکت کے لطف کرکرا ہو رہا ہے" حیدر جان نسرخ کی ذہانت پر دلمیں پھڑک گئی

غازی الدین۔ (حیدر جان سے) "حضور اسکو منہ سے لگاؤ اور اوس بچے دیدو" حیدر جان گیلاس ہاتھ میں لینے کے بعد کھڑے ہو کر اہل جلسہ کو آداب بجا لائی۔ پھر بیٹھکر ایک گھونٹ پیا گلاس رکھکر (غازی الدین سے مخاطب ہو کر بولی) "آپکے ایک حکم کی تعمیل کی اسے منہ تو لگایا مگر یہ بھی آپکو معلوم ہے منہ لگائی ڈومنی ناچے تال بیتال۔ منہ لگانا سر چڑھانا برابر ہے اب میں اپنی گستاخیونکی ذمہ دار نہیں۔ مرا اودش بھی اوسیکو نصیب ہوتا ہے جسپر خدا رحم کرتا ہے۔ آپ اپنا منہ دھو رکھیئے وہ بھی ببول کے کانٹوں سے۔ حلوا خوردن را روئے باید۔ آپ اپنی صورت پہلے بنوا لیجئے"

نواب کا ارشاد "یہ گلچھیں کبتک کچھ گانا بجانا بھی ہوگا رات بھیگ رہی ہے دو چار چیزیں اور گوا کر جلسہ برخاست کرنا چاہیئے۔"

حیدر جان نے گانا شروع کیا پے در پے دو غزلیں عاشقانہ مذاق کی گائیں جنکے مضامین پر از اشتیاق تھے اور روئے سخن نسرخ کیجانب تھا اور جب نسرخ کو دیکھتی تھی تو نسرخ کی حالت بمصداق اس شعر کے ہو جاتی تھی ؎

جب نظر سے نظر دو چار ہوئی ✦ ایک برچھی جگر کے پار ہوئی

غازی الدین (فرخ سے)

یہ تو نظروں میں سمٹے جاتی ہی تمکو فرخ + رنگ بیڈھب نظر آتے ہیں خدا خیر کرے

فرخ "تم اپنی خبر لو مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو"

دوار کا پرشاد (اہل جلسہ سے مخاطب ہو کر) "یہ ماگھ کا مہینا جب رنگوں کا جہان ہے پھر تو بھاگن صاحب تشریف لانیوالے ہیں کیوں نہیں ابھی سے انکا استقبال کیا جائے۔ ہوریاں انکے سننی چاہیں"

اہل جلسہ نے یہ تحریک منظور کی اور حیدر جان کو فرمایش ہوری گانیکی کیگئی

حیدر جان نے ہوری شروع کی

ہوری آج جرے جا ہے کال جرے + مورے کنور کنہیا سوے آن ملے

کنور کنہیا پر تسے ہر جای + عبیر گلال کو آگ لگے

ہوری آج جیسے ارنج۔

فرخ۔ (حیدر جان سے) "کوئی پرانی وضع کی ہوری گاؤ"

حیدر جان " بہار کی کہوں یا سادی"

فرخ "سادی کہو" حیدر جان نے یہ ہوری شروع کی۔

استائی۔ ہورکے سانورے نے گاری ہی + اسے دی سینے کچھونا کہی

انترہ سات گو کہلات متھرا نگری + بیچ بیچ جمنا ہی۔ آپ کرشن ہر

پار اتر گئے میں تو تکتی کی تکتی رہی + سید و سانورے ارنج ایک اور

ہوری شروع کی۔

استائی۔ بیدرسی سے پیتا لگائی۔ میکا جوگن بنائی۔

انترہ - پی نہیں اسے بھاگن پاس + کچھو نہیں دیت سوجھائی
اُن بن جیرا اوبک بیاکل + ہمری سدھ بسرائی -
دہیرج دہرو نہیں جائی - بیدردی سے الخ -
انترہ - نگ ہیر نینا تھکت ہیں + نہیں آوت ہرجائی -
کاسو کہوں اپنی بتھا میں + ہمری توست بورائی -
چلت نہیں کوؤ اُپائی + بیدردی سے الخ -
انترہ - پرتھم پریم لگامن لینا + انت کرت جیترائی -
ہیں بر ہمن مورکھ اناری + پیت لگا پچھتائی -
کوؤ اُن جا سمجھائی + بیدردی سے الخ
انترہ - آس ہیں پی کے ات دن بیتے + پی نہیں دیت دکھائی -
ہما یوں پیا کرپا کرو مو پر + بیگی دو درشن آئی -
نہیں تو دوں گی دوہائی + بیدردی سے الخ

(گانے کے دوران میں)

راجہ بھگوانداس - (دوستوں سے) "یہ ہوریاں اگرچہ پرانی طرز کی ہیں مگر پر اثر ہیں"
فرخ - گانے کی ترکیب نے اور بھی رنگ دیدیا ہے - سازندے بھی اپنے فن کے اوستاد معلوم ہوتے ہیں طبلیہ کا کیا پیارا ہاتھ ہے - بیطرح لئے دارہے بول کیا خوب کاٹتا ہے مشاق بھی ہے - تروٹ کے بول کس صفائی سے نکالتا ہے"

راجہ بھگوانداس:- "ماشاءاللہ تمہارا ہاتھ اور تمہاری والنست بھی کچھ کم نہیں ہے۔"

فرخ:- "(حیدرجان کو اشارہ سے قریب بلاکر) - اگرچہ یہ وقت کی شہنائی کا ہے مگر مجھے پسند ہے چلو ہیں کوئی ہوری کہو" حیدرجان نے یہ ہوری شروع کی۔

استائی:- "کون جات برج ہیں دوہ بچن رنگ ڈاری چونری ساری۔"

انترہ:- "ایک ہاتھ میں ہوراانجرا پکرا دوسرے ہاتھ پچکاری۔ چھوڑ دو للا موراانجرا چھٹ سے تم جیتے ہم ہاری۔"

چونکہ فرخ کی فرمایش خاص کی تعمیل کرنی تھی خوب جی کھول کے اور بہت ہی خوش سنگری کے ساتھ گائی جو تانیں اور پلٹے لئے ایک دوسرے سے بالکل الگ اچھین بھی بہت دلکش لیں ابھر ارتھ نکالے ہیں وہ باریکیاں اور نزاکتیں پیدا کیں کہ اہل جلسہ نے بیتابانہ طریقے سے واہ واہ کی دھوم مچادی تعریفوں کی بوچھار کردی

فرخ:- (حیدرجان سے) "دوچار دادرے گاکر ختم کردو" یہ دادرا شروع کیا۔

موریسیاں نے بہیاں مروڑ ڈاریں + لپٹ جھپٹ چوریاں توڑ ڈالیں۔ مورے سیاں الخ۔

کدریا تم ہیسے نہ بولو تم ہوا ناری موہے دینت گاری۔ مورے سیاں الخ

راجہ۔ "غارہ میں کوئی دادرا کہو" غارہ میں دادرا شروع کیا۔

سنوریا نینا لگائے کہیں اور + دیکھی ہیں ایسی لاکھوں ہم نے گھاتیں

چھپتے نہیں یہ طور۔

رات کدھر پیا کہاں رہے تھے + ڈھونڈھ پھری ٹھور ٹھور۔

بطور خود یہ دادرا شروع کیا۔

میرا دل تو دیوانا جان تیرے لئے + جان تیرے لئے جان تیرے لئے

جب سے کہ میں نے نینا لگایا + مورا بالا ساجن تیرے لئے میرا دل تو الخ

نواب دلدار علیخان۔ (جس کو سرور بادہ ہو گیا تھا فرخ کو مخاطب کر کے)

لو مبارک ہو ساری سا ساری چیزیں تمہارے لئے (حیدر جان سے)

ارے کچھ میرے لئے بھی ظالم۔

گل پھینکے ہے بخیروں کی طرف بلکہ ثمر بھی + اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

(دوستوں کو مخاطب کر کے) بھئی میں تو میں بے موت مرا۔ دن دہاڑے لوٹا گیا۔ ؎

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدارا + دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

غازی الدین (فرخ سے) تم تو قسمت کے سانڈھ ہو فرخ +

پھانستے تن تنہا شکار ہو تم۔ (حیدر جان کی طرف اشارہ کر کے)

اس کی نظریں تو تمہیں پہ گڑی ہیں"

فرخ۔ (غازی الدین سے) تم تو خدائی فوجدار نکلے کہ کسی کو دیکھ نہیں سکتا جس کو جو دیکھے وہ اوس کا شکار ہے۔

غازی الدین - دیکھنے دیکھنے میں فرق ہے -
لاکھ پردے میں ہوں پر چھپتی ہیں کب + چتونیں الفت کی ہوں یہ پیار کے
(فرخ سے) ہم لوگوں سے اڑکر کہا کہاں جاؤگے - اوس استاد ہو
واللہ اوستاد ہو خوب پہچانتے ہیں جو چور کو تھانے والے ہا ہا ہا ہا -
ہی ہی ہی ہی - (حیدر جان سے) ایک نظر سے خوش گذرے ادہر بھی
ہ اوا اوا والے سے دیکھہ لو جاتا رہے گا دل کا - بس ایک نگاہ ہو
بھول گیا -

راجہ - بس ایک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا -

نواب - ہاں ٹھیک کہا یہی مصرعہ ہے -
یارو مجھے معاف معاف کرو میں نشہ میں ہوں یا نہیں شیشہ میں مے ہے کہ میں نشہ میں نشہ میں ہوں
کچھ کہو کیا گھڑی ہے -

فرخ نے دیکھا کہ اب رنگ بیڈھب ہے اہل جلسہ پر نشہ غالب ہوا
جاتا ہے جھٹ جلسہ برخاست کر دیا - حیدر جان سے کہا گانا ختم کرو رات
زیادہ آگئی - یہ بھی کہا کہ یار زندہ صحبت باقی انشاء اللہ پھر بلائیں گے
ٹھ ٹھلے سے کہا کہ دو روپے سواری کا کرایہ اور دو روپے خوراکی کے
پچاس روپے ناچ کے دیکر طائفہ کو رخصت کرو -

انیسواں باب

حسن فروشان بازاری عموماً روپیہ کی بھوکی ہوتی ہیں شاذ ایسی بھی ہیں جو ان ان کے اعلیٰ صفات کی خواہشمند ہوں حیدر جان کا شمار آخرالذکر طبقہ میں کرنا چاہئیے۔ اوس کا شیوہ زر پرستی و زرکشی نہ تھا باوجود صورتدار و نفاست پسند و طبیعتدار و اعلیٰ صحبت یافتہ ہونیکے اپنا پیشہ گانا بجانا اوس نے قرار دے رکھا تھا اور عصمت فروشی عموماً معیوب سمجھتی تھی جس طرح مخصوص حالتیں ہر انسان کو بعض اوقات اوس کے اصول موضوعہ کے خلاف کسی کام کے کرنے پر اکثر مجبور کرتی ہیں اوسی طرح حیدر جان بھی فرخ کی مفتوح و مفتون ہوگئی تھی۔ فرخ میں وہ سب باتیں موجود تھیں جن کی حیدر جان دل سے گاہک تھی۔ مصرعہ۔ مرغ دل کیوں نہ پھنسے دانہ بھی ہے دام بھی ہے

گو طبیعتداروں کی طبیعت کا عموماً یہ خاصہ ہے ؎

خوبرو دیکھے تو دم دینے لگے ٭ خو طبیعتدار کی اچھی نہیں۔

مگر فرخ ہر خوبرو کو دیکھکر پھسل نہیں پڑتا تھا۔ تا وقتیکہ خوبروئی کے ساتھ اور بھی صفتیں فرخ کے خیال و مذاق کے موافق نہ ہوں وہ اودھر رخ بھی نہیں کرتا۔ اوس کی طبیعت نقاد اور بال کی کھال کھینچنے والی

واقع ہوئی ہے اس لئے اس کا عمل اس شعر کے مضمون کے مصداق رہا
اُسپہ آتی ہے جو ہوتا کہونہیں اچھا ایدل ٭ ناز ہے مجھکو کہ ہے میری طبیعت کیسی
اس سے ظاہر ہے کہ حیدر جان پر جو فرخ کی طبیعت آئی تو علاوہ صورت
واری کے حیدر جان میں کچھہ اور بھی بابت ہوگی جس نے فرخ کو اپنی جانب
کھینچا بسنت کے جلسہ والی شب سے فرخ کی طبیعت حیدر جان پر آگئی تہی
جلسہ کی رات کو کھانے پینے میں کچھہ بد احتیاطیاں جو فرخ سے ہوئیں
تو پہلے پہر سے اوس کا مزاج جادۂ اعتدال کے باہر ہوگیا اور تین چار روز
ناساز رہا یہ تین چار روز فرقت کے فرخ کو بہت گران گذرے مصرعہ
؎ نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال۔ غرض جلسہ کے پانچویں
روز حیدر جان کو بلوا بھیجا ؎
قاصد کو اوسطرف تو منت کیا رواں ٭ سامان عیش جملہ مہیا کیا یہاں۔
حیدر جان کو جب فرخ کا پیغام پہونچا تو منھہ مانگی مراد اوس کو مل گئی۔
اونکے نہ کو ٹھیلنے کا بہانہ کافی ہوتا ہے تا بمقدور خوب بناؤ سنگار کر کے
پھولوں اور عطروں میں لبس کر بعد مغرب کڑوں کو تیقڑوں سے بجاتی چھم
چھم کرتی عجب ناز و انداز کے ساتھ گاڑی سے اُتری۔ میاں فرخ جو پہلے
ہی سے بن سنور کر مجسم انتظار و اشتیاق کی صورت بنے ہوئے آہٹ پہ
کان دہرے اور در پہ نظر کئے بیٹھے تھے جلدی سے پیشوائی کو اوٹھ کھڑے
ہوئے اور چند قدم آگے بڑہکر ہاتھہ میں ہاتھہ دیکر حیدر جان کو اپنے برابر
مسند پر لا کر بٹھایا حسب معمول صحبت مے پہلے سے گرم تھی دور پر دور

چل رہے تھے۔ ہارمونیم اور طبلہ نوازی بھی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر سیف الدین نمازی الدین احمد و راجہ بھگوانداس شریک صحبت تھے۔ حیدر جان کی شرکت نے جلسہ کی گرما گرمی و مزیداری میں اضافہ کر دیا۔ تھوڑی دیر گانا بجانا ہوا۔ پھر ہنسی نماق چہلیں ہوتی رہیں۔ کھانا سب نے مل کر کھایا۔ شب کے گیارہ بجے کے بعد خلل اندازوں سے نجات ملی یعنے سیف الدین بخیر رخصت ہوکر اپنے اپنے گھر گئے ؎

اور ہی اب تو بزم کا ہوا رنگ ۔ اور ہی اب تو بزم کا ہوا ڈھنگ

بس اوسی وقت سے بقول شخصے یہ بلا ندموں لگی۔ حیدر جان فرخ کے گلے کا ڈھولنا بن گئی۔ دونوں میں تعلقات دن بدن بڑھنے لگے ؎

وصال یار سے دونا ہوا عشق ۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

جانور کی قربت بھی اس کی چاہت بڑھاتی ہے۔ بقول شخصے سگ حضور بہ از برادر دور نہ کہ یہ تو انسان صنف نازک اس پر سے مستزاد اوس کی اطاعت گزاری و تابعداری نے فرخ کو موہ لیا۔ کچھ عرصہ سے نظام الاوقات و طریقہ زندگی فرخ کا اس طرح پر تھا۔ چا و ناشتہ سے فارغ ہو کر صبح کے آٹھ بجے فرخ اپنی ڈسپنسری کو جو محلہ افضل گنج میں قایم کی گئی تھی چلا جاتا تھا اسی مکان کے ایک حصہ میں بڑے پیمانہ پر میڈیکل ہال بھی تھا موسوم بہ "فرخ میڈیکل ہال" جہاں دوائیں فروخت ہوتی تھیں۔ چونکہ تازہ اور مستند دواؤں کا ایک بڑا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا تھا اور دو لایق کمپونڈر فرخ کی زیر نگرانی نسخہ سازی کرتے تھے اس لیے اکثر ڈاکٹر اپنے

نسخے نہیں بنواتے تھے۔ اوسط آمدنی بعد وضع اخراجات چار سو روپے ماہانہ مبلغ کل بال سے ہوتی تھی پنشن کے بھی چار یا پانسو روپے ماہانہ فرخ کو وصول ہوتے تھے۔ صبح کے آٹھ بجے سے بارہ بجے تک فرخ ڈسپنسری میں رہا کرتا تہا۔ بارہ بجے اپنے مکان مسکونہ گذشتہ گوشہ محل میں آتا۔ کھانا کھاکر تہوڑی دیر استراحت کرتا دو بجے پھر ڈسپنسری کو جاتا اور چھہ بجے کے قریب مکان واپس آنکر شریک جلسہ ہوتا دس گیارہ بجے تک گانے بجانے پینے کھانے کی صحبت گرم رہتی تھی۔ حیدر جان نے چار مینار کے متصل والا مکان چھوڑکر بازار سدی عنبر میں لب سڑک کمرہ لے لیا تاکہ فرخ کے مکان مسکونہ سے قربت ہو۔ فرخ شام کو ڈسپنسری سے واپس آنیکے بعد اپنی اونیس جان گاڑی حیدر جان کے لانے کے لئے بھیجدیتا تہا حیدر جان بھی آتے ہی شریک صحبت و جلسہ ہوجاتی تھی۔ شب کا کھانا فرخ کے ساتھ کھاتی صبح کے سات بجے اپنے گھر چلی جایا کرتی۔ یوں تو ہر شب شب برات سے زیادہ چہل پہل اور رنگ رلیوں میں گزرتی تہی جب سے حیدر جان کا قدم آیا تہا جلسہ پانہ یا ان بڑھ گئی تھیں ہفتہ میں دو تین دفعہ ڈسپنسری بھی ناغہ ہونے لگی تھی ڈنر اور پارٹیونکی تعداد بہت بڑھ گئی تھی ایسے اللے تللے کے سبب سے یا اخراجات کے لئے قارون کا خزانہ بھی کافی نہیں ہوسکتا تہا خوش قسمتی سے فرخ کی معاش کا ذریعہ ملازمت نہ تھی ورنہ ملازمت کی محدود آمدنی جس میں گنتی بوٹی نایا شوربا ملتا ہے فرخ کا پلیتہ نکال دیتی اور ضرور وہ مقروض ہوجاتا پھر تو گرہونکی تعمیل میں قرقیان

آتنین اور اوس کو ہر طرح کی ذلت کا سامنا ہوتا۔ پریکٹس کی آمدنی
تو بالکل کم ہو گئی تھی مگر میڈیکل ہال کی آمدنی سے زیادہ قرض سے محفوظ
رکھا اور پس انداز ایک کوڑی بھی نہ ہو سکی جو کماتا وہ لٹاتا تھا اس
افسوسناک حالت میں کامل چار سال گزرے۔ حافظ عنایت اللہ خاں
نے کئی دفعہ فرخ سے کہا کہ شادی کر لو تجرد کی زندگی میں بے شمار
زحمتیں اوٹھانی پڑتی ہیں مگر فرخ نے ہر دفعہ حیلے حوالے کر کے ٹالدیا
حیدر جان کے تعلق کی کیفیت اور فرخ کے طرز معاشرت و اخراجات
کی حالت جب سے حافظ عنایت اللہ خاں کو معلوم ہوئی تھی وہ
بہت متوحش و پریشان ہو گئے تھے چونکہ فرخ سے انھیں بیحد
انس ہو گیا تھا اوس کی صلاح و فلاح کو عین اپنی اصلاح و فلاح
سمجھتے تھے اس لئے اون کو ہر وقت یہہ فکر لگی رہتی کہ کسی طرح
فرخ کی حالت درست ہو۔ آخر یہہ تدبیر اونھوں نے سوچی
کہ فرخ کی شادی جس قدر جلد ہو سکے کسی لایق حسین اور
سمجھدار لڑکی سے کر دی جائے جو فرخ کی اصلاح کرے مگر یہہ امر
آسان نہ تھا ایک تو اس وجہہ سے کہ فرخ کی اوباشانہ روش
کوئی راز سربستہ و مخفی نہ تھی ایسی حالت میں کوئی شریف دیدہ و
دانستہ اپنی لڑکی کنوئیں میں ڈھکیل دینے سے رہا دوسرے یہہ کہ
فرخ کو شادی کے نام سے بیزاری اور چڑ ہو گئی تھی درحالیکہ وہ
رضامند ہو بھی جاتا تو ایسی لڑکی کا ملنا جو شریف الخاندان نجیب الطرفین

ہو سکتے ہیں با سوا حسین و تعلیم یافتہ بھی ہو اور تہذیب یدہ و خوش تدبیر بھی ایسی ہو کہ فرخ جیسے الجھے ہوئے کو سلجھائے از حد دقت طلب امر تھا مگر با این خیال ؎

بہر کاریکہ ہمت بستہ گردد ❊ اگر خارے بود گلدستہ گردد

حافظ عنایت اللہ خاں نے نہایت ہمت و استقلال سے کام لینا شروع کیا ایک طرف تو مشورہ و امداد نجابت الدین احمد وغیرہ فرخ کو شادی کر لینے پر رضا مند کرنے کی کوشش شروع کی دوسری جانب لڑکیاں ڈھنگوانا شروع کیں۔

فرخ کی قابلیت وصورت و ظاہری ثروت و دولتمندی کے خیال سے دولتمندوں کے ہاں سے بہت سے پیام آئے مگر حافظ عنایت جو فرخ کے خیال و مذاق سے بخوبی واقف تھے دولت کی جانب متوجہ و ملتفت نہیں ہوئے حافظ صاحب اپنی فکر و تدبیر ہی کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں ایک دن تقریباً صبح کے دس بجے نواب دلدار علی خاں بہادر فرخ کے ہاں آئے اور ان دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔

فرخ۔ خیر تو ہے آج اس وقت خلاف معمول کیوں آئے۔

دلدار علیخاں۔ ہاں خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ میں کچھ چیزیں خریدنے سکندرآباد گیا تھا وہاں سے لوٹا راستہ میں خیال آیا کہ آج جمعہ ہے تم گھر ہی میں ہوگے تم سے ملتا چلوں اور یہ بھی کہتا جاؤں کہ انشاء اللہ

آج شام کی ٹرین میں ہفتہ عشرہ کے لئے مع زنانہ جاگیر کو جاؤں گا تم شام کو میرا انتظار نہ کرنا۔"

فرخ۔ "تو کیا تمہاری بیوی بھی جائیں گی؟"

دلدار علیخان۔ (ہنسکر) "بیشک وہ بھی جائینگی مال عرب بیشتر عرب ہی۔ قصد تو ہفتہ عشرہ سے زیادہ وہاں قیام کرنے کا نہیں ہے مگر پھر بھی ممکن ہے کہ کچھ زیادہ عرصہ تک رہنا پڑے ویسی حالت میں بغیر بیوی کے کھانے پینے کا معقول انتظام و آرام ہو نہیں سکتا تم کو معلوم ہے ارے تو یہ تم کو کیا معلوم مگر تم نے سنا تو ہے بقول شخصے شادی نہیں کی برائیں تو دیکھی ہیں۔ ہر کہ زن ندارد آرام تن ندارد۔

افسوس تم اس لذت سے واقف نہیں ہو۔ زبان تک آئی بات مشکل سے رکتی ہے بُرا نہ مانو تو کہدوں۔ تم کب تک ایسی بے لطف زندگی بسر کروگے۔ یہ دیس میں تمہارا نہ کوئی ہمدرد نہ مونس و غمگسار ہے۔ رنڈی کیسی بھی ہوتی ہے جو تمھاری ہوگی۔ خدا کے لئے حیدر جان سے نہ کہدینا کہ میں اس طرح کہتا تھا پھر تو وہ میرے خون کی پیاسی ہوجائے گی اور میرے دہ لتے لیگی اور تکلے تعطیر ے گی کہ تو بہ بھی بھول نہ ہوگی۔ کہیں یہ نہ خیال کرنا کہ میرا دل اوس پر آیا ہوا ہے اس لئے تم چھوڑنا اور توڑانا چاہتا ہوں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ میرا دل تمہاری حالت دیکھکر دکھتا ہے میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح تمہارا گھر آباد ہو علاوہ آرام و آسائش کے متاہل شخص کی وقعت بھی سوسائٹی میں کچھ اور ہوا

ہوتی ہے نہ معلوم تم اس کو محسوس کرتے ہو یا نہیں۔ تمہاری پریکٹس پر بھی
بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے مستورات کے معالجہ کے لئے اب تمہیں کوئی پوچھتا
تک نہیں حالانکہ اس شعبہ میں تم ید طولیٰ رکھتے ہو۔ خیر و برکت بھی بیوی سے
ہوتی ہے۔ تمہارے نوکر الگ تمہیں لوٹے کھاتے ہیں للہ میرا کہنا مانو
اور شادی کرو۔ بیوی عجب نعمت ہے اگر مزاج کے موافق ملگئی تو دنیا
میں جنت ہے"

فرخ ۔ "نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی +
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں۔
تم لوگوں نے تو میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔ خصوصاً جناب حافظ صاحب
قبلہ نے اور غازی نے اس معاملہ میں مصرعہ اپنی قسمت کو ازما دیکھا +
اب تو شادی کے نام سے مجھے بخار آتا ہے۔ مجھے اپنی حالت پر تم
سب چھوڑ دو۔ میں تمہاری ہمدردی کا دل سے مشکور ہوں مگر فرمائش
کی تعمیل میں مجبور ہوں۔ میں اپنی دلی حالت کا اظہار کسی پر کرتا نہیں سے
دل ہی پاس تھا جب کیا کیا نہ آرزو تھی + جب دلکو کھو کے بیٹھے پھر آرزو کہاں ہے
بقول حضرت امیر مینائی سے
دل ہی نہ رہا امید کیسی + جب کٹ گئی نخل آرزو کی
جب آرزوں کا خون ہوا تو دل بھی اوس کے ساتھ بہ نکلا۔ میں اس
وقت تم سے کھلکر اپنی حالت کہہ رہا ہوں۔ تم سب یہ سمجھتے ہو نگے
کہ جو صدمہ میں نے اوٹھایا اُسے میں بھول گیا۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ یہ

گانا بجانا پڑھنا لکھنا ہنسی مذاق سب ظاہری باتیں ہیں اگر یہہ اشتغال نہ ہوتے تو کبھی کا میں راہی ملک بقا ہوجاتا حیدر جان کا اتفاق بہی یونہی سمجھو۔ حالت سرور میں میری طبیعت اوس پر آگئی تھی اوس کے بعد سے تو پھر نباہنا رہگیا ہے تھوڑی دیر کے لئے میری دلبستگی بھی اوس سے ہوجاتی ہے غم غلط کرنے کے لئے اور تھوڑی دیر افکار سے محفوظ رہنے کے لئے یہہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے ورنہ جو کچھ میرے دلپر گذرتی ہے اوس کا علم صرف عالم الغیب حقیقی کو ہے۔ حیدر جان کا وجود بہی کوئی سال بھر سے لینے جب سے اوس کی ماں لکھنؤ سے آگئی ہے تکلیف دینے لگا ہے اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی ذات سے بے طمع اور نیک خصلت ہے مگر اس کی ماں ہزار نایکاؤں کی ایک نائیکہ ہے اور وہ کمبخت اپنی ماں سے اس درجہ ڈرتی ہے کہ شیطان سے بہی کوئی اتنا نہ ڈرتا ہوگا اوس کی ماں سکھاتی رہتی ہے یہہ لو وہ لو ورنہ لڑو۔ قطع نظر ان سب باتوں کے بقول تمہارے کہ مزاج کے موافق بیوی ملے تو دنیا میں جنت ہے۔ اس کو تو میں بھی جانتا ہوں مگر ملنا امر بس مشکل و کار لیست دشوار اسی لئے شادی کا خیال بھی دل میں نہیں آتا اور جو کبھی بھولے بھٹکے آجاتا ہے تو بدحواس کر دیتا ہے ؎

دلدار علیخاں۔ (دل میں اس خیال سے خوش ہو کر کہ فرخ کی طبیعت معلوم ہوتا ہے حیدر جان سے پھر گئی ہے یہی موقع فرخ کو ترغیب دینے کا ہے) اس وقت تمہاری دلی حالت مجھپر ظاہر ہوئی جس نے مجھے بیحد

افسردہ و متاثر کیا۔ اب تو میں تمہیں ضرور شادی کرنے پر مجبور کروں گا
تاکہ ایک سچا ہمدرد اور سچے لوث رفیق تمہارے پہلو میں بیٹھکر تمہارا
دل بہلائے۔ خدا سے بعید نہیں ہے کہ تم کو ایسا جوڑا عطا کرے
کہ تمہارا دلی مدعا حاصل ہو۔ یہ مد نظر رہے تا کہ خیال و مزاج کے موافق
بیوی کا ملنا بہت دشوار ہے اور کسی کو ملجانا اس کی خوش قسمتی کی دلیل
ہے اسی واسطے شادی بیاہ کے معاملہ کو " لوٹری لینے " سے
تشبیہ دیتے ہیں۔ خصوصاً تمہارے خیال کے موافق بیوی کا ملنا تو
اور بھی مشکل ہے۔ تم چاہتے ہو لڑکی عالی خاندان نجیب الطرفین بھی ایسی
ہو کہ اوس کی ساتوں پیڑھی میں کہیں داغ بدنسلی کا نہ ہو۔ دادی نانی تو
ایک طرف (تبسم ہو کر) پردادی لکڑدادی چھکڑدادی سکڑدادی
پرنانی لکڑنانی چھکڑنانی سکڑنانی تک شریف خون رکھنے والیاں
پاک دامن بھی ایسی کہ سہاگن کہلانے والیاں گذری ہوں اسپر
لڑکی شکل و شمائل میں پری چہرہ رشک قمر منہ سے نفاست پسند علاوہ بریں
نہایت رس عقل مآب باندازِ عالی خیال بلند حوصلہ سلیقہ شعار کریم النفس
ذکی الطبع اور اعلےٰ درجہ کی تعلیم یافتہ ہو غرض دنیا بھر کی خوبیوں کا مجموعہ
ہو۔ لاکلام یہ شرطیں بیشک سب ہیں اور ایک ہی نفس میں ان تمام صفتوں کا
اجتماع بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے مگر صانع حقیقی کی صنعت کاملہ سے بعید
نہیں ہے دنیا خالی نہیں ہے مصیبت کے بعد خدا راحت دیتا ہے
ممکن ہے کہ باری تعالیٰ کو تم پر رحم آیا ہو اور ایک ایسا جوڑا روز ازل سے

تمہارے لئے مقرر کر رکھا ہو جس سے تمہاری سب کلفتیں دُور ہو جائیں اور تلافی مابعد ہو میری بیوی کا قبیلہ بہت بڑا ہے اور علاوہ عزیزوں کے اون کی ملنے جلنے والی بیبیون کی بھی کثیر تعداد ہے اس لئے بہت سے گھرانوں میں اون کی آمد و رفت ہے تمہارے خیالات میں نے ان پر ظاہر کر کے اون سے کہا کہ کوئی لڑکی تمہارے لئے تجویز کریں۔ اونھوں نے بڑی تلاش و غور و خوض کے بعد مجھے ایک گھر کا پتہ دیا ہیں تو سنتے ہی پھڑک گیا۔ اوس لڑکی کو میں نے بچپنے میں بار ہا دیکھا تھا۔ اور میری بیوی تو اب بھی اکثر ملا کرتی ہیں جو کچھ تمہارا خیال ہے تقریباً وہ سب باتیں اس میں تھوڑی بہت ضرور موجود ہیں مگر ڈر یہ ہے کہ لڑکی کے والدین راضی ہوتے بھی ہیں یا نہیں۔ میری بیوی مجھ سے کہتی تھیں کہ بڑے بڑے دولتمندوں اور اعلےٰ عہدہ داروں کے ہاں سے نسبتیں آئیں مگر اب تک کہیں کا پیام پسند و منظور نہیں کیا۔ تمہاری طرح اون کے دماغ بھی ٹھہرے ہوئے ہیں وہ صرف دولت کے خواستگار نہیں ہیں بلکہ شرافت نسبی نیک روش اعلیٰ درجہ کی قابلیت علمی اور تھوڑی بہت صورت لڑکے میں ڈھونڈھتے ہیں اور لڑکا دال روٹی سے خوش ہو بعد عنایت الٰہی سے ان میں سے کسی بات کی بھی تم میں کمی نہیں ہے مگر۔۔۔۔ لیکن یہ کہ تمہاری پہلی تمہاری شراب خواری وغیرہ کی جو بڑی شہرت ہو گئی ہے اس سے یہ اندیشہ پڑتا ہے کہ وہ کہیں جھجکیں

نہیں کیونکہ لڑکی کا معاملہ ہے ہر شخص کی فطری خواہش ہے کہ لڑکی کا ہاتھ کسی اچھے کے ہاتھ میں دیا جائے یوں تو ہر طرح سے تم اہل و شایان اوس لڑکی کے ہو لیکن وہی ..... (کچھہ سوچکر) خیر اس کا بھی اس قدر مضایقہ نہیں ہے۔ اس زمانہ میں شراب سے کون امیرزادہ اور اعلیٰ عہدہ دار بچا ہوا ہے مگر تم نے جو اپنے پیچھے دم چھلا لگا لیا ہے ان کو دور رکھنے کا سوت کا نام ہی برا ہے۔"

فرخ ۔ (کچھہ متحیر ہوکر) "در حقیقت کوئی لڑکی حیدرآباد میں ان اوصاف سے متصف ہے۔ جن کا میں خواہاں ہوں۔ میرا دل قبول نہیں کرتا (کچھہ وقفہ کے بعد) شرافت نسبی و عالی خاندانی کی حالت تو شجرہ سے اور اون کے جاننے والوں سے معلوم ہو سکتی ہے مگر خوبصورتی وغیرہ کی کیفیت کا کیونکر یقین ہو۔"

دلدار علیخان ۔ "اُن کا خاندان چھنا ہوا ہے۔ لڑکی کے سلسلہ نسب جدی و مادری دونوں میں ایک قطرہ بھی ہندی خون کا نہیں ہے۔ واہیات خلط ملط زیادہ مہذبی میں ہے۔ دولت و نام و نمود کے خیال سے بدنسلوں سے بھی رشتہ پیوند کر لیتے ہیں۔ وہ لوگ اہل عجم ہیں خصوصاً لڑکی کے ننھیال میں تو بڑے بڑے اکابر یگانۂ زمانہ گزرے ہیں۔ جن کے تذکروں سے تاریخ ایران مالا مال ہے لڑکی کے والد کو تو تم بھی جانتے ہو گو اون کے خاندانی حالات سے تم کو واقفیت نہیں ہے صورت داری وغیرہ کا میں ذمہ دار ہوں۔

میں نے جب بچپنے میں دیکھا تھا تو بلا مبالغہ چودھویں کا چاند آنکھوں کے آگے گردتھا اب تو جوانی میں خدا جانے کیا قیامت برپا کرنے والی نکلی ہوگی

سے۔ اُسے بچپن میں جب دیکھا تو وہ ماہ دو ہفتہ تھا

جوانی میں تو یوں سب پر ملاحت آہی جاتی ہے۔

مہری بیوی بار ہا اوس کے حُسن خداداد کی تعریفیں کیا کرتی ہیں میں نے مذاقیہ ادن سے کہا بھی کہ کیوں نہیں تم شادی کر لیتی ہو جسکا جواب اونہوں نے یہہ دیا کہ اگر مجھے خدا مرد بناتا تو ضرور اسی سے کرتی اچھا تمہیں ایک اور تحقیق کا ذریعہ بتلاتا ہوں تمہارے دوست مولانا محمد مرتضیٰ صاحب کی بیوی سے اور اوس لڑکی کی والدہ سے بہت دوستانہ ہے تم مولانا سے کہو کہ اپنی بیوی سے دریافت کر کے تم سے کہیں "

فرخ۔ (جس کے چہرہ پر بشاشت کے کچھہ آثار نمایاں ہونے لگے) تم تو معمہ بجہاتے ہو جلدی کہہ بھی ڈالو آخر وہ کون سا خاندان اپنا ڈال کا پڑکا ہے جس کی تم اتنی تعریفیں کرتے ہو اور نام نہیں لیتے "

دلدار علیخاں۔ میرے خیال میں تو بس وہی ایک لڑکی تمہارے خیال و مذاق کے موافق ہے یوں تو فضّلنا بعضھم علی البعض مگر میری نظر جہاں تک جاتی ہے ان صفات کی جن کے تم متلاشی ہو اور کوئی لڑکی نظر نہیں آتی۔ کہیں صورت ہے تو شرافت نسبی نہیں شرافت ہے تو تعلیم یافتگی نہیں۔ تعلیم یافتگی و شرافت بھی ہے تو صورت

ہمارا دو"

فرخ۔ "خدا کے لئے زیادہ اشتیاق نہ دلواؤ جلدی سے نام بتلا دو"

دلدار علی۔ (ہنس کر) "کہیں جلدی سے بتلایا نہ ہو جیا ندسی دلہن ملنا مشتری کا تو الگ نہیں ہے یہہ تو بتلاؤ مجھے کیا دلواتے ہو خدا کرے تمہاری نسبت وہاں مقرر ہو جاوے۔ ایک بڑا جلسہ لوں گا لڑکی کے والد بہت مشہور و معروف آدمی ہیں نہایت نیک طبیعت خلیق ہیں ولغیرہ اور ان کی بیبیاں بھی بہت ہی خوش اوضاع و با اخلاق اس پر سے لطف یہہ کہ تمہارے ہم پیشہ ہیں"

فرخ۔ "پھر نام کیوں نہیں لیتے ہو نام لینا کوئی گناہ ہے"

دلدار علیخاں۔ "تم اگر شادی کرنے پر راضی ہو تو نام لوں بلکہ یہہ مناسب ہوگا کہ اون سے استمزاج کرنیکے بعد اون کا نام بتلاؤں۔"

فرخ۔ "یہہ تمہاری غلطی ہے میں راضی تو جب ہی ہوں گا جب اس کا یقین ہو جائیگا کہ لڑکی میرے خیال کے موافق ہے مگر یقین جب ہی ہوگا جبکہ میں دریافت و تحقیق کروں گا اور بغیر نام و نشان کے میں مولانا مرتضیٰ سے یا اور کسی طریقہ سے دریافت کیونکر کر سکوں گا"

دلدار علیخاں۔ "یہہ تو تم ٹھیک کہتے ہو تم بھی کیا یاد کرو گے۔ بسم اللہ کہکر نام لیتا ہوں۔ جناب ڈاکٹر عباس علی مرزا صاحب کبھو کبھی سنی ہی"

فرخ ۔ "بیشک وہ شریف الخاندان معلوم ہوتے ہیں اون کی وضع و ترکیب گواہی دیتی ہے اون کے بچے بھی بہت ہی گورے گورے پیارے پیارے ہیں مثل مشہور ہے جس نے نہ دیکھا ہو بالک وہ دیکھے بلائی اور جس نے نہ دیکھی ہو ثریا وہ دیکھے ثریا کا بھائی ۔

لطف تو یہہ ہے ؎

آب در کوزہ و من تشنہ وہان میگردم ٭ یار در خانہ و من گرد جہان میگردم

اون کا مکان یہاں سے سو سوا سو قدم پر ہے مگر مجھے کبھی اودہر خیال ہی نہیں گیا اور جاتا کیونکہ شادی کا خیال ہی ترک کر ڈالا تھا آنے کو تو بہت سے پیام آئے مگر ایک دفعہ جل کھانے اور دکھ سہنے کے بعد پھر شادی کا نام لینے سے دل کانپ جاتا ہے مگر یہہ بات اور ہے اس میں تمہارا قدم بیچ میں ہے ۔ اچھا تو اللہ کا نام لیکر کوشش کرو"

دلدار علیخان ۔ "میری جانب سے تو خاطر جمع رکھو کوئی دقیقہ کوشش کا اوٹھا نہیں رکھوں گا انشاءاللہ گانوں سے واپس آنیکے بعد اپنی بیوی کو بہیجوں گا ۔ حافظ صاحب سے بھی کوشش کرواؤ وہ ایک اعلیٰ عہدہ دار ہیں اون کی بات کی وقعت اور ہے اور رہا بشما کا کہنا اور ہے علاوہ اس کے ڈاکٹر صاحب سے اون سے دوستانہ بھی ہے یوں تو مجھہ سے بھی ہے یہ اور اچھا ہوگا دوہرا زور پڑے گا"

فرخ "حافظ صاحب سے تو ہیں نہیں کہوں گا مجھے حجاب آتا ہے وہ میرے والد مرحوم کے دوست ہیں تمھیں اون سے بھی کہو۔ تم تو جا گبھر جا رہے ہو میں غازی سے کہلوا دوں گا۔"

دلدار علیخاں – "پہلے تم اپنی جگہہ پر مضبوطی سے آ جاؤ تو ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ حافظ صاحب ڈاکٹر صاحب سے تذکرہ کر دیں اور تم لیس و پیش کرنے لگو تو حافظ صاحب کو خجالت اوٹھانی پڑے گی۔"

فرخ – "میں جبہی کہلواؤں گا جب بعد تحقیقات کامل شادی کرنے کا عزم بالجزم کر لوں گا۔"

دلدار علیخاں – "پیاس معلوم ہوتی ہے برف اور لمنیڈ منگواؤ۔"

فرخ نے بٹلر کو پکارا اور اوس سے برف اور لمنیڈ منگوا کر نواب دلدار علی خاں کو پلایا۔ ادہر اودہر کی باتیں کر کے وہ رخصت ہوئے۔

بیسواں باب

خدائے ارحم الراحمین اپنا فضل و کرم جب کسی انسان کے شامل حال کرتا ہے تو اوس کو نیک توفیق عطا کرتا ہے اور سمجھ بھی اچھی دیتا ہے تاکہ اوس سے نیک کام سرزد ہوں ۔

این سعادت بزور بازو نیست ✦ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

معلوم ہوتا ہے فرخ عمر طویل لیکر دنیا میں آیا ہے اور خدائے پاک کو منظور ہے کہ اوس کے ہاتھ سے بندگان خدا کو کچھ فایدہ پہونچے جو اصل نمایت تخلیق بنی نوع انسان کی ہے ؎

درد دل کیواسطے پیدا کیا انسان کو ۔ ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نتھے کروبیاں

اور ہر کام کے لئے وقت خاص مقرر کیا جاتا ہے بنظر ان تمام وجوہ نواب دلدار علیخاں کی نصیحت کارگر ہوگئی حالانکہ اس کے پیشتر حافظ عنایت اللہ خاں و اور نظام الدین احمد نے اسی مضمون کو مختلف پیرایہ میں متعدد بار فرخ کو سمجھایا تھا لیکن اس کے کان تک جوں بھی نہیں رینگی اس کان سے سنا اوس کان سے اوڑا دیا دلدار علیخاں کی تقریر جو نتیجہ خیز و موثر ہوئی اوس کا ظاہری سبب یہہ معلوم ہوتا ہے کہ اول الذکر اشخاص نے صرف شادی کرنیکے متعلق فہمایش کی تھی جس بات سے فرخ کو نفرت ہوگئی تھی اور یہہ نہیں کہا تھا کہ کس لڑکی سے کرے اور وہ لڑکی کیسی ہے برعکس اس کے نواب دلدار علیخاں کی تقریر پُر تاثیر اس وجہ سے ہوئی کہ اوس نے علاوہ اور نشیب و فراز کے اظہار کے ایک لڑکی کا پتہ بھی تبلایا اور اس کا یقین دلایا کہ وہ لڑکی بالکل فرخ کے خیال و مذاق کے موافق ہے خالق نے فرخ کے آب و گل میں بلکہ رگ و ریشہ میں حسن پرستی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اس لئے بھی دلدار علیخاں کی تقریر نے فرخ کے جذبات متحرک کر دئیے اب فرخ کو ایک گونہ اشتیاق پیدا ہو گیا اور

بہ حیثیت حسن کے جوہری کے اس لعل شب تاب و گوہر نایاب کے
حاصل کرنے کی اوس کو فکر ہوئی اوس نے اپنے ایک دوست
مولانا محمد مرتضٰی سے اس معاملہ میں مشورہ کیا جنہوں نے ڈاکٹر
عباس علی مرزا کا نام زبان پر آتے ہی اون کی تعریفیں شروع کر دیں
پھر فوراً ہی زنانہ میں گئے اپنی بیوی سے لڑکی کی صورت وغیرہ کی کیفیت
پوچھکر فرخ سے آکر کہا۔ ولدار علیخاں نے جو کچھ بیان کیا تھا
اکثر وہی باتیں اونہوں نے بھی کہیں اب تو فرخ کو مس عباس علی مرزا
کی خوبصورتی و قابلیت و خوش سلیقگی وغیرہ کا یقین ہوتا چلا مگر وہ دودھ کا
جلا چھاچ پھونک پھونک کر پیتا ہے یقین کامل ہونے کی غرض سے
اور ایک دوست مولوی میر لطف علی وکیل ہائیکورٹ کے ہاں
گیا جن کی بیوی مسز عباس علی مرزا کی منھ بولی بہن تھیں الغرض دریافت
حقیقت بے گنتی جرح سوالات کی بھرمار کر دی حتیٰ کہ میر صاحب
جو روز عدالتوں میں اوچھل اوچھل کر گواہوں پر جرح کیا کرتے تھے
زچ ہو گئے اور اون کو معلوم ہو گیا کہ جرح کرنا آسان ہے مگر جواب دینا
مشکل ہے بہر حال فرخ نے اپنا مقصد نکال لیا جس حد تک جس جس
بات کی تحقیق مقصود تھی میر صاحب کے جوابات سے وہ باتیں حسب
دلخواہ متحقق ہو گئیں۔ فرخ نے یہیں پر اپنی تحقیقات ختم نہیں کی بلکہ
اور طریقوں سے بھی جاری رکھی میوہ فروش عورتیں سودا سلف
بیچنے والیاں جو اکثر ڈاکٹر صاحب کے زنانہ میں جایا کرتی تھیں سودا خریدنے

بہانہ فرخ اون کو بلواتا اور مختلف پیرایہ میں لکھو دکھو ڈکر مس عباس علی مرزا
کے مختلف حالات دریافت کرتا۔ جب اون گنواریوں نے بھی اپنی
اپنی جگہہ پہ باوقات مختلف حسن وغیرہ کی تعریف کرتے ہوے الفاظ
کو مختلف استعمال کئے مگر جو بات کہی ایک ہی سی کہی تو فرخ کو نواب
دلدار علیخاں کے بیان کی ہر طرح سے تصدیق و تحقیق ہوگئی۔ اب اس نے
غازی الدین سے کہا کہ تم اپنی جانب سے حافظ صاحب سے کہو کہ ڈاکٹر
عباس علی مرزا سے تحریک کریں اور یہ بھی کہو کہ تم نے مجھکو شادی کرنے
پر آمادہ کر لیا ہے مگر شرط یہ ہے کہ مس عباس علی مرزا سے شادی ہو
کیونکہ اون کی صورت و سیرت کے حالات کی تحقیق کر لی گئی ہے۔
حافظ عنایت اللہ خاں کو غازی الدین نے جس وقت یہ مژدہ جانفزا
سنایا تو حافظ صاحب کے لئے عید ہوگئی از حد خوش ہوئے اور غازی الدین
کی پیٹھ ٹھونک کر بولے۔ این کار از تو آید و مردان چنین کنند۔
میاں غازی الدین بھی پھول گئے جیسے انھوں ہی نے یہ میدان مارا
تھا۔ حافظ صاحب اوسی شام کو اپنی مشلین لینڈو اور بہترے دیگر گھوڑوں
کی جوڑی پر ڈاکٹر عباس علی مرزا کے ہاں گئے اور تحریک کی ڈاکٹر
عباس علی مرزا گو فرخ کو بہت پسند کرتے تھے لیکن لڑکی دینے کے نام
سے ناک بھوں چڑہاتی بخیال اخلاق صاف لفظوں میں انکار تو
نہیں کیا مگر یہہ کہکر ٹال دیا کہ لڑکی کی والدہ اور اراکین خاندان سے
مشورہ کر لینے کے بعد جواب ادا کیا جائے گا۔ حافظ صاحب ڈاکٹر صاحب کے

تیور سے سمجھ گئے کہ لڑکی دینے کی نیت نہیں ہے۔ حافظ صاحب ذرا
افسردہ واپس آئے مگر دل نہیں ہارے کوشش کا سلسلہ مختلف ذریعوں سے
جاری رکھا۔ دلدار علی خاں بھی جاگیر سے واپس آنے کے بعد اپنی بیوی
اور ہمشیرہ کو مسز عباس علی مرزا کے ہاں بھیجتے رہے مولانا مرتضیٰ نے بھی اپنی
بیوی کے ذریعہ سے فرخ کے لئے کوشش شروع کی اب سوال یہ پیدا
ہوا کہ شادی کے بعد جب بیوی گھر میں آئے گی تو حیدر جان کی آمد و رفت
اوسی گھر میں نامناسب ہوگی اور فرخ کا بھی حیدر جان کے لب سڑک والے
کمرہ پر جانا نازیبا ہوگا اس لئے فرخ کے احباب نے آپس میں مشورہ کرکے
حیدر جان کو اس امر پر راضی کیا کہ سدی عنبر کے بازار والا مکان اور گانے
بجانے کا پیشہ جو برائے نام رہ گیا تھا چھوڑ کر محلہ کٹلمنڈی میں فرخ کے مکان
مسکونہ کے قریب ایک مکان میں جس کو ان لوگوں نے ٹھہرا رکھا تھا
وہ اتر جائے حیدر جان سے یہ کہا گیا کہ اوس کا لب سڑک رہنا اور فرخ
کی گاڑی پر آنا جانا فرخ کے پیشہ کے لئے مضر ہے بدنامی کا گھر ہے اسکو
حیدر جان تسلیم کرکے کٹلمنڈی والے مکان میں چلی آئی۔ جب وہ کٹلمنڈی
والے مکان میں منتقل ہوگئی تو فرخ اپنے مکان میں بلانے کے عیوض
حیدر جان کے مکان میں بعد مغرب خود جانے لگا۔ ڈاکٹر عباس علی مرزا کو
جب یہ معلوم ہوگیا کہ حیدر جان فرخ کے ہاں آتی جاتی نہیں ہے اور
اون کو باور کرایا گیا کہ اس سے قطع تعلق بھی ہوگیا ہے تو وہ اپنی لڑکی
دینے کے لئے آمادہ ہوگئے غرض تحریک کے تقریباً ایک سال کے بعد

فرخ کی شادی مسماۃ عباس علی مرزا سے ہوگئی ڈاکٹر عباس علی مرزا کو بہت
دولتمند آدمی نہ تھے ہزار بارہ سو کی ماہانہ آمدنی تنخواہ و پریکٹس سے انکو
تھی مگر بلحاظ اپنی لیاقت و حذاقت و متانت و خوش اخلاقی و ہمدردی
انسانی بہت معززا ور ہر دلعزیز تھے اس لئے جب اونھوں نے اپنی
لڑکی کی شادی جس کو وہ اپنی جان کے برابر عزیز رکھتے تھے بڑے
حوصلہ سے رچائی تو بلدہ کے تقریبًا کل عمایدین اور اعلیٰ عہدہ دار شریک
تقریب ہوئے اور زنانہ میں اون کی بیویاں شریک ہوئیں۔
ہزاروں روپیے نوشاہ کو صرف سلامی میں ڈاکٹر صاحب کی بیوی کے
عزیزوں اور دوستوں نے دئے علاوہ اس کے گو فرخ کی مطلق
خواہش و خواستگاری نہ تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے اپنی بلند حوصلگی سے
اور اوس محبت کی وجہہ سے جو اون کو اپنی لڑکی کے ساتھ تھی ہزاروں
روپے کا جہیز دیا بعض احباب نے سہرے نظم کرکے فرخ کو دئے تھے
منجملہ جن کے ایک سہرے کے چند اشعار جو راقم کو یاد رہ گئے ہدیہ ناظرین
کئے جاتے ہیں۔

دوہوہا

اے بنے تجھکو مبارک ہو سہانا سہرا ÷ زیب دیتا ہے ترے سر پہ یہ کیسا سہرا
پھول پھولے جو بنے آج ترے سہرے کے ÷ حور جنت نے خوشی سے ترا گوندھا سہرا
کھل گئے غنچہ دل فرط مسرت سے تمام ÷ نیک مالن نے جو لیکر تیرا گوندھا سہرا
نوبتیں بجتی ہوئیں ساتھ بڑی شوکت کے ÷ مجمع حور و پریزاد میں آیا سہرا

دوستون نے بڑے ارمانسے پڑھ پڑھکے درود : موتیونکا ترے دستار پر باندھا سہرا
حوریں فرخ پہ سے صدقہ ہوئیں باری باری : مہری الیلے نے پہلو نکا جو باندھا سہرا
ماہ کے گرد ہو جسطرح سے تاروں کا ہجوم : رخ نوشاہ پہ اوس طرحسے چھایا سہرا
سہرہ کو باندھکے بیٹھا جو بنا مسند پر : مشتری زہرہ جبینوں نے بھی گایا سہرا
کشتیاں سینکڑوں بھر بھر کے جواہر سے ملیں : جسنے اس محفل شاہانہ میں گایا سہرا
اے نبیرہ جیرنبے سرپہ ترے ظل خدا : اور رہو پنجتن پاک کا سایہ سہرا
اے حقیر آپنے کیا خوب کہا ہے سہرا : اس سے بہتر کوئی ہئنے نہیں دیکھا سہرا

اکیسواں باب

اس عالم فانی کے اسٹیج پر انسانی زندگی کا ڈراما (ناٹک) عجیب وغریب رنگارنگ کے کھیل اور تماشے گاہے دلکش گاہے ہیبتناک کبھی عبرت خیز کبھی حیرت انگیز جن کو کرشمہ ہائے تقدیر سے تاویل کرتے ہیں اپنے تماشہ بینوں کو دیکھا کر اور ان کھیلوں کے ایکٹروں (انسانوں) سے اون کے مقرر شدہ پارٹ کروا کر محو حیرت کر دیتا ہے جن کو چشم بصیرت عطا کی گئی ہے خواہ وہ تماشائی ہوں یا خود ایکٹرس ان ایکٹوں یعنے کرشموں کا نظارہ عمیق نظروں سے کرتے ہیں اور معمولی نگاہ والے سطحی طور سے دیکھتے ہیں اس لئے ڈرامے کی ظاہری الجھیاں

اون کو اپنا ایسا فریفتہ کرلیتی ہیں کہ وہ اونھیں کے ہو رہتے ہیں مگر چشم بصیرت رکھنے والوں کی حقیقت بین نگاہیں ڈرامے کی دلچسپیوں اور نیرنگیوں سے جن کا وجود نقش برآب سے زیادہ پایدار نہیں ہوتا اور جو مصداق اس مصرعہ کے ہس خواب تھا جو کچھہ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا بے ثباتی عالم کا سبق لیتی ہیں اور کبھی ضرورت سے زیادہ اوس طرف متوجہہ وملتفت نہیں ہوتی ہیں بلکہ ڈرامائسٹ یعنے صانع حقیقی کے جلوہ کی متمنی ہوکر اسی تجسس میں منہمک ومستغرق ہوکر حقیقت بین واسرار جو نگاہ والوں کو فنا فی اللہ کردیتی ہیں۔ اہل بصیرت ان ڈراموں کی جانب ملتفت ہوں یا نہوں ہر انسان کی زندگی کا ڈراما جتنے ایکٹوں پر بروز ازل منقسم کیا گیا ہے وہ ضرور ظہور میں آکے رہیں گے اور ہر ایکٹ میں جس قدر گوناگوں سین مقرر کئے گئے ہیں وہ بھی اپنے اوقات مقررہ پر بدلتے رہیں گے اور اس میں بندہ عاجز ہے۔ ناظرین ناول ہذا جو فرخ کی زندگی کے ڈرامے کے تماشائی ہیں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ فرخ بھی اپنی زندگی کے ڈرامے کے ایکٹر کی حیثیت سے بہت سے پارٹ لے چکا ہے اور بہت سے سین ان کو دیکھا چکا ہے اب ایک نیا سین دیکھانا شروع کرتا ہے دوسرے لفظوں میں فرخ اپنی کتاب زندگی کا نیا ورق الٹتا ہے اب وہ متاہل ہوگیا ہے اور اپنی نئی حیثیت سے اسٹیج پر آتا ہے اوسکی ذمہ داریاں پیش خدا ورسول اور سوسائٹی میں بہت بڑھ گئی ہیں

مثل مشہور ہے گھر میں آئے جو توٹیڑھی بگڑی سیدھی ہوئے مثل تو اپنی جگھہ پر بہت صحیح ہے مگر اس پر عمل عموماً بہت مشکل ہے خصوصاً ایک اوباش صفت آدمی کے لئے۔ حق و باطل میں امتیاز کرنا حقوق و فرائض زوجین سے صرف واقف ہونا ہی نہیں بلکہ اون کو ملحوظ رکھکر عمل پیرا ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لئے عقل صائب و جبر نفسی طبعی نیکی و شرافت نسبی درکار ہے اب یہہ دیکھنا ہے کہ فرخ اس نئے پارٹ کو کیونکر ادا کرتا ہے یعنے اس پارٹ کے فرائض کو کیونکر انجام دیتا ہے۔ بروز جلوہ بوقت آرسی مصحف فرخ نے جب پہلی دفعہ اپنی دولہن پر نظر ڈالی تو دیکھتے ہی باغ باغ ہوگیا اور رعب حُسن سے اس قدر مرعوب ہوا کہ نظر نیچی کر لی اور اوس کی ساری کلفتیں چشم زدن میں کافور ہوگئیں اسنے دل میں اپنے معبود حقیقی کا اور نیز نواب دلدار علی خاں کا بے انتہا شکور ہوا۔ بعد انفراغ جلوہ و آرسی مصحف وغیرہ جب دولہن کو گھر پر لیکر آیا گو خوشی کے مارے پھولوں نہیں سمار ہا تھا اور اپنے جامہ سے باہر ہوا جاتا تھا مگر ساتھ ہی اس کے حسرت و افسوس کے بادل بھی اُمنڈ امنڈ کر اوس کے دل و دماغ پر چھانے جاتے تھے وہ اس لئے کہ بعض خیالات و جذبات مثلاً وطن کی دوری عزیز و اقربا کی مہجوری اوس کے والدین کا جنھیں اُس کا سہرا دیکھنے کی بیحد آرزو تھی ایسے موقع پر زندہ نہ رہنا نشتر کا کام کرنے لگے یہ ایک عارضی مگر فطری کیفیت تھی جو تھوڑی دیر کے بعد

زایل ہوگئی اور اوس کی طبیعت سنبھلی تو وہ اپنے مکان کے اُس قطعہ میں جس کو اوس نے زنانہ کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اور جس میں دولہن اُتاری گئی تھی داخل ہوا۔ جو عورتیں دولہن کے ساتھ آئی تھیں اونھوں نے دولہا دولہن کے پانوں دودھ سے دُھلائے اور قبلہ رخ بٹھا کے سجدہ کروایا اُس کے بعد فرخ نے دولہن کے دوپٹہ کا آنچل بچھا کر درگاہ باری تعالیٰ میں دوگانہ ادا کیا۔ ایک نعمت غیر مترقبہ کی حصول پر جناب باری کا شکریہ تہ دل سے ادا کیا اور نہایت خضوع وخشوع سے اپنے بھولے بھالے بیوی کے ساتھ خوش وخرم وشاد و آباد رہنے کی دعائیں مانگیں شادی کے بعد سے فرخ نے حیدر جان کے ہاں کی شب باشی وشب خوابی قطعًا موقوف کردی اور صحبت خورد و نوش جو روزانہ شام سے اوس کے مکان پر ہوا کرتی تھی وہ بھی بکقلم ترک کردی مگر بقول شخصے چور چوری سے گیا تو کیا ہیرا پھیری سے بھی گیا برسوں کی عادت یکدفعہ چھوٹنے سے رہی اس لئے بعیوض اپنے مکان کے حیدر جان کے مکان کو دارالتفریح اوس نے بنایا سرشام یاران طریقت وہاں جمع ہو جانے تھے فرخ بھی شام کے پانچ بجے ڈسپنسری سے واپس آنے کے بعد بیوی کے ساتھ چاء پیکر چہل قدمی کرتا ہوا کاشانہ حیدر جان میں جا دہمکتا شب کے گیارہ بارہ بجے تک صحبت مے گرم رہتی اوس کے بعد اپنے گھر واپس آتا عموماً شب کا کھانا گھر

ہی پر اپنی بیوی کے ساتھہ کھاتا تھا اس لئے بیوی میاں کے انتظار
میں جاگا کرتی ۔ آدھی رات تک جاگنا اور بھوکے رہنا بہت تکلیف دہ
امر ہے خصوصًا ایک بیچاری نئی نویلی دولہن کے لئے جس کو ایسی
عادت بھی کبھی کی نہ ہو مگر مسز فرخ مرزا نے اپنے تیور پر بل تک نہ
آنے دیا بلکہ اوس کے والدین جب کبھی اوس سے دریافت کرتے
کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے تو وہ اس کا جواب خندہ پیشانی
و بشاشت سے نفی میں دیتی شادی کے بعد تین چار مہینے تک یہ سلسلہ
جاری رہا پھر فرخ اپنے دل میں خود بخود منفعل ہونے لگا اور جلسے
کلب سے وار کردئے کبھی تیسرے روز کبھی چوتھے روز۔ مسز فرخ مرزا
نئی نئی بیاہی دولہن تھی کچھہ تو بلحاظ شرم و حجاب اور کچھہ بخیال
نادانی فرخ کے کسی کام و انتظام میں چھہ مہینے تک مطلق دخل نہیں دیا
جس طرح پر جو کام ہوتا تھا اوس کو اوسی طرح پر ہونے اور چلنے
دیا اس عرصہ مدت میں وہ فرخ کا رنگ ڈھنگ دیکھتی اور اسکی
طبیعت و ترکیب مزاج وغیرہ کا مطالعہ و اندازہ کرتی رہی ۔ منشی اور
ہڈ بٹلر کی بن آئی تھی ۔ سارے اخراجات انھیں دونوں کے ہاتھوں
پر تھے اور یہ دائیں بائیں ہر طرف فرخ کو لوٹتے اور اوس کی حجامت
بناتے تھے شادی کے بعد سے اخراجات اور بڑھ گئے تھے
اور یہہ بھی انہیں نمک حراموں کے زیر اہتمام تھے اس لئے ان کی
دسوں انگلیاں گھی میں تھیں ۔ مسز فرخ مرزا اندھا دھند لوٹ مار

دیکھہ دیکھہ کر دل ہی دل میں گھٹتی اور کھولتی آخر اوس سے نہ رہا
گیا اور اب شادی کو چھہ مہینے بھی ہو چکے تھے گھر میں کوئی عورت
مثل ساس نند کے نہ تھی جن کی وجہہ سے عموماً دولہنیں برسوں
گھونگٹ نہیں اوٹھاتیں اور شرماتی رہتی ہیں اور انتظام خانہ داری
ساس یا نند پر چھوڑ دیتی ہیں۔ یہاں وہ کس پر انتظام خانہ داری چھوڑتی
اس لئے بھی خانہ داری کی جانب اس کو متوجہہ ہونا پڑا اور اس نے
باجازت فرخ پچھلے چھہ مہینے کا حساب منشی سے طلب کر کے جانچا تو
بے حساب غبن پایا۔ مسز فرخ میرزا کو قادر مطلق و صانع حقیقی نے
جیسی پیاری صورت دی تھی ویسے ہی اعلے صفات بھی عطا فرمائے
تھے مادہ تدبیر منزل بھی کافی مقدار میں اوس کے خمیر میں ملا یا تھا
اب اوس نے باجازت فرخ روزمرہ کا حساب روزانہ دیکھنا شروع
کیا رفتہ رفتہ انتظامات و اخراجات میں ترمیم و اصلاح شروع کی۔
اس جگہہ پر چند امور تمثیلاً درج کئے جاتے ہیں۔ روزمرہ جو اناج
بازار سے خردہ فروش دوکانداروں کے ہاں سے گران قیمت پہ
اودہار آیا کرتا تھا وہ طریقہ بالکل ترک کر دیا اور مہینے بھر کا غلہ نمک
ومصالحہ وغیرہ یکمشت نقد قیمت دیکر گنجوں سے منگوانا شروع کیا
دو چار مختلف گنجوں سے پہلے نمونے منگوا کر مختلف مقامات کی
نرخ دریافت کرنے کے بعد جہاں چیز اچھی اور ارزان ملتی ہو وہاں سے
ایسا کیا۔ فرخ کے اصطبل میں تین گھوڑے تھے ایک عربی تھا جو

اوس جوں گاڑی میں لگایا جاتا تھا اور ایک جوڑی ویلر گھوڑوں کی تھی جو کلکتہ کے ڈائکس اینڈ کمپنی کے کارخانہ کی لینڈولٹ میں جوتی جاتی تھی۔ یہ ٹرن اوٹ ہواخوری کے لئے اور پارٹیوں (تفاریب) میں جانے کے لئے مخصوص تھا مگر فرخ مہینوں میں بھی کبھی ایکبار ہواخوری کو نہیں نکلتا اس لئے یہہ دونوں گھوڑے منصبدار نیئے ہوئے تھے کام نہ کاج من بھر اناج تو ضرور کھاتے تھے مسٹر فرخ میرزا نے یہہ تینوں جانور اپنے واسوں نکال کر کم کو سب گھوڑوں کی ایک جوڑی خریدی دونوں گھوڑے مضبوط و کم خور و خوبصورت ہونے کے علاوہ فرداً فرداً ایکے میں بھی چلتے تھے اور دونوں ملکر جوڑی میں بھی جاتے تھے ایک گھوڑا ڈسپنسری جانے کے وقت اور دوسرا فرخ کو واپس لانے کے وقت اوس جوں میں لگایا جانے لگا بعوض تین سائیس اور ایک کوچبان کے ایک سائیس رکھا اور کوچبان ایسا رکھا جو دوسرے گھوڑے کی مالش بھی کر لینے پر رضامند ہوا۔ فرخ معمولاً اپنے کوچین کو عہ ۵ ماہانہ اور سائیسوں کو فی اسم (سے) چھہ روپیہ ماہوار دیا کرتا تھا مسٹر میرزا نے کوچبان کی تنخواہ میں عہ ۱ اور سائیس کی ماہوار میں عہ ۲ روپیہ کا اضافہ کر دیا اس انتظام سے بہت بڑی بچت اخراجات اصطبل و گاڑی خانہ میں ہو گی۔ پھاٹک پر دو دربان فی اسم لعہ خشک مواجب کے تھے ان دونوں کو برطرف کر کے ایک عرب دس روپیہ ماہانہ مقرر کیا گیا رکھا اور اوس سے شرط یہہ کر لی کہ ہر وقت حاضر رہے۔ فرخ کو کتوار

بہت شوق تھا جن پر معہ ر ماہانہ کا ایک خاص ملازم تھا اس ملازم کو
برطرف کرکے مالی کی تنخواہ میں عصہ اضافہ کردیا اور راتب پکانے اور
کتوں کو نہلانے دھلانے کا کام مالی کے سپرد کیا باورچی کا ایک میٹ
معہ ر ماہانہ کا تھا اوس کو علیحدہ کرکے جہیز میں جو دو چھوکریاں آئی تھیں
اون میں سے ایک کو حکم دیا کہ مصالحہ وغیرہ پیسنے میں باورچی کا ہاتھ بٹائے
سابق کے باورچی کو جو صرف ہندوستانی کھانا پکانا جانتا تھا اور عہ ر تنخواہ
تنخواہ اور دونوں وقت کھانا پاتا تھا اوس پر سے پُردا آگ مارتا تھا
نکال باہر کیا اور ایک ایسا باورچی عہ ر ماہانہ پر رکھا جو علاوہ ہندوستانی
کھانوں کے ایٹیلین اور فرنچ ڈشین بھی عوام عموماً جن کو انگریزی
کھانا سمجھتے ہیں پکانے میں اچھا خاصہ دخل رکھتا تھا اس طرح پر بٹلر
بٹلر کی ضرورت جس حد تک انگریزی کھانا پکانے کے متعلق تھی باقی
نہ رہی ۔ انتونی ہڈ بٹلر کو جو نام کو عہ پندرہ روپیہ ماہوار پاتا تھا لیکن
بوجہ خائن ہونے کے بالائی یافت بے شمار حاصل کرتا تھا برطرف
کردیا اس انتظام سے علاوہ مالی نفع کے ایک خائن سے چھٹکارا
بھی ہوا ۔ دو شاگرد پیشہ صرف اوپر کے کام پر تھے جو کمروں میں ستھرائی
دیتے فرنیچر یعنے میز کرسیاں الماریاں وغیرہ جھاڑتے پونچھتے اور
فرخ کے ہمراہ باہر جاتے آتے تھے ۔ ان دونوں کو برخاست کردیا اور
ان کے عیوض ایک آدمی زنانے کا سودا سلف لانے علی الصباح کمروں
میں ستھرائی دینے کے لئے مقرر کیا اور فرنیچر جھاڑنے پونچھنے کا کام اُس

بٹلر کے سپرد کیا جو فرخ کو کھانا کھلاتا اور ڈریسنگ بوائے کا کام کرتا تھا
یعنے کپڑے پہناتا تھا۔ اور ڈلی چپراسی کو جو اونس کے کمرہ کے
دروازہ پر حاضر رہا کرتا تھا حکم دیا کہ فرخ کے ساتھ جایا آیا ہی کرے
اور جس وقت فرخ باہر جائے اونس روم کا دروازہ بند کر دیا کرے
سلیٹ پنسل جو اور ڈلی چپراسی کے پاس رہتی تھی دربان کے حوالہ
کر دی تاکہ فرخ کے غیاب میں جو لوگ آئیں اور وزیٹنگ کارڈ
اپنے ناموں کے نہ چھوڑ جائیں اُن کے نام سلیٹ پر لکھوا لیا کرے
فرخ کو جن اقسام کے سالن کباب شیرین غذائیں دل سے بھاتی
تھیں اون کی ایک فہرست بنائی۔ اُن کو ہفتہ بھر کے دونوں
وقت کے کھانوں پر تقسیم کر کے ہفتہ واری بل اوف فیر بنا کر باورچی
کے حوالہ کیا باورچی حرف آشنا تھا دونوں وقت کے کھانے اوسکے
موافق پکانے لگا۔ ڈریسنگ بوائے کے تدین کی شہرت تھی اوسکی
تنخواہ میں عصمہ کا اضافہ کر دیا۔ جن جن ملازموں کی چوریاں پکڑی
گئیں اون کو برطرف کر دیا۔ اس طرز عمل سے جملہ ملازمین ہوشیار ہو گئے
اور یہہ سمجھ گئے کہ سزا و جزا میں کیا فرق ہے اور اوس کے استعمال کا
محل و موقع کیا ہوتا ہے۔ مسز فرخ مرزا کا ارادہ تھا کہ منشی کو بھی علیحدہ
کر دے چونکہ وہ ایک ہوشیار و جفاکش آدمی تھا اجرائی کار کا خاص
مادہ رکھتا تھا فرائض مفوضہ کو بحسن و خوبی اور بر وقت انجام دینے کا
خاص سلیقہ رکھتا تھا گو متدین نہ تھا مگر اس قدر بد دیانت بھی نہیں تھا

جیسا کہ ٹڈ ٹبلر تھا ان دونوں میں فرق یہ تھا کہ اشتونی کی چوری نمک میں آنٹا اور منشی کی چوری آٹے میں نمک اس لئے فرخ نے اپنی بیوی سے منشی کی سفارش کی چونکہ مسز مرزا نے جو اپنے خاوند کے ارشادات و احکام کی تعمیل کو صرف فرض منصبی ہی نہیں بلکہ جزو ایمان تصور کرتی تھی فرخ کی سفارش بدل و جان قبول کر لی اور منشی کو رہنے دیا مگر اس پر کامل نگرانی خود رکھنے لگی مختصر سا ایک دستور العمل لکھکر منشی کے حوالہ کیا جس میں اس امر کی صراحت کر دی تھی کہ صبح پانچ بجے سے شب کے نو بجے تک کس کس ملازم سے کیا کیا کام کس طرح پر لیا جائے زبانی یہہ بھی کہلا بھیجا کہ ایک کتابچہ بنا کر ہر ہر کمرہ کے فرنیچر کی فہرستیں نام بنام علیحدہ علیحدہ اس میں لکھے اور اس پر ٹبلر کی دستخط لیکر ایک نقل اس کی ٹبلر کے حوالہ کرے اسی طرح پر گاڑی خانہ کے سامان کی فہرست جو کتابچہ میں درج کی جائے اس پر کوچبان کی دستخط لیکر ایک نقل اوس کو دے دی جائے باورچی خانہ کے ظروف وغیرہ کی فہرست جو کتابچہ میں درج کی جائے اس پر باورچی کی دستخط لیکر ایک نقل اس کو دے دی جائے باغبانی کے اوزار وغیرہ کی فہرست کی نقل مالی کے سپرد کی جائے۔ فرخ کے کپڑوں کی فہرست کی نقل ڈرسنگ بوائے کے حوالے کر کے کتابچہ پر اوس کی دستخط لیجائے کتب خانہ اور آفس کے رجسٹر وغیرہ کی فہرست ایک علیحدہ کتابچہ میں درج کی جائے اور اس پر منشی خود دستخط کر کے فرخ کو دے دے اور

اس کی نقل اپنے پاس رکھ لے منشی کو اس کا بھی اقتدار دیا کہ بلحاظ
نوعیت قصور وخطا خاطی ملازم پر جرمانہ کرے اگر کوئی سنگین خطا ہو تو
اس کی نسبت گزارش پیش کرے ورنہ خفیف غلطیون کی اصلاح اپنی
جگہہ پر خود کر لیا کرے۔ ان ہدایت وطریق عمل سے یہہ ہوا کہ ملازمین
اپنے اپنے کامون کے اور اسباب متعلقہ کے ذمہ دار ہوگئے۔ ہر
کام عمدگی سے اوقات مقررہ پر ہونے لگا لوٹ مار کا بازار یک قلم سرد
ہوگیا منشی سے یہہ بھی کہلا بھیجا کہ کل ملازمین کے کامون کی پوری
نگرانی رکھے اور ان کی غلطیوں اور خطاؤں کا اپنے تئیں ذمہ دار
سمجھے۔ ایک کتاب الاحکام بھی منشی کے سپرد کی اور یہہ کہلا بھیجا کہ
وقتاً فوقتاً جو کچھہ حکم دیا ہوگا اوس پر درج کر کے دستخط اطلاعیابی منشی
کی لے لی جائے گی اوس کو یہہ بھی حکم دیا کہ فرخ کے جیب خاص کے
اور متفرق اخراجات جس دن جو کچھہ ہوں اوسی دن لکھکر فرد حساب
اندر بھیجدیا کرے اور سوا گوشت اور پان اور پھولوں کے گجروں کے
جو روزانہ آتے ہیں کوئی چیز قرض نہ لی جائے۔ گوشت اور پان اور
گجروں کے لئے خاص قصائی تنبولی اور پھولار راتب دینے کیلئے
مقرر کیا جائے تاکہ چیز اچھی آیا کرے اور دینے والا ذمہ دار رہے۔
سال بھر کے اخراجات کے لئے اندازاً بجٹ یعنے موازنہ تیار کیا۔
ان انتظامات اور ہوشمند تدبیری سے جہاں بے سروپا اخراجات
ہونے کی وجہہ سے اوسط سات سو روپیہ ماہانہ کا خرچ تھا وہاں

صرف چار سو روپے ماہانہ صرف ہونے لگے مختلف شاپوں اور ہر اجنا نکا
جو قرضہ تھا جہاں سے بلوں اور تقاضوں کی بھرمار ہوا کرتی تھی رفتہ
رفتہ اوسے بھی ادا کرنے لگی اور چند مہینوں میں بالکل ادا کرکے
پس انداز کرنا شروع کیا۔ فرخ جس پر مسز میرزا کے حسن ظاہری کا
جادو بروز اول ہی اپنا کام کر چکا تھا اور جس کی حالت اس مصرعہ کے
مصداق ہو چکی تھی از یک کرشمۂ رخ دلبر اسیر شد مسز میرزا کا مادۂ
انتظامی و حسن تدبیر دیکھہ دیکھہ کر بے انتہا متحیر و مسرور ہونے لگا اپسے
مسز اد مسز میرزا کی اطاعت گزاری و فرمانبرداری فرخ کی گرویدگی
کی اور بھی باعث ہوئی۔

حیدر جان کے تعلق کا حال مسز میرزا کو معلوم ہو گیا تھا خود فرخ
نے بھی بحالت سرور ایکدفعہ اپنی غلطی کا اعتراف کر دیا تھا مگر مسز میرزا
ازراہ دانائی اشارۃً یا کنایۃً بھی باین خیال کہ حالت کہیں بد سے
بدتر نہ ہو جائے ایک حرف بھی شکوہ شکایت کا زبان پر نہیں لاتی ایک
خاموشی ہزار بلا ٹالتی ہے اس لئے اس خصوص میں اوس نے سکوت
اختیار کیا تھا اتنا تو البتہ ایک دفعہ اس کی زبان سے نکل گیا تھا
کہ ایک دل کے دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے وہ بھی دبی زبان سے اور فرخ
کے اظہار دعوئے تعشق پر۔ گو مسز میرزا اپنے منہ سے کچھہ نہ کہتی ہو مگر
اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حیدر جان کا وجود اس کے دلی راحت
و چین کے لئے رخنہ انداز نہ تھا دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی اور

بدرگاہ قاضی الحاجات و مقلب القلوب نمازوں میں فرخ کے سدہرنیکے
لئے الحاوزاری کے ساتھ دعائیں مانگتی ایک توحیدر جان کی وجہ سے
ہروقت رنج وتعب کا سامنا رہتا ہی تھا اس پر سے کوہ مصیبت یہ
ٹوٹا کہ شادی ہوکر ایک سال بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ مسز میرزا
کے ماں باپ دونوں نے اس دار فانی سے عالم جاودانی کا سفر
کیا وہ بھی اس طرح سے کہ مسز عباس علی مرزا کے انتقال کے بعد
بیالیسویں روز چند گھنٹوں میں ڈاکٹر عباس علی مرزا نے جو اپنی
بیوی کے عاشق صادق تھے جان بحق تسلیم ہوئے اور چھہ سات ننھے ننھے
ننھے بچے چھوڑ گئے بعض جن میں شیرخوار بھی تھے یہ وقت سخت امتحان
مسز میرزا کے لئے تھا۔ گو ڈاکٹر عباس علی میرزا اس قدر آمدنی کی
جایداد چھوڑ گئے تھے کہ ان بچوں کی پرورش کے لئے مکتفی تھی
مگر صرف روپیوں سے کیا ہوتا ہے بڑی ضرورت نگہداشت و تعلیم
و تربیت کی تھی غرض مسز میرزا نے اس صدمہ عظیم کو نہایت استقلال
و صبر و ثابت قدمی سے برداشت کیا اور ان ننھے ننھے معصوموں کی
ہر طرح سے خبرگیری کی اور اپنی نگرانی میں قابل قدر تربیت و تعلیم
دی مسز میرزا کی اس قیامت خیز مصیبت کی وجہہ سے فرخ کا یہ درد
دل اور بھی مسز مرزا کی جانب کھینچا۔ فرخ کو جب خوش و بشاش باقی
موقع و محل دیکھکر قصوں کے پیرایہ میں عادت سے نوشی کی مضرتوں کا
اظہار اور اس کی مذمت کیا کرتی۔ فرخ پر جس کے دل میں بیوی کی

روز افزون محبت گھر کرتی جاتی تھی جب یہ کھل گیا کہ اوس کی آوارگی
اس کی چہیتی بیوی کو ناپسند و ناگوار ہے اوس نے مے نوشی کم کرنا
شروع کی اور حیدر جان کے ہاں کی آمد و رفت و جلسہ بازی بہت
گھٹا دی تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری بیوی کے اصرار پر نماز جو
بہت دنوں سے چھوٹی ہوئی تھی پڑھنا شروع کی اب فرخ کی بعینہ
یہ حالت ہے سہ

مے بھی پیتے ہیں توبہ کرتے ہیں ؛ یہ بھی جاری ہے وہ بھی جاری ہے

یا یوں کہوں سہ

رات کو خوب سی پی صبح کو توبہ کر لی ؛ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

اس میں شک نہیں کہ یہ مصرعہ - تو یہ بڑی سپر ہے گنہگار کیلئے بہت صحیح ہے
فرخ نے حیدر جان کے ہاں گو آمد و رفت کم کر دی تھی مگر جس قدر
تنخواہ اوس کی مقرر تھی شادی کے بعد بھی اوس میں کسی قسم کی
کمی نہیں کی تھی اور ماہ بماہ برابر بھیجتا تھا مسز میرزا کی نیک نفسی
کی یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ بعض وقت فرخ کو یاد دلا کر
حیدر جان کی ماہوار بھجوا دیتی مگر برعکس اس کے حیدر جان کو
آتش رشک نے بالکل بے حواس کر دیا تھا جہاں فرخ گھڑی دو
گھڑی کے لئے آتا تو وہ لڑتا اور مسز میرزا کو کوسنا شروع کر دیتی
یہ طرز عمل خود حیدر جان کے حق میں مضر ہوا جہاں تیسرے چوتھے
روز فرخ جاتا تھا اب دس دس بارہ بارہ دن پر جانے لگا کیونکہ

مسنر میرزا بالکل بے قصور و ناکردہ گناہ تھی اس کی بُرائیاں فرخ سے سُنی نہیں جاتیں ہنسی مذاق گانے بجانے کے عیوض کوسنا پیٹنا حیدر جان کا دستور العمل ہو گیا اس لئے فرخ اب حیدر جان کی صحبت سے گھبرانے لگا مسنر میرزا کے لئے بعینہ یہ ہوا عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ شادی کے بعد سے ایک سال اور کئی مہینے ان جھگڑوں میں گزرے آخر حیدر جان اپنے کٹلمنڈی والے مکان سے ایک دن بے پتہ غائب ہو گئی کسی کام کے لئے کسی آدمی کو فرخ نے حیدر جان کے ہاں بھیجا تو اُس نے دیکھا مکان خالی پڑا ہے خدا کی قدرت حیدر جان کا لگایا گھر اجڑ گیا اور عنایت الٰہی سے مسنر میرزا کا گھر آباد ہوا ہے

کعبہ و بت خانہ کا بننا بگڑنا دیکھئے ؛ خانہ بربادی کسی کی ہو کسی کا گھر بنے

نظام عالم کا مدار اسی پر ہے کسی چیز کو بقا نہیں ہے۔ مصرعہ۔ عروج مہر بھی دیکھا تو دو پہر دیکھا۔ غرض جب اس آدمی نے چڑیا اُڑ جانے اور پنجرا خالی ہونے کی اطلاع فرخ کو دی فرخ نے سجدہ شکر خدا کا ادا کیا اس کی طبیعت کو اطمینان حاصل ہوا اور دل کو یکسوئی ہو گئی۔ مسنر میرزا کو بھی اس کی اطلاع فرخ نے خود آن کر دی گو مسنر میرزا نے اپنے دلی انبساط کا اظہار زبان سے نہیں کیا مگر حقیقتاً دل میں بیحد خوش ہوئی جس کے مختلف اسباب تھے ایک تو یہ کہ اب وہ تنہا فرخ کے دل و جان کی ملکہ ہو گئی دوسرے

یہ کہ مخرب عادات صحبت سے فرخ کو نجات ملی حقیقت تو یہ ہے کہ
مسز میرزا کی دعائیں مستجاب الدعوات نے قبول کیں ؎
بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن :: اجابت از در حق بہر استقبال می آید
رفتہ رفتہ فرخ نے شراب خواری بھی بالکل ترک کردی اور پابند صوم و
صلواۃ بھی ہوگیا بقول شاعر ؎ صحبت صالح ترا صالح کند فرخ
میں ہر طرح کا مادہ تو تھا ہی اُس نے پریکٹس کی جانب پھر توجہ کی
جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ فرخ پریکٹس کی جانب پھر دل دینے
لگا ہے اور بُری صحبتوں اور عادتوں سے بھی تائب ہوگیا ہے تو
پبلک کا پھر رجحان اس کی جانب ہوا اسی اثنا میں ایک اولاد بھی
اللہ نے اوس کو دی جو ایک سال کی ہوکر جاتی رہی۔ فرخ کی پریکٹس
اس قدر چمکی کہ ہزاروں روپیہ ماہانہ کی آمدنی ہوگئی مسز میرزا کی خوش انتظامی
و سلیقہ شعاری سے سولہ آنے میں چار آنہ خرچ اور بارہ آنہ پس انداز
ہونے لگا چار پانچ سال کے عرصہ میں لاکھوں کی جایدادیں بھی
فرخ نے خرید لیں مسز میرزا نے فطرۃً خدا ترس اور مذہبی خیال
کی ہونے کی وجہہ سے منت مانی کہ پہلے خدا کی راہ میں ایک مکان
تعمیر کراؤں گی اس کے بعد مکان سکونتی خریدوں گی اللہ نے
دعا قبول کرلی اور ایک کاروانسرائے اُسنے تعمیر کروائی اس کے
بعد پھر دوسری جایدادیں لیں فرخ بھی درحقیقت مذہبی خیال کا آدمی
ہے کچھہ دنوں کیلئے دماغ اوس کا زنگ آلود ہوگیا تھا اچھی صحبت نے اسپر

صیقل کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کی راہ میں بہت سے خیرات کا معتد بہ
حصہ لینے لگا اور دونوں میاں بیوی زیارات عتبات عالیات سے
بھی مشرف ہو آئے۔ مسز میرزا نے گو کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی تھی
بلکہ ڈاکٹر عباس علی مرزا اور ان کی بیوی نے جو عربی میں عالمہ اور
فارسی میں فاضلہ تھیں مسز میرزا کی تعلیم بہت اعلیٰ پیمانہ پر گھر ہی پر دی تھی
اس پر سے فرخ جیسے ہر فن مولیٰ کی صحبت نے اور چار چاند لگا دیئے
اب حالت یہ ہے کہ اپنے اوقات مقررہ پر فرخ ڈسپنسری جاتا ہے
وہاں سے آنے کے بعد تھوڑا وقت خانہ باغ کی آراستگی میں
دونوں میاں بیوی صرف کرتے ہیں اس شغل سے دونوں کو بالطبع
خاص دلچسپی ہے جو کچھ وقت بچتا ہے مفید تالیف و تصنیف و مضمون
نگاری اور خدمات قومی کی انجام دہی میں صرف کرتے ہیں خصوصاً
تعلیم نسواں کی اشاعت کی دونوں کو بہت بڑی فکر رہتی ہے تاکہ قوم
سدھرے چنانچہ مسز میرزا نے چھوٹے پیمانہ پر دو زنانہ مدرسے بھی قائم
کر رکھے ہیں۔ مسز میرزا کی ہمقوم مستورات نے بعض انجمن خواتین کی
معتمدی کی خدمت بھی اُس کے تفویض کر دی ہے۔ فرخ کو بھی قومی
کاموں سے خاص دلچسپی ہے ؎

دلا فرخ کی حالت دیکھ قدرت یاد آتی ہے ؛ جو اول یوں شرابی ہو وہ آخر پارسا نکلے
یا یوں کہوں۔ ان آنکھوں کا یہی بس کیا ؛ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ
سب سے بڑی چیز فضل باری کا شامل حال ہونا اور توفیق نیک منجانب اللہ ہونا تھا

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ماسوا اسکے عورت میں بھی عجیب تاثیر خالق اکرم نے عطا فرمائی ہے وہ
ہر قسم کے جذبات کو متحرک کر سکتی ہے رزم گاہوں میں رجز خوانیاں کرکے
بزدلوں کو شیر دل بنا دیتی ہے۔ لورڈ بیکنسفیلڈ کا جو کئی بار دولت برطانیہ
کے وزیر اعظم رہے تھے ابتدائی زمانہ بہت آزادی کا تھا شادی
کرنیکے بعد جو اصلاحیں اون کی بیوی نے کیں اون کی ایک داستان ہے
قصہ مختصر اون کی بیوی نے اون کو اعلےٰ درجہ کا مقرر پارلیمنٹ کا ممبر
پھر پارلیمنٹ کا رکن حتےٰ کہ وزیر اعظم اپنے نیک مشوروں اور ترغیبات سے
بنا کر چھوڑا جو کچھ نام و شہرت لورڈ ڈزریلی نے پیدا کی پہلے تو افضال خدا
کا طفیل اوس کے بعد ایک چاہنے والی لائق بیوی کی خوش تدبیری کا
کرشمہ تھا۔ ایسی متعدد مثالیں یورپ کے ملکوں میں پائی جاتی ہیں
مگر بدقسمتی سے ہماری قوم میں ڈھونڈنے سے بھی شاید ہی کوئی ملے
جسکا سبب یہ ہے کہ لائق عورتوں کا خاصہ کال ہماری قوم میں ہے اور یہ
نتیجہ مردوں کی غفلت یا جہالت کا ہے جو عورتوں کو قابل بنانا پسند
نہیں کرتے۔

خدا ہماری قوم کو توفیق نیک دے۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد
ناظرین کی واقفیت کیلئے آخر میں یہ بھی لکھنا ضرور ہے کہ افتخار کا کیا ٹھہرا
سننے میں آیا ہے کہ جب تک فرخ کی شادی نہیں ہوئی تھی اور وہ آوارگی میں

مبتلا تھا تو افتخار کو ایک گونہ امید تھی کہ جوانی دیوانی ڈھل جانیکے بعد ممکن ہے کہ فرخ سنبھلے اور افتخار کی یاد اوس کو آئے اور وہ اوس سے شادی کر لے مگر جبکہ فرخ نے مس عباس علی مرزا سے شادی کر لی اور اوس کی خبر افتخار کو پہونچی اوس نے اپنی چوڑیاں توڑ ڈالیں اور سفید پوشاک پہن لی گویا رنڈسالہ پہنا ایک عرصہ دراز تک نہایت مضطر و پریشان رہی دوستوں اور عزیزوں کے سمجھانے اور کہنے سے کسی گرلس اسکول میں معقول مواجب پر ملازمت قبول کر لی ہم خرما و ہم ثواب جس سے آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ بھی پیدا ہو گیا اور مشغولیت بھی رہنے لگی۔ فرخ کے دوست غازی الدین احمد جن کی بیرسٹری حیدر آباد میں چل نکلی تھی اپنے والدین کے مجبور کرنے پر چند سال حیدر آباد میں رہکر اپنے وطن واپس چلے گئے اور اب وہیں پریکٹس کرتے ہیں۔

احقر العباد
سید ہمایون مرزا

ہمایون منزل
حیدرآباد دکن
۴ر جون ۱۹۱۶ء

صحت نامہ کتاب کرشمۂ تقدیر

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
اک	ایک	۱	مقدمۂ کتاب ۱
تبارک و تعالےٰ	تبارک تعالےٰ	۳	۱
جبرئیل بہ تہنیت زود آمد و گفت اے ختم رسل۔	جبرئیل بہ تہنت زود امد و گفت	۱۰	۱
تمدلی	تمدقی	۱	۳
کچھہ	گچھہ	۹	اصل کتاب ۱
اکڑتا	انکڑتا	۷	۲
اُس شخص	ایک شخص	۱۲	۲
اُسی طرح	اُس طرح	۳	۳
کہسیانی	کہسیانی	۱۳	۵
اوٹہاکر	اوٹہایا	۱	۶
غدار	غدر	۱	۷
عشعش	عشعش	۱۰	۱۰
لو	تو	۱۴	۱۵
تہوڑی	تہوری	۱۳	۱۸
نوج	فوج	۲	۲۱
ملادیتیا	ملا دیتا	۱	۲۳

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵	۹	پس	بس
۲۷	۷	خیر	خبرے
۲۶	۱۵	سی	ہنسی
۲۹	۳	نو	تو
۲۹	۳	چاہیئے	چاہیے
۲۹	۸	گائون	گگا نون
۲۹	۱۸	پڑتا	پڑتا
۳۱	۹	سنا دے گی	سُنا دو گی
۳۱	۱۵	مخاطب ہو	مخاطب ہوکر
۳۲	۱	بلیکوٹن	بلیکوٹنا
۳۲	۶	چڑاکر	چڑکر
۳۳	۷	ایک نوجوان	ایک توجوان
۳۳	۱	بیٹی	بیٹھی
۳۳	۸	بیکسا ہی	بیسا ہی
۳۳	۱۱	دل نخواستہ	دل ناخواستہ
۵۷	۱۳	نظاہراس	نظاہرایک
۵۷	۱۶	ڈہڑے	ڈہرے
۶۸	۳	ہی	سی
۷۱	۱۰	جنبان	جنبانی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۲	۱۴	دوستون	دوستان
۷۳	۱	دوروپیہ	دوروپیئے
۷۴	۴	لگائے گوڑے	لگائے ہوئے
۷۹	۱۸	گیگیا	گیا
۸۰	۱۰	خطوہ	خطوط
۸۴	۱۴	یہ رستران	یارستران
۸۴	۱۴	یکے باد دیگرے	یکے بعد دیگرے
۸۵	۵	ہاتھ خط میرا دینا	ہاتھ مین دینا ہمارا خط
۹۵	۱۵	پہرکترن	پہرکرین
۹۸	۵	جہولی	جہولیٔ
۹۸	۵	بھا	جنا
۹۸	۱۷	نظیرلیو	نظیرلو
۱۰۳	۱	بوت	جوت
۱۰۳	۱۷	بون	بوس
۱۰۳	۱	پرچہنے	ریچہنے
۱۰۳	۱۹	اکیس	آینش
۱۰۹	۱	گہ سے	گڈسے
۱۱۰	۲	پرواہ	پروا
۱۱۴	۱۶	متو	منو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۷	۳	سولہا	سولہہ
۱۱۷	۱۲	اللہ رے گرمی	اللہ ری گرمی
۱۱۸	۲	تصور	قصور
۱۲۱	۱۲	پہرکتی	پہڑکتی
۱۲۱	۱۵	تبہ	تجبہ
۱۲۴	۱۸	دیکھنہ	دیکہہ
۱۳۱	۵	اس وقت لگی	اسوقت دل لگی
۱۳۸	۷	مشرقی	مشرق
۱۴۱	۱۳	منجیث	منحیث
۱۴۸	۱۵	ہم تعداد مین	ہم کافی تعداد مین
۱۴۹	۱۳	یعنی ز	یعنی زیور
۱۵۱	۶	چاہیے	چاہیئے
۱۵۱	۱۳	مسز چو دہری	مسز چودہری
۱۶۴	۵	ہماری	میری
۱۷۰	۸	ملنے	لئے
۱۷۱	۷	اسنے لیا ہے	مینے لیا ہے
۱۷۴	۱۸	گہتنی	گہٹتی
۱۷۵	۱۸	رکھیا	احتیاط
۱۹۰	۶	برہتی	بڑہتی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٢٥٠	٩	کہین اتبک	کبکے اتبک
٢٥٧	٥	بڑی	بڑہی
٢٥٩	١٩	علم ہی کی	علم ہی کی بدولت
٢٦٠	٢	عالم	عالمہ
٢٦٠	١٩	کو تعلق	کوئی تعلق
٢٦٤	٩	نہ انس وجن کو	نہ جن وانس کا
٢٦٥	٧	صحت	صحبت
٢٦٥	٩	مترد	متردد
٢٦٦	٣	محبت جسمانی	صحت جسمانی
٢٦٦	٦	جیٹھی	چیٹھی
٢٦٧	١٨	بستی	بشتی
٢٧١	١٩	ایلکٹرپلیٹیڈ	ایلکٹروپلیسٹیڈ
٢٧٦	١٤	غذا سیر	غذا آسیر
٢٧٧	٩	گلستو کی	گلستو
٢٧٨	٥	گھائل کرن	مجروح کرنا
٢٨٤	٣	جو	چو
٢٨٨	٨	لب سڑک	سرراہ
٢٩٠	١٣	تقریبا	تقریباً
٢٩٣	١١	بزتانی	پرتانی
٣٠٠	١٤	گردش	تاکہ اس سے
٣٠١	٨	کان تلے	کہا تاکید
٣٢٣	٩	ترشیات	ترغیبات